قیصرِ اقلیمِ مرثیہ

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

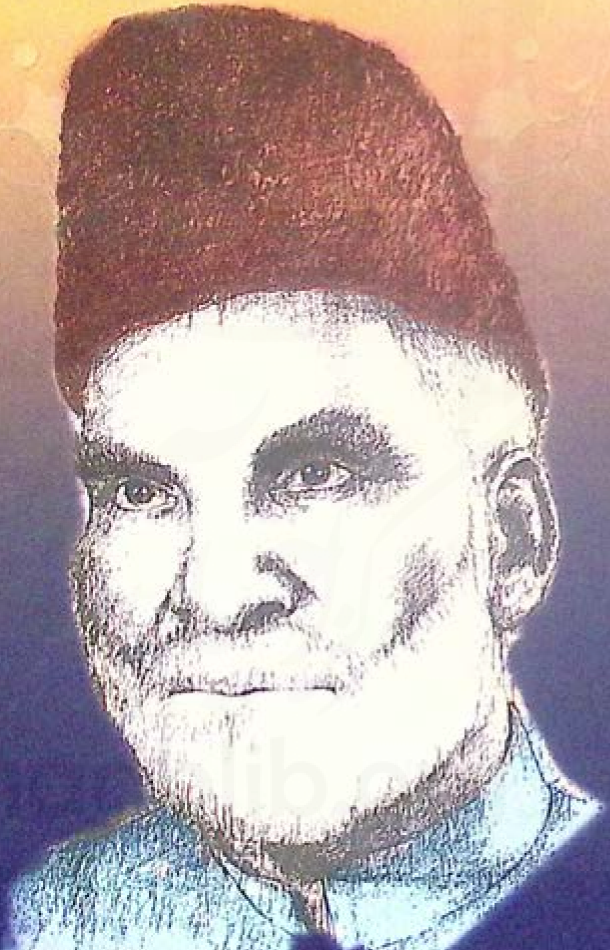

قیصرِ اقلیمِ مرثیہ

(تحقیق و تنقید)

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

MAAB 1431

maablib.org

❖❖

کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقّارہ ہے
(قیصر بارہوی)

قیصر اقلیم مرثیہ

(شاعرِ حسینیتؔ قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری)

◆

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

◆

الحسن پبلیکیشنز

۲۵۳۔ الیف، رحمان پورہ۔ اچھرہ، لاہور (پاکستان)

حقوق اشاعت محفوظ

۲۰۰۶ء

قیصرِ اقلیمِ مرثیہ

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

ناشر

ڈاکٹر سیّد محمد باقر زیدی

طابع

سیّد اظہار الحسن رضوی

مطبع

اظہار سنز، ریٹی گن روڈ۔ لاہور

کمپوزنگ

تصور کمپوزنگ سنٹر لٹن روڈ لاہور

قیمت ۳۰۰ روپے

یکے از مطبوعات

الحسن پبلی کیشنز ۲۵۳۔ ایف رحمان پورہ لاہور۔ (پاکستان) فون: ۷۵۸۰۶۴۳

انتساب

بیسویں صدی کے نامور محقق، نقاد اور مرثیہ شناس

محترم ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب

کے نام

◆◆

maablib.org

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی دیگر کتب

- مفاہیم (تحقیقی وتنقیدی مقالات)
- ترجیحات (انعام یافتہ) (تحقیقی وتنقیدی مقالات)
- اُردو مرثیہ اور مرثیہ نگار (تحقیقی وتنقیدی مقالات)
- تصریحات (تحقیقی وتنقیدی مقالات)
- جدید غزل اور اسلم کولسری کا شعری سرمایہ (تحقیق وتنقید)
- مختصر مرثیے کی روایت اور سیّد وحید الحسن ہاشمی (تحقیق وتنقید)
- سیّد وحید الحسن ہاشمی کی شعری جہتیں (تحقیق وتنقید)
- آلِ رضا کا فنِ غزل گوئی (تحقیق وتنقید)
- باقیاتِ آلِ رضا (سیّد آلِ رضا کے غیر مطبوعہ کلام کی تدوین)
- جدید لہجے کا شاعر۔سیف زلفی (شخصیت وفن)
- شام وسحر کی باتیں (ماہنامہ "شام وسحر" لاہور کے اداریے)
- آغا صاحب (ڈاکٹر آغا سہیل کی شخصیت وفن)
- کلیاتِ حبیب (حبیب جونپوری کے کلام کی تدوین)
- العطش (سیّد وحید الحسن ہاشمی کے چالیس مرثیوں کا تجزیہ وتدوین)
- قیصر بارہوی کے مرثیے (قیصر بارہوی کے ترپن مرثیوں کا تجزیہ وتدوین)
- طاہرین (سیّد وحید الحسن ہاشمی کی نعتیں، مناقب اور سلام۔تجزیہ وتدوین)
- سیف زلفی کے مرثیے (تجزیہ وتدوین)

مندرجات

- چند معروضات ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن ۹

باب اوّل

- قیصر بارہوی کے سوانحی کوائف اور اعترافات ۱۱

باب دوم

- قیصر بارہوی کے مرثیوں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ ۴۹

باب سوم

- جدید اُردو مرثیہ اور قیصر بارہوی کا اختصاص ۲۰۹

بابِ چہارم

◆ قیصر بارہوی کے مرثیوں کا انتخاب

آیاتِ آمنہؑ ۲۵۱

اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

(مرثیہ در حال حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا)

❖

علمِ غیب اور محمدؐ وآلِ محمدؐ ۲۶۹

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سُخن

(مرثیہ در حال فضائل و مصائب اہلبیتؑ)

❖

آروئے فکر ۲۸۹

دوستو! انسان کے اندر بھی اک انسان ہے

(مرثیہ در حال حضرت بلالؓ)

❖

یوسفِ کربلاؑ ۳۰۷

حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

(مرثیہ در حال شہادت حضرت علی اکبرؑ)

❖

◆◆◆

maablib.org

چند معروضات

بیسویں صدی میں جدید اُردو مرثیہ کے معماروں میں نجم آفندی، جوش ملیح آبادی، جمیل مظہری، نسیم امروہوی، آلِ رضا، شاہد نقوی، ڈاکٹر صفدر حسین، سیّد وحید الحسن ہاشمی اور قیصر بارہوی کے نام شامل ہیں۔ ان تمام شعراء کی رثائی خدمات اپنی جگہ مسلّم ہیں تاہم قیصر بارہوی کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے اس صنف کے رثائی مزاج کو قائم رکھتے ہوئے اسے مقبولِ عام وخاص بنایا۔ قیصر بارہوی کو دوسرے شعراء پر یہ بھی فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے بڑے شہروں کے ساتھ ساتھ چھوٹے قصبوں اور دیہات میں گلستانِ مرثیہ کی آبیاری کی اور وہاں صنف مرثیے کی ایسی فصل اُگائی جو آج بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے۔

قیصر بارہوی ایک ہمہ جہت شاعر تھے۔ انہوں نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی مگر اپنی فکر اور اسلوبِ بیان سے انہوں نے مرثیے کی صنف کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بھی کیا اور اسے ہم عصر اصناف میں ممتاز مقام دلانے کی کامیاب کوشش بھی کی۔ راقم الحروف کی دیرینہ تمنا تھی کہ قیصر بارہوی کی زندگی ہی میں ان کا تمام کلام زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ خاص طور پر ان کے مرثیوں کی تعداد کے حوالے سے جو مغالطے پیدا ہو گئے تھے، اُمید ہے کہ اب ان کے ترپن مرثیوں کی اشاعت کے بعد یہ مغالطے رفع ہو گئے ہوں گے۔

زیرِ مطالعہ تصنیف میں راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری پر کماحقہٗ روشنی ڈالی جائے۔ اسی لیے ان کے تمام مرثیوں کا علیحدہ علیحدہ مطالعہ بھی پیش کیا جا رہا ہے اور بیسویں صدی کے شعری منظر نامے میں ان کے اختصاص کو بھی اُجاگر کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ پہلے باب میں عام قارئین کے لیے قیصر بارہوی کے مختصر اُسوانحی کوائف بھی پیش کر دیے گئے ہیں اور آخری باب میں قیصر بارہوی کے مختلف النوع نمائندہ مرثیوں کا انتخاب بھی شامل ہے تا کہ

قیصر بارہوی کے قارئین وشائقین تجزیہ وتنقید کے ساتھ ان کے مرثیوں سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔قیصر فہمی اور قیصر شناسی کے حوالے سے یہ کتاب کس حد تک باوقار ٹھہرتی ہے اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

راقم الحروف کو اس کتاب کی تخلیق وتسوید میں عصرِ حاضر کے نامور مرثیہ نگار سیّد وحیدالحسن ہاشمی کا بے پناہ تعاون حاصل رہا ہے۔عسیرالحصول مواد کی فراہمی میں اپنے عمِ بزرگوار رونق رضا صاحب اور قیصر بارہوی کی اہلیہ محترمہ خدیجہ بیگم کا بھی ممنون احسان ہوں۔ پروفیسر آصف وٹو اور انجم فاروق نے ہمیشہ مجھ سے تعاون کیا ہے۔پروفیسر فرقان قریشی صاحب نے اس کتاب کو حرف بحرف پڑھا ہے۔تصور صاحب نے اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے میں اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کر دی ہیں۔اظہارالحسن رضوی صاحب اور اُن کے صاحبزادوں نے اس کتاب کی اشاعت میں جو دلچسپی لی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ میں ان تمام احباب کا شکرگزار ہوں۔ یہ کتاب تین برس کی محنت شاقہ کے بعد معرضِ تخلیق میں آئی ہے اور اس دوران میری زوجہ (سیماب رضوی) اور بچوں (ایما،ثنا،وجیہ) نے جس طرح میرے ساتھ علمی تعاون کیا ہے اس کی داستان بے حد طولانی ہے۔میرے والدین کی دعائیں ہمیشہ میرے شاملِ حال رہتی ہیں۔ اسی طرح میرے بھائیوں (نقاش ہاشمی،شریف ہاشمی،عرفی ہاشمی) نے بھی ہمیشہ میرے علمی اور ادبی کاموں کی حوصلہ افزائی کر کے میری ہمت بڑھائی ہے۔ میں ان تمام اعزہ،احباب اور اقربا کا شکرگزار ہوں۔آخر میں،میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ علیؑ و فاطمہؑ کے وسیلے سے میرے کومل جذبات کو عروج عطا فرمائے۔(آمین)

میں یہ کتاب عصرِ حاضر کے نامور نقاد،محقق اور مرثیہ شناس جناب ڈاکٹر ہلال نقوی کی رثائی خدمات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ان کے نام منسوب کر رہا ہوں

؎ گر قبول افتد زہے عز و شرف

رابطہ

۲۵۹-الف، رحمان پورہ،اچھرہ،لاہور،پاکستان

موبائل:۰۳۳۳-۴۲۵۵۱۵۳

(ڈاکٹر) سیّد شبیہ الحسن

بکم جولائی ۲۰۰۶ء

◆◆◆

باب اوّل

قیصر بارہوی کے سوانحی کوائف اور اعترافات

لکھنو برصغیر کی تہذیب وثقافت کا سب سے بڑا مرکز تھا' یہی سبب ہے کہ جملہ فنونِ لطیفہ یہاں اوجِ کمال تک پہنچے۔ نثر ہو یا شاعری' یہاں کے تخلیق کاروں نے ہر میدان میں اپنی صناعانہ تخلیقی ہنرمندیوں کا ثبوت دیا۔ فن کے اظہار کے لئے نئے نئے راستے تلاش کئے جانے لگے۔(۱) خارجیت اور ڈرامائی عناصر کے امتزاج سے لکھنؤ میں ایک منفرد شعری فضا تشکیل پانے لگی۔(۲) اسی صورتِ حال میں خارجیت' ڈرامائی عناصر اور واقعۂ کربلا کے مثلث نے صنفِ مرثیہ کا تخلیق نامہ مرتب کیا۔ برصغیر کی سرزمین کا طرزِ احساس اور اس کے تہذیبی اثرات نیز عرب کے تاریخی واقعات وعوامل انیس و دبیر کے مرثیوں میں یکجا ہو کر فن کی انتہائی بلندیوں کو چھونے لگے۔ ان دونوں حضرات نے مرثیے کے تخلیقی امکانات کو وسیع کیا(۳) اور اپنے بہترین افکار کو اپنے متنوع اسالیب میں پیش کر کے ہر عہد کے شعراء کو متاثر کیا۔(۴) تا اینکہ یہ سلسلہ آج

---

(۱) صفدر حسین' سید' ڈاکٹر' مرثیہ بعد انیس' لاہور' سنگ میل پبلی کیشنز' ۱۹۷۱ء' ص ۲۳۔

(۲) عابد علی عابدؔ (دیباچہ)' موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ' لاہور' مجلس ترقی ادب' س ۔ ن' ص ۶۔

(۳) احتشام حسین (مقدمہ)' مراثی انیس میں ڈرامائی عناصر' لکھنؤ: نسیم بکڈپو' ۱۹۵۹ء' ص ۷

(۴) شجاعت علی سندیلوی' تعارف مرثیہ' الٰہ آباد' ادارہ انیس اردو' ۱۹۵۹ء' ص ۴۳۔

بھی جاری ہے۔ انیس و دبیر نے برصغیر کے تہذیبی عناصر کو جس طرح اپنے مرثیوں میں محفوظ کیا تھا' اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ان کے مرثیوں کے مطالعے سے ہم آج بھی برصغیر کی اسلامی تہذیب و ثقافت کا کھوج لگا سکتے ہیں۔ (۱)

بیسویں صدی میں ہندوستانی معاشرت پر طرح طرح کے بین الاقوامی سیاسی' سماجی' مذہبی اور معاشی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ انیس و دبیر کا لکھنؤ زوال آمادہ تھا اور عظیم تہذیبی روایات دم توڑ رہی تھیں۔ تاہم بقول سید عاشور کاظمی :

"ــــ

"۱۸۵۷ء کے بعد اودھ کی تہذیب کو مٹانے کی کوششوں کے باوجود لکھنو گہوارۂ علم و ادب تھا...... میر انیس کا شہر لکھنؤ رثائی ادب کا شہر لکھنؤ تہذیب سیادت کا شہر لکھنؤ وہ شہر جو دماغ وضع کرتا تھا۔ وہ شہر جو پتھروں کو دل بنا دیتا تھا۔ (۲)

ــــ"

دانش مند کہتے ہیں کہ جب چراغ بجھنے لگتا ہے تو اس کی لَو تیز ہو جاتی ہے۔ کچھ یہی صورتِ حال لکھنو میں بھی تھی کہ زوال آمادگی کے باوجود یہاں متداولہ علوم و فنون ترقی کر رہے تھے اور یہاں کی چمک دمک نوواردان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس صورتِ حال میں ایک علمی و ادبی خاندان کا چشم و چراغ قیصر عباس لکھنو میں وارد ہوا اور ماحول اور ذہنی استعداد کے باعث کم سنی ہی میں قیصر بارہوی کے نام سے مقبول ہو گیا۔ (۳) یہی قیصر بارہوی سلطنتِ مرثیہ کے قیصر بن کر نصف صدی تک دنیائے مرثیہ پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس قابلِ قدر شاعر کی شخصیت کا بھرپور مطالعہ کیا جائے اور اس کی شاعری کے جملہ محاسن کا احاطہ کیا جائے۔

---

(۱) سجاد باقر رضوی' ڈاکٹر' معروضات' لاہور' پولیمر پبلی کیشنز' ۱۹۸۹ء' ص ۳۷۔

(۲) عاشور کاظمی' سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس' ۲۰۰۶ء' ص ۶۰۰۔

(۳) قیصر بارہوی امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۰ء' ص ۱۵۱۔

قیصر بارھوی ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ان کی پوری زندگی جدوجہد سے عبارت ہے۔ ذیل میں موصوف کی زندگی اور نمایاں ترین کارناموں کے کوائف مختصراً پیش کیے جارہے ہیں:

❖ کوائف

• نام	سیّد قیصر عباس زیدی
• قلمی نام	(ا) قیصر لکھنوی (اولاً)
	(ب) قیصر بارھوی (ثانیاً)
• تخلص	قیصرؔ
• ولادت	(ا) ۱۹۲۷ء (تحقیق کے مطابق اصل)
	(ب) ۱۶ جنوری ۱۹۲۸ء (اسناد کے مطابق)
• مقامِ ولادت	کرنال (پنجاب۔ بھارت)
• والد	سیّد وزارت حسین زیدی (زمیندار)
• نسب	سادات زیدی
	(اولادِ حضرت زید شہیدؑ ابن امام زین العابدینؑ).

❖ تعلیم

• میٹرک	کالی چرن ہائی سکول لکھنؤ	۱۹۴۴ء
• دبیر کامل	لکھنو یونیورسٹی لکھنؤ	۱۹۴۷ء
• منشی فاضل	پنجاب یونیورسٹی لاہور'	۱۹۵۵ء
• ادیب فاضل	پنجاب یونیورسٹی لاہور'	۱۹۵۶ء
• ایف۔اے	پنجاب یونیورسٹی لاہور'	۱۹۵۷ء
• بی۔اے	پنجاب یونیورسٹی لاہور'	۱۹۶۰ء

❖ عقد

- ہمراہ خاتون زہرا (مرحومہ) بنت شفیق حسین زیدی، ۱۹۵۱ء
- ہمراہ خدیجہ بیگم بنت شمس الزمان، ۱۹۸۳ء

❖ اولاد

- پانچ بچے ہوئے جو پیدائش کے وقت ہی فوت ہو گئے۔

❖ ملازمت

- محکمہ ترقیات تھل، خوشاب، پنجاب (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۹ء)
- محکمہ مال پنجاب، لاہور (۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۹ء)

❖ سبکدوشی

- ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء (ایک سال کی توسیع مل گئی)
- ۱۴راگست ۱۹۸۹ء (مکمل سبکدوشی)

❖ ابتدائے سخن

- ۱۹۴۰ء میں صنفِ غزل سے شاعری کا آغاز
- مشورۂ سخن حضرت معزز لکھنوی
- پہلا شعر۔

بجھ گئے ہیں مری خوشی کے چراغ
اب زمانہ جلائے غمی کے چراغ

❖ سخن زاری

- غزل (۱۰۰ سے زائد)
- مرثیہ (مختلف موضوعات پر ۵۳ مرثیے)
- مناقب (۵۰ سے زائد)

- قصائد (۵۰ سے زائد)
- سلام و نوحہ (۱۰۰ سے زائد)
- منظومات (مختلف موضوعات پر ۵۰ سے زائد)
- قطعات و رباعیات (۳۰۰ سے زائد)

❖ نثری کاوشیں

- مختلف موضوعات پر تحقیقی، تنقیدی اور تاثراتی مضامین، فلیپ اور دیباچے

❖ تصانیف

(مطبوعہ)

- شبابِ فطرت (مرثیے) ۱۹۶۹ء
- معراجِ بشر (مرثیہ) ۱۹۷۵ء
- عظیم مرثیے (مرثیے) ۱۹۷۷ء
- آیاتِ آمنہ (مرثیہ مع تنقید) ۱۹۸۸ء مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
- منفرد مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۰ء
- امتزاج (غزلیں) ۱۹۹۰ء مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
- منتخب مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۱ء مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
- بارگاہ (قصائد) ۱۹۹۳ء
- مرثیہ ۱۹۹۷ء
- معتبر مرثیے (مرثیے) ۱۹۹۸ء مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
- قیصر بارہوی کے مرثیے ۲۰۰۶ء مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

(زیرِ طبع)

- ہجومِ احساس (سلام) (مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن)
- باقیاتِ قیصر بارہوی (مرتبہ ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن)

❖ ادب پروری

- سربراہ، حلقۂ شعرائے اہلبیت، پاکستان
- سرپرست، حلقۂ حمد و نعت و سلام پاکستان
- سرپرست، ادارۂ تقدیسِ قلم کراچی
- صدر، حلقۂ اہلِ قلم لاہور
- ممبر، حلقۂ اربابِ ذوق لاہور

❖ خطاب

- شاعرِ حسینیتؑ (علامہ حافظ کفایت حسین مرحوم کا عطا کردہ)

❖ اعزازات

- قیصر بارہوی گولڈن جوبلی کا انعقاد (لاہور، ۱۹۹۰ء)
- ماہنامہ شام و سحر کا قیصر بارہوی نمبر (جون ۱۹۹۰ء)
- قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری، ڈاکٹر ہارون قادر

(مقالہ ایم۔فل اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

❖ اسفار

- متحدہ عرب امارات (۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۹ء)
- اسلامی جمہوریہ ایران (۱۹۸۵ء)
- بھارت (۱۹۸۹ء)
- عراق (۱۹۸۹ء)

❖ قیصر شناسی

(قیصر بارہوی کی شخصیت اور فن کے بارے میں شائع ہونے والی تحریریں)

- احمد ندیم قاسمی — قیصر بارہوی کی غزل

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر آغا سہیل — قیصر بارہوی کی غزل

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر سرفراز قاضی — قیصر بارہوی ایک منفرد غزل گو

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ذوالفقار فرخ — ایک جدید غزل گو۔ قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر اجمل نیازی — غزل اور مرثیے کا امتزاج

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عارف ثاقب — قیصر بارہوی۔ کچھ یادیں کچھ باتیں

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر ہارون قادر — 'سر الحیات' قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- علامہ سیّد انوار ظہوری — اردو مرثیہ اور قیصر بارہوی

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر حق نواز — ایک منفرد مرثیہ نگار

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر حسن عسکری کاظمی — شاعرِ حسینیت۔ ایک مطالعہ

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر شاہین ہارون — شبابِ فطرت۔ ایک مطالعہ

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- پروفیسر شمیم انوار الحق — معراجِ بشر۔ ایک مطالعہ

(ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)

- ڈاکٹر عبدالکریم خالد　　عظیم مرثیے۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)
- مظہر نیازی　　آیاتِ آمنہ۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)
- ڈاکٹر عباس رضا　　امتزاج۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)
- سید نقاش ہاشمی　　منفرد مرثیے۔ایک مطالعہ
(ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' قیصر بارہوی نمبر ۱۹۹۰ء)
- ڈاکٹر سید شبیہ الحسن　　قیصر اقلیم مرثیہ۔قیصر بارہوی
(اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار' لاہور: اظہار سنز' ۲۰۰۴ء)
- ڈاکٹر شبیہ الحسن　　قیصر بارہوی کی غزل پر مکالمہ
(امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۰ء)
- ڈاکٹر عاصی کرنالی　　قیصر بارہوی کے بارے میں تاثرات
(عظیم مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت' ۱۹۷۷ء)
- سید وحید الحسن ہاشمی　　قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک
(مرثیہ لاہور: رضا سنز' ۱۹۹۷ء)
- ڈاکٹر طارق عزیز　　قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس
(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء)
- ڈاکٹر عبیداللہ خان　　قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرتِ آمنہؑ
(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء)
- ڈاکٹر فخر الحق نوری　　قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ
(آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء)

• حشمت علی قمر
قیصر بارہوی، شاعرِ انسانیت
(ماہنامہ "شام وسحر" لاہور، اگست ۲۰۰۳ء)

• حسن عسکری کاظمی
منفرد مرثیے میری نظر میں
(منفرد مرثیے لاہور: حلقہ شعرائے اہلبیتؑ پاکستان، ۱۹۹۰ء)

• ڈاکٹر آغا سہیل
قیصر بارہوی کی غزل کا فن
(امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء)

• ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری (دیباچہ)
(منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈ جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء)

• ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
جدید مرثیہ اور قیصر بارہوی (مقدمہ)
(معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

❖ قیصر فہمی

(وہ کتب جن میں قیصر بارہوی کا تذکرہ موجود ہے)

• اردو مرثیے کا سفر — سید عاشور کاظمی
(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء)

• اُردو مرثیے کی سرگزشت — ڈاکٹر اسد اریب
(لاہور: کاروانِ ادب ۱۹۸۹ء)

• تذکرہ مرثیہ نگاران اردو — مرزا امیر علی جونپوری
(لکھنؤ دانش محل جلد اوّل ۱۹۸۵ء)

• بیسویں صدی اور جدید مرثیہ — ڈاکٹر ہلال نقوی
(کراچی: محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء)

• اُردو مرثیہ پاکستان میں — ضمیر اختر نقوی
(کراچی: سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء)

• قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری — ڈاکٹر محمد ہارون قادر
(لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

- اردو مرثیہ میر انیس کے بعد — ڈاکٹر سیّد طاہر حسین کاظمی
(دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء)

- اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: اظہار سنز، ۲۰۰۴ء)

- ترجیحات — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: اظہار سنز، ۱۹۹۸ء)

- شام و سحر کی باتیں — ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
(لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

- لہو لہو کہکشاں — آغا قمر حسنین (مرتب)
(کراچی: ادارہ تقدیس قلم)

- توضیحات — ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
(لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)

- حل من ناصر — سیّد وحید الحسن ہاشمی
(لاہور: مرثیہ نگاران پنجاب، ۲۰۰۰ء)

- تنقید — ڈاکٹر عارف ثاقب
(لاہور: الرزاق پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء)

- نجم آفندی۔ فکر و فن — ڈاکٹر نواز حسن زیدی
(لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)

❖ رحلت

- ۲۵ دسمبر ۱۹۹۶ء

❖ تدفین

- قبرستان سرجانی ٹاؤن۔ کراچی

آراء

(قیصر بارہوی کے بارے میں ناقدین، دانشوروں اور اکابرین کی آراء)

◆ احمد ندیم قاسمی

''آغا حشر کاشمیری کے بارے میں کسی نے کہا تھا کہ اگر وہ ڈرامہ نویسی کی بجائے شاعری کرتے تو بڑے بڑوں کی کرسیاں خالی کرا لیتے۔ میں جناب قیصر بارہوی کے بارے میں بھی اس سے کچھ ملتی جلتی بات کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ مرثیہ گوئی کی بجائے صرف غزل کہتے تو کتنے ہی غزل گو حضرات کے منصب و مقام خطرے میں پڑ جاتے۔ انہوں نے اپنی بیشتر تخلیقی صلاحیتیں مرثیے پر صرف کر دیں اور اس دور میں مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی کا ایک منفرد اسلوب پیدا کیا۔ جب اہلِ ادب کی عام رائے یہ تھی کہ صنفِ مرثیہ زوال پذیر ہے۔ یوں انہوں نے اُردو شاعری کی ایک محترم صنف ''مرثیہ'' کو نئے امکانات بخشے اور اس کے آفاق کو نئی وسعتوں سے آشنا کیا، مگر خدا کا شکر ہے کہ انہوں نے غزل کو سپردِ طاقِ نسیاں نہیں کیا بلکہ ساتھ ساتھ غزل بھی کہتے رہے۔'' (۱)

◆ ڈاکٹر وحید قریشی

''دینی نظموں میں عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ شعری حُسن، احساس اور جذبے کی ترجمانی پر زور دینے کی بجائے شعراء محض عقیدت کا سہارا لیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ شاعر کا داخلی رشتہ اپنے موضوع سے کٹ جاتا ہے۔ قیصر بارہوی نے عقیدت اور احساس کو مربوط کیا ہے اور حضرت آمنہؑ کے بارے میں یہ نظم لکھ کر ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔ انہوں نے مرثیے کی بندوں والی تکنیک کو اختیار کیا ہے اور اُسی لَے اور رچاؤ کو برتا ہے جس سے یہ نظم ایک ایسا تخلیقی عمل بن گئی ہے کہ قیصر بارہوی کا نام

---

(۱) احمد ندیم قاسمی ''قیصر بارہوی کی غزل'، لاہور ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۲۱

ہمیشہ زندہ رہے گا۔'(۱)

◆ سیّد وحیدالحسن ہاشمی

''قیصر مرحوم اپنی مرثیہ گوئی کو کلام انیس کا صدقہ قرار دیتے تھے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان کے کلام پر مرزا دبیر اور جوش ملیح آبادی کے طرز کی چھاپ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ابتدا میں انہوں نے میر انیس کا تتبع کیا لیکن جتنا وقت گزرتا گیا ان کے فکری نظام میں تشبیہات' استعارات اور صنائع و بدائع کا عمل دخل زیادہ ہوتا گیا۔ یہ درست ہے کہ مرثیہ کہنے سے قبل وہ مرثیے کا اجمالی پلاٹ تیار کرتے تھے لیکن اکثر مرثیوں میں ان کی توجہ شعریت پر مرکوز ہو جاتی تھی اور پھر اسی بہاؤ میں وہ بند کے بند کہہ جاتے تھے جس سے مرثیے میں شعری حسن بھی پیدا ہوتا تھا اور طوالت بھی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں وہ شعر سے پیکر تراشی کرتے تھے۔''(۲)

◆ ڈاکٹر آغا سہیل

''شاعرِ حسینیت حضرت قیصر بارہوی اُردو کی صنفِ مرثیہ کی جدید نہج کے مستند شاعر ہیں۔ مرثیے کے علاوہ موصوف نے دیگر اصناف میں بھی گرانقدر اضافے کیے ہیں' جن میں قصیدہ' سلام' رباعی اور غزل وغیرہ کے اصناف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے اُردو نظم کے مزاج میں ایک نئے آہنگ کا اضافہ کیا ہے اور بقول میرؔ

ع ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

لفظ و معنی کے رشتے کی پہچان بہت کم شعراء کے حصے میں آتی ہے لیکن جن کی متخیلہ کی اساس معانی و مفاہیم پر قائم ہوتی ہے وہ ہمیشہ لفظ کو معنی کے تابع رکھتے ہیں۔ معنویت جس قدر نمایاں ہوتی ہے شعر اسی قدر معتبر' موثر اور وقیع بن جاتا ہے۔ بالخصوص وہ نظمیں جن کا مزاج معروضی ہوتا ہے اور جس میں متخیلہ کی جہتوں کے رُخ

---

(۱) وحید قریشی' ڈاکٹر "آیات آمنہ" لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص فلیپ

(۲) وحید الحسن ہاشمی ''قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک'' لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء' ص ۴

ہمہ گیر ہوتے ہیں ان میں معنوی رُخ کے متعدد پہلو ہوتے ہیں اور چونکہ قصیدہ بجائے خود معروضی صنفِ سخن ہے لہٰذا حفظِ مراتب کے حوالے سے قیصر بارہوی صاحب نے اس صنف کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے چنانچہ ''بارگاہ'' جو قیصر بارہوی کے قصائد کا تازہ مجموعہ ہے ان کے عقائد اور مسلماۃ کے ساتھ ساتھ شعری لحاظ سے بھی ایک معتبر دستاویز ہے۔''(۱)

◆ ڈاکٹر عاصی کرنالی

''قیصر بارہوی کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ آج کے انسانوں کے آلام و مصائب' شکست و ریخت' کرب و ابتلا کا حل اپنے مرثیوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ عصرِ حاضر کے ایک ایک آشوب کو کریدتے ہیں۔ ایک ایک دکھ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ عہدِ نو کی گمراہی' کج روی' منفی اقدار سے وابستگی' دین و اخلاق سے بیگانہ وشی کو پوست کندہ کرتے ہیں اور اس دور کے انسان کے امراض کی چارہ جوئی کرتے ہیں۔ وہ آج کے پراگندہ اور برگشتہ ذہن کو اس روشنی کی جھلک دکھانا چاہتے ہیں جو چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود خاکِ کربلا سے آج بھی ضو ریز ہے۔ قیصر صاحب اخلاقی کج روی کے اس عہد بلا میں سعادت و ہدایت کے ان چراغوں کی طرف عنان نظر موڑ دینا چاہتے ہیں جو اپنی روشنی کے لمحہ اولیں سے لے کر صرصرِ ایام کی تندی کے باوجود آج تک فروزاں ہیں۔''(۲)

◆ پروفیسر سجاد رضوی

''جدید اُردو مرثیے میں حضرت قیصر بارہوی کا نام ایک منفرد انداز اور مخصوص آواز کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کی خدمات دوسرے مرثیہ گو حضرات کے

---

(۱) آغا سہیل' ڈاکٹر بارگاہ (قصائد قیصر بارہوی) لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۳ء ص فلیپ

(۲) عاصی کرنالی' ڈاکٹر عظیم مرثیے لاہور: حلقہ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء' ص ۹

مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں۔ جدید مرثیے میں ایک خصوصیت اُسے دیگر مراثی سے بالکل ممتاز کر دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس میں ایک مخصوص موضوع سامنے رکھ کر مرثیے کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں۔ جناب قیصر بارہوی کا زیرِ نظر مرثیہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ گرامی کے بارے میں (جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے) آج تک کسی نے مستقل طور پر کوئی مرثیہ نہیں لکھا' البتہ بعض نظمیں ضرور موجود ہیں جن میں جنابِ آمنہ سلام اللہ علیہا کا ذکر ہے۔ موجودہ مرثیے میں موضوع ہی ان کی ذاتِ گرامی ہے اور اس لحاظ سے اُردو کے رثائی ادب میں ایک مثبت اور گرانقدر اضافہ ہے۔''(۱)

◆ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی

''۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک انیسؔ اور نسیمؔ کے اسالیب کی آمیزش سے قیصرؔ بارہوی نے اپنے اسلوبِ سخن کے لئے ایک نیا رنگ تیار کیا ہے لیکن اس میں کہیں کہیں رنگِ دبیرؔ کے چھینٹے بھی ہیں لیکن اس کے بعد کی شاعری یعنی ۱۹۷۳ء سے ۱۹۷۵ء تک کا کلام دیکھئے تو اندازہ ہوگا کہ دبیر اور جوش کے اسالیب کی آمیزش سے قیصرؔ بارہوی ایک نیا رنگِ سُخن پیدا کر رہے ہیں۔ قدرتِ بیان' دلآویز تراکیب' استعارات کا حُسنِ استعمال' تلازمۂ خیال میں فنکارانہ دروبست وغیرہ جو مرزا دبیرؔ اور جوشؔ ملیح آبادی کے کلام میں ہے اس کو اپنے منفرد انداز کے ساتھ قیصر بارہوی نے اپنے کلام میں یکجا کر کے پیش کیا ہے۔''(۲)

◆ ڈاکٹر عبیداللہ خاں

''قیصرؔ صاحب کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اس کے لئے پہلے ایک دعویٰ قائم کرتے ہیں' پھر اس کی دلیل لا کر اپنے دعوے کو مستحکم کرتے ہیں۔

---

(۱) سجاد رضوی' پروفیسر آیاتِ آمنہ' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص طلیب

(۲) مسعود رضا خاکی' ڈاکٹر (مقدمہ) مرثیہ: معراجِ بشر لاہور: امداد اکیڈمی ۱۹۷۵ء ص ۳۶

دوسرے منطق کی زبان میں یوں کہہ لیجیے کہ وہ پہلے صغریٰ کبریٰ قائم کرتے ہیں پھر اس سے نتیجہ نکال کر بات کو یقینی، پُر تاثیر اور صداقت سے بھرپور بنا دیتے ہیں۔

مرثیہ نگار کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہے۔ ہر طرح کے الفاظ ان کے ذہن میں محفوظ ہیں۔ وہ ان کے استعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ الفاظ کو خوبصورتی اور صناعی سے استعمال کرنے کا وہ گُر جانتے ہیں اور یہ نعمت ان کے پاس خداداد ہے۔ پھر اس میں وہ احتیاط کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ ان کی ایک تہذیبی سطح ہے جس سے وہ نیچے نہیں اترتے۔ دشمن کے لیے بھی وہ دشنام طرازی کا انداز اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ ایسے مقام پر سنتِ حسینؑ پر عمل پیرا نظر آتے ہیں اور وضعداری و ملائمت سے کام لے کر اپنی بات کرتے ہیں۔ وہ طرح طرح کے الفاظ کے انتخاب میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ الفاظ ڈھونڈ ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔ تراکیب سے اپنے شعری سرمایہ کی محفل آراستہ کرتے ہیں۔ اس حسنِ انتظام کی وجہ سے اس مرثیہ میں سلاست و روانی اور غنائیت پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اس نغمگی کی کیفیت اور روانی میں وہ کوئی چیز حائل نہیں ہونے دیتے۔'' (۱)

◆ پروفیسر سجاد حارث

''مرثیہ گوئی' بالخصوص جدید مرثیہ گوئی کی صنف دیگر اصنافِ سخن سے اس لئے امتیازی حیثیت کی حامل نظر آتی ہے کہ اس میں ملّت اسلامیہ کا اجتماعی لاشعور عصری شعور سے فعال سطحوں پر ہم آہنگ اور ہم مرکز ہو جاتا ہے۔ جدید مرثیے کی ہمہ گیری اور وسعتِ خیال ہی جوش ملیح آبادی کے فکر و فن کا مابہ الامتیاز پہلو تھا' جس نے اُردو میں مرثیہ نگاری کی ایک نئی اور توانا روایت کو جنم دیا اور مرثیہ نگاری کو روحِ عصر میں جذب کر کے زندگی اور عصری حقیقتوں سے قریب تر کر دیا تھا۔ حضرت آمنہؑ پر قیصر

---

(۱) عبیداللہ خان' ڈاکٹر ''قیصر بارہوی کا مرثیہ آیاتِ آمنہ'' لاہور سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء ص ۵۳

بارہوی کا یہ مرثیہ قدیم و جدید اسلوبِ فکر کی ایک دلکش اور موثر مثال ہے۔ تاریخی اور علمی لحاظ سے اس مرثیے میں چند ایسی باتوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے جن کو ہم بہ آسانی جدّتِ خیال اور انشراحِ حقیقت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بعض مقامات پر جوشؔ کی پیروی کرتے ہوئے عالمِ اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ریشہ دوانیوں کا وہ نہایت دردمندی سے ذکر کرتے ہیں۔ صیہونی اور مغرب کی استعماری قوتوں نے عالمی سطح پر جس طرح مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا ہوا ہے' عصرِ حاضر کی تاریخ کے یہ نہایت دردناک اور خونچکاں باب ہیں۔ روایت اور تاریخ کے حرکی زاویۂ نگاہ سے اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھنا دشوار نہ ہوگی کہ دنیا میں آج بھی معرکۂ کربلا جاری ہے۔ خیر و شر کی قوتوں کے مابین گھمسان کا رَن پڑ رہا ہے۔ ظالموں' غاصبوں اور استحصالی قوتوں کے خلاف مزاحمت اور جدوجہد ہو رہی ہے۔ قیصؔر بارہوی کا یہ مرثیہ اُردو کے دیگر مراثی کی طرح' حق و انصاف اور روحانی اقدار میں انسانی یقین کو مستحکم اور معتبر بناتا ہے۔" (۱)

◆ سیّد انوار ظہوری

"جب ہم جناب قیصؔر بارہوی کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں تو وہ اسی میدان کے مردِ نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں...... قیصؔر بارہوی ان چند گنے چنے حساس طبقے کے شعراء میں شامل ہیں جنہیں مطالعہ و ماحول نے ان موضوعات سے فطری مناسبت کا ذائقہ مہیا کیا۔ یہی سبب ہے کہ ان کی تمام زندگی مرثیہ گوئی کے لئے مختص ہوگئی اور یہی صنف ان کی فنی شناخت قرار پائی۔ یہ خصوصیت قیصؔر بارہوی کو حبِ حسینؑ کے متوالے شعرا میں ان سب سے بہت آگے لے آئی' جن کی شعری تخلیقات میں دیگر اصنافِ سخن کے علاوہ مرثیہ گوئی بھی شامل ہے یعنی دوسروں نے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا اور مرثیہ گوئی کو بھی اپنایا' لیکن قیصؔر بارہوی ان چند

---

(۱) سجاد حارث' پروفیسر آیاتِ آمنہؑ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء ص فلیپ

خوش نصیب شعراء میں سرِ فہرست ہیں جو ہمارے دور میں صرف مرثیہ گوئی کو ہی اپنا ذریعۂ اظہار بنائے اعلیٰ فنی قدروں کے پاسدار نظر آتے ہیں۔"(۱)

◆ عاشور کاظمی

"قیصر بارہوی نے مرثیہ خوانی اور ترویجِ مرثیہ میں وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو ابدی نہیں تو ابد نما ضرور ہیں۔ اُنہوں نے مرثیے میں ایک ایسا لحن اختیار کیا ہے جو قدیم و جدید کے درمیان ایک پُل کی طرح ہے۔ جدید دور کے مرثیہ نگار ہوتے ہوئے انہوں نے قدیم اسلوب کو ترک نہیں کیا۔ میر انیس ان کی روح میں سما گئے تھے۔ خود کہتے ہیں ۔

شہرہ ہے آج آپ کی طبعِ نفیس کا
یا مل رہا ہے فکر کو صدقہ انیس کا

انہوں نے بعض ایسے موضوعات کو مرثیے کے قالب میں ڈھالا ہے جو روایات رائج سے باہر کی چیزیں ہیں۔"(۲)

◆ ڈاکٹر اسد اریب

"قیصر بارہوی نے بھی اپنا رُخ متعین کر لیا ہے۔ وہ اب صحیح سمت جا رہے ہیں۔ اگر انہوں نے مرثیہ خوانی کو اپنا فن نہ سمجھ لیا ہوتا تو وہ اب تک مرثیہ نگاری کے میدان میں اپنے معاصر مرثیہ گویوں سے کہیں آگے نکل چکے ہوتے اور ان کی شعری فطرت پر کبھی کا شباب آ گیا ہوتا۔"(۳)

◆ پروفیسر حسن عسکری کاظمی

"قیصر بارہوی کلاسیکل مرثیے کی جزئیات سے پہلو بچا کر اسلوبِ خاص سے کام

---

(۱) انوار ظہوری، سیّد اردو مرثیہ گوئی اور قیصر بارہوی لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۵۳

(۲) عاشور کاظمی، سیّد اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۰

(۳) اسد اریب، ڈاکٹر اردو مرثیے کی سرگزشت لاہور: کاروانِ ادب ص ۱۳۱

لینے کا ہنر اختیار کرتے ہیں، وہ اس مرحلے میں گھوڑے اور تلوار کی تعریف سے کام لینا اسلاف کا ایسا کارنامہ تصور کرتے ہیں کہ اب اس میں کسی اضافے یا ترمیم کی چنداں حاجت نہیں، اس لئے وہ ایجاز و اختصار کا ایسا قرینہ اپنا لیتے ہیں کہ آج کا قاری اپنی مصروف زندگی سے اتنا وقت ضرور نکال سکتا ہے کہ وہ مرثیے کے انجام تک پہنچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرحلے میں آج کا مرثیہ نگار محتاط رویہ اختیار کرتا ہے کہ تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ منظر پر مکمل گرفت رہے اور جو بات کہی جائے وہ کسی صورت حقائق کے منافی نہ ہو اور پڑھنے یا سننے والا منظر کی جزئیات کو ذہنِ رسا اور چشم تصور کے ملاپ سے دیکھتا چلا جائے۔" (۱)

◆ ڈاکٹر مظفر عباس

"قیصر بارہوی اردو کے رثائی ادب میں روایتِ انیس کے امین ہیں۔ روایت انیس اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی۔ قیصر بارہوی نے ان دونوں پہلوؤں کو ہمارے دور میں زندہ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور اس میں وہ یقیناً کامیاب رہے ہیں انہوں نے روحِ عصر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں مرثیہ نگاری کی روایت میں جدّت کی راہیں نکالیں وہاں مرثیہ خوانی کی روایت کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق زندہ رکھا۔ اسی لیے وہ ہمارے دور کے مرثیہ نگاروں کی صفِ اوّل میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔" (۲)

◆ علامہ ضمیر اختر نقوی

"قیصر بارہوی کی مرثیہ خوانی کا انداز منفرد ہے۔ انہوں نے سوز اور تحت اللفظ کے درمیان ایک نیا لحن اختیار کیا ہے اور یہ لحن انہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ قیصر بارہوی پاکستان کے وہ واحد مرثیہ نگار ہیں جن کی مقبولیت پاکستان کے تمام شہروں

---

(۱) حسن عسکری کاظمی، پروفیسر منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت ۱۹۹۰ء ص ۱۲

(۲) مظفر عباس، ڈاکٹر معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء ص فلیپ

میں ہے اور ہر سال وہ مجالس میں لاہور سے کوئٹہ، پشاور، ملتان، راولپنڈی اور کراچی بلائے جاتے ہیں۔ پنجاب میں مرثیہ کو مقبول بنانے میں جو کوشش قیصر بارہوی نے کی ہے وہ قابلِ قدر ہے۔ قیصر بارہوی زود گو شاعر ہیں۔ انہوں نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے لیکن خصوصیت سے مرثیہ نگاری میں انہوں نے اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔ اُن کے مرثیوں کو بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میر انیس سے بے حد متاثر ہیں۔ وہ جدید مرثیہ نگار ہیں لیکن قدیم اسلوبِ بیان کی جھلکیاں بھی مرثیوں میں موجود ہیں۔" (۱)

◆ ڈاکٹر سرفراز حسین قاضی

"قیصر بارہوی کی شاعری زندہ اور غزل زندگی سے بھرپور غزل ہے۔ ان کی غزل ذاتی جذبوں سے متحرک اور دوسرے انسانوں کے جذبوں کو قیام سے روکنے والی غزل بن جاتی ہے۔ وہ معاشرے کی بے جنبشی میں حرکت کے لئے جدوجہد کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے سماج اور معاشرے کو فعال بنانے والا غزل گو اپنی ذات سے اور اس ذات کی ہیجانی کیفیات سے منکر نہیں ہوسکتا۔

ساری دنیا کو شعورِ آگہی مل جائے گا
جامِ جم کو چھوڑ کر اپنا گریباں دیکھئے" (۲)

◆ ڈاکٹر ہلال نقوی

"سندھ، سرحد، پنجاب اور بلوچستان کے دُور دراز علاقوں، بستیوں اور دیہاتوں میں جہاں لوگ شعر و ادب کی اعلیٰ اقدار سے واقف نہیں ہیں وہاں قیصر صاحب نے لحن میں مرثیہ پڑھ کر عام لوگوں کو مرثیے سے جو محبت اور لگاؤ پیدا کیا ہے اور اس فن کے

---

(۱) ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سید اینڈ سید ۱۹۸۲ء، ص ۳۶۲

(۲) سرفراز حسین قاضی، ڈاکٹر "قیصر بارہوی ایک منفرد غزل گو" لاہور: ماہنامہ "شام و سحر" جون ۱۹۹۰ء ص ۲۶

لئے اُن میں جو کشش بیدار کی وہ مرثیے کے ذیل میں اُن کی خدمات کا ناقابلِ فراموش سرمایہ ہے۔"(۱)

◆ ڈاکٹر میمونہ انصاری

"نورِ مصطفیٰؐ کو عالمِ بالا سے دنیائے آب وگل میں ظہور کے لئے جس ایوانِ تجلّی کو منتخب کیا گیا' اس کا نامِ نامی آغوشِ آمنہؑ تھا۔ اللہ اللہ اس کی عظمت' اسکی حرمت' اس کی سطوت' اس کے تقدس' اس کے تفاخر کے مدارج کیا ہوں گے جس پر رحمۃ للعالمینؐ جلوہ فگن ہوئے ہوں گے۔ افلاک کی بلندیوں نے جھک جھک کر اس آستانۂ نور پر جبینِ نیاز خم کی ہوگی۔ قدسیوں نے اپنے پروں سے اس پر سایہ کیا ہوگا۔ صدف آمنہؑ میں دُرِ یتیم نے پرورش حاصل کی۔ یہ آمنہؑ آدمِ خاکی کی معراج' عفیفۂ دوراں صاحب خلق مسند نشین جاہ جلالت اور حشم' فخرِ عرب' مخدومۂ جہاں' اللہ اللہ یہ دامنِ حیا' سجدہ گہِ قدسیاں تھا۔ سرورِ دو عالمؐ نے جس انگلی کو پکڑ کر صراطِ مستقیم پر پہلا قدم رکھا' پوری کرۂ ارض کی حرکت اس انگلی کے اشارے کی منتظر تھی۔ یہ رشکِ حاجرہؑ' فخرِ مریمؑ و آسیہؑ جنابِ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کا قابلِ توجہ عنوان ہے۔ نیا عنوان۔ نیا خیال۔"(۲)

◆ ڈاکٹر اجمل نیازی

"قیصر بارہوی صاحب نے مرثیے کے علاوہ غزل بھی لکھی ہے مگر یہاں بھی ان کا رشتہ الگ نہیں ہوا۔ غزل مشرق کا نوحہ ہے بلکہ مشرق کا مرثیہ ہے۔ ہماری اُردو غزل میں دُکھوں کا بیان اس قدر پُر تاثیر ہے کہ دنیا کی کوئی شاعری اس کے مقابلے میں نہیں رکھی جا سکتی۔ غزل صرف اور صرف مشرق کی میراث و متاع ہے۔ قیصر بارہوی نے مرثیہ لکھتے ہوئے ملال میں جلال کو شامل کیا اور غزل کہتے ہوئے ملال

---

(۱) ہلال نقوی' ڈاکٹر بیسویں صدی اور جدید مرثیہ کراچی: محمدی ٹرسٹ' ۱۹۹۴ء' ص ۶۸۶

(۲) میمونہ انصاری' ڈاکٹر آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء ص فلیپ

میں جلال کو ملا لیا۔ مرثیے میں انسان کے ایثار و قربانی کے کمال کی کہانی کہی اور غزل میں انسان کے تہذیبی اور سماجی زوال کی بات کی۔ قیصر بارہوی نے غزل اور مرثیے کو رَلا ملا دیا ہے۔ وہ بیک وقت ہمارے کمال اور زوال کا ترجمان بنے ہوئے ہیں اور یہ ہنر آسانی سے نہیں آتا۔"(۱)

◆ مرزا امیر علی جونپوری

"قیصر بارہوی نے پاکستان میں مرثیہ نگاری میں بہت نام پیدا کیا۔ ان کی مرثیہ خوانی کا انداز بھی بالکل الگ ہے۔ انہوں نے سوز اور تحت اللفظ کے درمیان ایک نیا لحن اختیار کیا ہے جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہے اور اسی منفرد طرز خواندگی کی وجہ سے پاکستان کے ہر شہر میں بہت مقبول ہیں۔ ان کے مرثیوں کی خصوصیت تصویر کشی، منظر نگاری، ماحول، فضا، حالات اور انسانی جذبوں کی سچی عکاسی ہے۔"(۲)

مرزا امیر علی جونپوری تذکرہ مرثیہ نگاران اردو (جلد اول) لکھنؤ دانش محل ۱۹۸۵ء ص ۲۰۳

◆ پروفیسر حق نواز

"قیصر بارہوی کے مرثیوں کی بڑی خوبی ان کی تمہیدیں ہیں۔ وہ جس فنی مہارت سے مرثیہ کی تمہید کو مرثیہ کے ممدوح کے ساتھ پیوست کرتے ہیں، وہ قابلِ تعریف ہے۔ ان کی یہ تمہید ان کے احساسِ جمال کی ترجمان ہیں۔ وہ ان تمہیدوں سے آج کے قاری کو اس دور میں لے جاتے ہیں جہاں پہنچنے کی ہر ایک خواہش کرتا ہے اور وہ دور ہے جب

آدمؑ کا حُسن رکھتی ہے شبیرؑ کی جبیں"(۲)

◆ ڈاکٹر سیّد طاہر حسین کاظمی

"قیصر کے مراثی میں زبان کی سادگی، لطافت اور شیرینی کے ساتھ شعور کی گہرائی

---

(۱) اجمل نیازی، ڈاکٹر "غزل اور مرثیے کا امتزاج" لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' ۱۹۹۰ء ص ۳۱

(۲) حق نواز، پروفیسر "ایک منفرد مرثیہ نگار" لاہور: ماہنامہ "شام و سحر" ۱۹۹۰ء ص ۶۴

موجود ہے۔ مصائب کے بیان میں بھی زود گوئی سے کام لیا ہے۔ جس سے سوز و الم اور یاس و حسرت کا ماحول پیدا ہوا ہے۔ ان کا شمار پاکستان کے نمائندہ مرثیہ گو شعراء میں ہوتا ہے۔"(۱)

◆ ڈاکٹر طارق عزیز

"واقعۂ کربلا ہمیں انقلابی فکر عطا کرتا ہے اور ان استحصالی قوتوں سے کسی بھی حال میں سمجھوتہ نہ کرنے کا درس دیتا ہے جو ہم سے ہمارا دینی، فکری، اخلاقی اور سیاسی تشخص چھین لینا چاہتی ہیں۔ قیصؔر بارہوی کے ہاں اس تشخص کو سنبھالنے کی شدید آرزو پائی جاتی ہے اور یہی آرزو ان کے مراثی کا تشخص بھی ہے۔"(۲)

◆ ڈاکٹر عبدالکریم خالد

"یوں تو اُردو مرثیے کے حوالے سے بے شمار نام ایسے ہیں جنہوں نے انیسؔ و دبیؔر کے بعد بھی مرثیے کے علَم کو جھکنے نہیں دیا بلکہ اپنی محنت اور جگر کاوی سے اسے سربلند ہی رکھا ہے، لیکن ایسے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، جن کی پہچان اور شناخت ہی مرثیہ گوئی ہے۔ اس بحر کی شناوری میں انہوں نے اپنی ساری عمر گزار دی اور یوں اس صنفِ سخن کے زندہ رکھنے میں لفظوں کے چراغ بھی جلائے اور آنکھوں سے جوئے خوں بہانے کے وافر سامان بھی پیدا کیے۔ ان مرثیہ گو شاعروں میں قیصؔر بارہوی ایک انتہائی اہم نام ہے۔ قیصؔر بارہوی کے بارے میں اگر میں یہ کہوں کہ وہ انیسؔ و دبیؔر کے بعد مرثیے کے سفرِ تازہ کے عظیم رہ نورد بلکہ رہنما ہیں تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔"(۳)

---

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر، اُردو مرثیہ میر انیس کے بعد، دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷۸

(۲) طارق عزیز، ڈاکٹر "قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس" آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ص ۶۱

(۳) عبدالکریم خالد، ڈاکٹر "عظیم مرثیے۔ ایک مطالعہ" (تبصرہ) لاہور ماہنامہ "شام و سحر" جون ۱۹۹۰ء، ص ۹۷

◆ ڈاکٹر محمد فخرالحق نوری

''قیصر بارہوی کا نام فنِ مرثیہ نگاری میں اعتبار کا حامل ہے۔ ''مرثیۂ آمنہؑ'' میں بھی ان کا فن مختلف صورتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ قریب قریب پورا مرثیہ رواں دواں اور چست مصروں پر مشتمل ہے۔ ترکیب سازی' صنعت گری' تشبیہ و استعارہ کے استعمال' دیگر فنی لوازم کے التزام اور لفظی مناسبات کے اہتمام میں ہنرمندی کا ثبوت دیا گیا ہے لہٰذا کہیں بھی تصنع کا احساس نہیں ہوتا۔ قیصر بارہوی عام طور پر شعریت پیدا کرنے میں کامیاب رہے ہیں کہیں کہیں تو ان کے اشعار دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتے ہیں۔''(۱)

◆ ذوالفقار فرخ

''قیصر بارہوی کی غزل کی شاعری کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دو تہذیبوں' دو آوازوں اور دو مزاجوں کے سنگم پر پیدا ہوئی ہے۔ اس کی پرورش غزل کے اس مزاج میں ہوتی ہے' جو تقسیم سے پہلے کا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے روایتی شاعری اور شاعری کے گھسے پٹے موضوعات میں جو ایک دھماکہ کیا تھا' قیصر بارہوی کے کان میں اس کی دھمک اب تک ہے۔ اس دھماکے سے زندگی کی ہری بھری فصل کو لگنے والا کیڑا تو ضرور تباہ ہوا مگر خود وہ فصل بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ اس کا احساس قیصر بارہوی کو بھی ہے' مگر وہ اس مضر کیڑے کی تخریب کاریوں کو تباہ کرنے پر پورے خلوص سے مصروف ہیں۔''(۲)

◆ ڈاکٹر نواز حسن زیدی

''قیصر بارہوی عزائی ادب کے حوالے سے لاہور کی نمایاں ادبی شخصیات میں شمار

---

(۱) محمد فخرالحق نوری' ڈاکٹر ''قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ (مضمون) آیات آمنہ' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء ص ۷۰

(۲) ذوالفقار فرخ ''ایک جدید غزل گو'' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' ۱۹۹۰ء ص ۳۳

ہوتے تھے۔ (۱)

◆ ڈاکٹر ہارون قادر

''قیصر بارہوی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے نازل نہیں ہوئے بلکہ برابر سے' بالکل ایک جیسے قد کے ساتھ قاری سے تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی کہنا درست ہے کہ وہ اپنے قاری یا سامع کے سینے سے لگ کر اپنے دل کی دھڑکنوں کو اس کے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کر دیتے ہیں۔ قیصر بارہوی کے پرجوش خطیبانہ لہجے کے باوجود اس لہجے میں برگِ گُل کی نزاکت' شاخِ گل کی لچک اور قطرۂ شبنم کی نرمی موجود ہوتی ہے۔ ان کا یہ بنیادی نفسیاتی عمل' یعنی قاری کے جذبے سے شناسائی اور اس سے برابر کا روّیہ برتنے کی ادا اور اس کی شخصیت کا عرفان قیصر بارہوی کے نہایت موثر آلات حربیہ ہیں' جن سے وہ اپنے سننے اور پڑھنے والوں کو فتح کر لیتے ہیں۔'' (۲)

◆ ڈاکٹر عارف ثاقب

''امتزاج'' کی غزلیں کلاسیکیت اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قیصر بارہوی نے کلاسیکی غزل گو شعراء کا گہرا مطالعہ کیا اور اردو غزل کے مختلف لہجوں' رنگوں اور مختلف اسالیب کے امتزاج سے اردو غزل کو ایک نئے انداز سے ہمکنار کیا۔ ہر غزل میں فکر اور اسلوب کے اعتبار سے ایک متنوع کیفیت ملتی ہے۔ کلاسیکی غزل سے اثر پذیری کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کی غزل مختلف لہجوں کا ایک ملغوبہ بن کر رہ گئی ہو' بلکہ دراصل انہوں نے کلاسیکی غزل کے بوقلموں رنگوں کو اپنی شخصیت کے رنگ کے ساتھ ہم آہنگ کر کے کچھ اس انداز میں پیش کیا کہ مختلف شعراء سے فیض یابی کے باوجود' ان کا ایک انفرادی لہجہ وجود میں آیا۔ ''امتزاج''

---

(۱) نواز حسن زیدی' ڈاکٹر نجم آفندی۔ فکر وفن لاہور: الحسن پبلی کیشنز' ۲۰۰۰ء ص ۵۸

(۲) ہارون قادر' ڈاکٹر قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری' لاہور: الحبیب پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء ص ۱۰۴

کی غزلوں میں کلاسیکی روایت سے اکتساب اور رچی ہوئی شعری روایت کے ساتھ ساتھ قیصر بارہوی صاحب کی اپنی شخصیت اور جدید لب و لہجے کی چھاپ بھی بڑی نمایاں ہے۔''(۱)

♦ ڈاکٹر عباس رضا

''قیصر بارہوی کا شعری کینوس نہایت وسیع ہے۔ ان کی غزلوں میں جہاں ایک جانب کلاسیکی رنگ و آہنگ جھلکتا ہے وہاں دوسری جانب وہ اپنی جدّتِ طبع کی فطری صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے فکری و معنوی سطح پر جہانِ نو کی تخلیق کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ یوں ان کی شاعری میں جدّت اور کلاسیکیت کا ایک حسین امتزاج جنم لیتا ہے، جو انہیں ہماری شعری روایت سے بھی پیوستہ رکھتا ہے اور نئے زمانے کے امکانات سے بھی مالا مال کر دیتا ہے۔

بجھا کے فکر کی ظلمت نواز قندیلیں
مثالِ چشمۂ خورشید پھیل جاتا ہوں'' (۲)

♦ مظہر نیازی

''آیاتِ آمنہ'' کی علمی و ادبی منزلت خواہ کچھ بھی ہو، اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ حضرت قیصر بارہوی نے نہایت خوش عقیدتی سے اپنے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر، یہ کارنامہ سرانجام دے کر اہلِ حق و انصاف طبقہ سے بے پناہ داد و تحسین سمیٹنے کا اہتمام کیا ہے اور نہایت عجز و انکساری سے اپنی عقیدتوں کے نو شگفتہ پھول قارئین کی جھولیوں میں ڈال کر اپنی روحانی تسکین کا سدا بہار گلشن لٹایا ہے۔ قیصر بارہوی کا یہ شاہکار مرثیہ دل و دماغ اور قلب و روح کو تاابد تازگی دیتا رہے گا۔''(۳)

---

(۱) عارف ثاقب، ڈاکٹر تنقید لاہور: الرزاق پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء ص ۱۲۷

(۲) عباس رضا، ڈاکٹر ''امتزاج۔ایک مطالعہ'' لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ ص ۱۰۱

(۳) مظہر نیازی ''آیاتِ آمنہ ایک مطالعہ'' لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ ص ۱۰۰

◆ پروفیسر شاہین ہارون

''لکھنو کی مہذب فضا میں قیصر بارہوی نے مرثیہ کہا اور خوب شہرت حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان تشریف لے آئے۔ پاکستان میں یوں تو بے شمار مرثیہ نگار طبع آزمائی کرتے رہے ہیں تاہم بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مرزا دبیر اور خاندانِ انیس کے بعد صرف ایسی دو شخصیتیں نمایاں ترین حیثیت میں سامنے آئیں، جن کی زندگیوں کا بیشتر حصہ مرثیے نگاری کے لئے وقف ہوگیا۔ پہلی شخصیت نجم آفندی کی ہے جو جدید دور کے نامور ترین مرثیہ نگار قرار پائے۔ دوسری حیثیت قیصر بارہوی کی ہے جو پاکستان میں مرثیہ نگاری کے لئے نہ صرف ذاتی طور پر کوشاں رہے بلکہ اس صنفِ شعر کی خاطر تحریکی دائرے بھی وسیع کرتے چلے گئے اور دیگر شعرا کو اس صنف میں طبع آزمائی کے لئے آمادہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔''(۱)

◆ پروفیسر شمیم انوار الحق

''قیصر بارہوی نے بڑی کثرت سے متواتر مرثیے تصنیف کئے ہیں اور ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ روایتی ڈگر سے ہٹ کر اپنی مرثیہ نگاری کے لئے جدید جولان گاہیں پیدا کی ہیں۔ موصوف نے اپنی عمر کا زیادہ تر حصہ مرثیہ نگاری کے لئے وقف کر دیا جبکہ دیگر شعراء نے مرثیہ نگاری سے ہٹ کر دوسری شعری اصناف میں بھی اپنی تخلیقات کی طرف توجہ دی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان میں مرثیہ نگاری کو ایک باضابطہ تحریک بنانے والے شاعر ہمارے دور میں صرف قیصر بارہوی ہیں۔''(۲)

---

(۱) شاہین ہارون، پروفیسر ''شبابِ فطرت۔ ایک مطالعہ'' لاہور : ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۹۳

(۲) شمیم انوار الحق، پروفیسر ''معراجِ بشر ایک مطالعہ'' لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۹۵

◆ نقاش هاشمی

''قیصر صاحب کے تمام مرثیوں کو پڑھ جائیے' ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصر صاحب ''ادب برائے مقصدیت'' کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔ یہ تحریک خیر کی تحریک ہے۔ قیصر صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصرِ حاضر میں اس کو دہرایا جائے۔ بعض جگہ وہ مایوس بھی نظر آتے ہیں' مگر پھر ایک نئی اُمید لے کر خیر کی تحریک کے استاد بن جاتے ہیں۔ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے قیصر بارہوی نے پرشکوہ الفاظ کو چُنا ہے مگر یہ پرشکوہ الفاظ ''صدا بصحرا'' نہیں بلکہ ایک فکری رویّے سے منسلک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اپنا اثر ہوا میں تحلیل نہیں ہونے دیتے۔ قیصر صاحب نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ انہوں نے اس راہ میں جس کو روڑا سمجھا ہے' اس کو ہٹانے کی کوشش کی ہے۔''(۱)

◆ حشمت علی قنبر

''قیصر صاحب کے کلام میں جہاں کہیں جید شعرائے گرامی قدر کا رنگ جھلکتا ہے تو ان کا اپنا مخصوص رنگ اس میں ضم نہیں ہوتا بلکہ پوری توانائی کے ساتھ اور پوری آب و تاب کے ساتھ نکھرا نکھرا' سنورا سنورا دکھائی دیتا ہے۔ کلاسیکی اور جدید غزل کا امتزاج ان کے کلام کا استغراق کے ساتھ مطالعہ کرنے والے قاری کو مسحور کئے رکھتا ہے۔ شاعر بنیادی طور پر دوسرے لوگوں سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور کربلا پہ شعر کہنے والا اسلام گزار یا مرثیہ نگار دیگر حساس شعراء سے زیادہ شدّتِ احساس کا اسیر ہوتا ہے' اور اُس کی قوتِ مشاہدہ بھی غیر معمولی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قیصر بارہوی غزل کے آئینے میں معاشرتی مسائل دُکھ' درد' کرب' پیار' محبت' احساس' حق رسی' انسان دوستی کے مضامین سے صرف نظر نہیں کر پائے۔''(۲)

---

(۱) نقاش ہاشمی ''منفرد مرثیے۔ ایک مطالعہ'' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۰۳

(۲) حشمت علی قنبر قیصر بارہوی شاعرِ انسانیت' لاہور: ماہنامہ ''شام و سحر'' اگست ۲۰۰۳ء ص ۱۴

خراجِ تحسین

(قیصر بارہوی کی شخصیت اور فن کے حوالے سے شعرا کا منظوم خراجِ تحسین)

سیّد وحیدالحسن ہاشمی

(نظم)

ثبت ہے دہر میں دوام ترا
تا قیامت رہے گا نام ترا

جدّتوں کی بہار لایا ہے
اس نئے دور میں کلام ترا

ہے زمینِ سخن تری مملوک
اب چلے گا یہاں نظام ترا

استعاروں میں گفتگو کرنا
یہ ہے ادنیٰ سا ایک کام ترا

صرف شاعر ہی جان سکتا ہے
جس بلندی پہ ہے مقام ترا

ہوں جہاں جمع شاعرانِ جدید
وہاں آتا ہے لب پہ نام ترا

جانے کیا تجھ میں بات ہے کہ شکیبؔ
ذکر کرتا رہا مدام ترا

تو گھرا ہے غموں کی دنیا میں
غم سے چھلکا مگر نہ جام ترا

تیرا چہرہ ہے سوئے صبحِ نجف
کر سکا کچھ نہ جورِ شام ترا

مرثیے پڑھ کے کوئی دیکھے تو
ندرتِ فن میں اہتمام ترا

اہلِ دل کو دکھائی دیتا ہے
تیرے شعروں میں خلقِ عام ترا

وہ صنائع میں نو بہ نو ترکیب
وہ بدائع میں التزام ترا

شاعری تیرے گھر کی ایک کنیز
فن ہے ادنیٰ سا اک غلام ترا (۱)

---

(۱) سیّد وحیدالحسن ہاشمی نظم لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۲۹

حسن عسکری کاظمی

(نظم)

اس کی تخلیق میں ہر لفظ ہے گوہر کی طرح
جوہری اور کوئی ہو گا نہ قیصرؔ کی طرح

اس کی ہر نظم پہ ہے تازہ بہاروں کا گماں
ہر گلِ حرف نظر آیا گلِ تر کی طرح

نغمگی موج کی ہر شعر میں پنہاں دیکھی
بیکراں پائی ہر اک موج سمندر کی طرح

ہم سفر اس کا کوئی ہوتا تو کھلتا اس پر
اس کی تخیل ہے جبریلؑ کے شہ پر کی طرح

مرثیہ جہدِ مسلسل ہے، جہادِ اکبر!
وہ اکیلا ہی سہی عزم ہے لشکر کی طرح

سرنگوں دیکھا درِ آلِ پیمبرؐ پہ اسے
فقر پہ ناز کیا کرتا ہے بوذرؓ کی طرح

چھوڑ دی ناقۂ دنیا کی مہار اُس نے حسنؔ
عشقِ حیدرؑ میں وہ بے مثل ہے قنبرؓ کی طرح (۱)

شاھد نقوی

(قطعہ تاریخ وفات)

تھک چکا تھا اب سکوں پائے گا آ کر خلد میں
ہو چکا آراستہ اُس کے لئے گھر خلد میں
حکمِ رب ہے بس رہے آرام سے تا روزِ حشر
۱۹۹۶ء
جسمِ قیصر اب لحد میں، روحِ قیصر خلد میں (۲)
۱۹۹۶ء

---

(۱) حسن عسکری کاظمی لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۳۰

(۲) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷ء

سیّد ظہور حیدر جارچوی

(قطعہ تاریخِ وفات)

کر کے طے منزلِ طویلِ سخن دے گئے ہیں نئی سبیلِ سخن
حُسنِ جنت بڑھا رہے ہیں ظہور قیصرِ باہوی جمیلِ سخن
(۱) ۱۴۱۷ھ

نیساں اکبر آبادی

(قطعہ تاریخِ وفات)

وہ جو تھے تشنۂ معرفت جانبِ حوضِ کوثر گئے
چھوڑ کر آج بزمِ عزا باغِ جنت میں قیصر گئے
(۲) ۱۹۹۶ء

ظفر شارب

(نظم)

فرازِ فکر کے تختِ گراں پہ ہیں قیصر
زمینِ شعر کے ہر آسماں پہ ہیں قیصر
ہر استعارے میں ایمائیت کی بندش ہے
عروجِ ندرت و حسنِ بیاں پہ ہیں قیصر
وہ سنگلاخ زمینیں نچوڑ کر اُٹھے
اور اب سفینۂ بحرِ رواں پہ ہیں قیصر
وہ مرثیوں کی فضاؤں میں لحنِ داؤدی
نگاہ مردم پیر و جواں پہ ہیں قیصر
وقارِ مجلس و منبر سراپا ماتم ہیں
ہر اک نظر نگراں ہے کہاں پہ ہیں قیصر
میں اس کو تابِ تصوّر کہوں کہ نورِ نظر
علم کے سائے میں اِک اِک نشاں پہ ہیں قیصر
ہر ایک قافیہ پیما کے لب پہ ہے شارؔب
گزر نہیں ہے کسی کی جہاں پہ ہیں قیصر (۳)

---

(۱) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء (۲) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء

(۳) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء

ظہور حیدر جارچوی

(نظم)

کس رہنما کے سوگ میں منزل اُداس ہے
کس ناخدا کے یاد میں ساحل اُداس ہے

کس باوفا کے ہجر میں خوش دل اُداس ہے
کس دلربا فراق میں محفل اُداس ہے

خاموش کیوں ہیں مدح گزارانِ شاعری
بکھرا ہوا ہے کس لئے سامانِ شاعری

کس باغباں کے کوچ سے گلشن ملول ہے
کس فصل سے حیات کا خرمن ملول ہے

کس ذکرِ دردمند سے تن من ملول ہے
کس ابر کی کمی ہے کہ ساون ملول ہے

خوشبو مشامِ روح میں ہے کس گلاب کی
کیوں ہے سیاہ پوش کرن آفتاب کی

دیکھا نگاہِ ہوش نے جس دم اِدھر اُدھر
جو سرپرستِ بزم تھا آیا نہیں نظر

پوچھا جو نائبین سے قیصر گئے کدھر
پایا جواب سوئے جناں کر گئے سفر

لرزا بدن' سکون کے ساغر چھلک پڑے
محرومِ دید' آخری آنسو ٹپک پڑے

اک زلزلہ سا قصرِ دل و جاں میں آگیا
غمگیں بیان گوشِ تصور نے یہ سنا

افسوس ایک اور بڑا حادثہ ہوا
گل ہو گیا چراغ وزارت حسین کا

اب ان کی نسل میں کوئی باقی نہیں رہا
خم خانہ بند ہو گیا ساقی نہیں رہا

مداحِ اہلِ بیتؑ و پیمبرؐ نہیں رہا
تختِ نگارشات پہ قیصر نہیں رہا

سرتاج اب خدیجہ کے سر پہ نہیں رہا
چادر تو ہے محافظِ چادر نہیں رہا

پیغمبر خدیجہ جو خاموش ہو گیا
داماد سیدہ کا کفن پوش ہو گیا

قیصر تڑپتے رہتے تھے اولاد کے لئے
بیٹے خدا نے تین دیئے بھی تو لے لئے

اک بیٹی ایک بیٹا جو ہم زلف سے لئے
ان کے حقوق زندگی بھر خوب دے لئے

بیوہ کو اپنی کوئی نشانی نہ دے گئے
ویراں ہے بیت مصرعۂ ثانی نہ دے گئے

اے شاعرِ حسینیؑ اے افتخارِ قوم
فولادِ شعر و شاعری تو کر گیا ہے موم

تو نے ادا کیا ہے جو فرضِ صلوٰۃ و صوم
یومِ ولائے حجتِ قائم ہے تیرا یوم

تو نے گزاری عمر جو مدحِ امامؑ میں
اعلیٰ مقام ہے ترا دارالسلام میں

دارالسلام میں تجھے کرتے ہیں دل سلام
پہنچائیں گے مجسمۂ آب و گل سلام

کوئی قوی کرے کہ کوئی مضمحل سلام
کرتا رہے گا تجھ کو ادب مستقل سلام

تحفے سلام کے جو تجھے بھیجے جائیں گے
وہ نیک نام اپنے بھی رتبے بڑھائیں گے

تو جو مکانِ قبر میں آباد ہو گیا
دل دوستوں کا مضطر و ناشاد ہو گیا

تو بندشِ عمل سے جو آزاد ہو گیا
خوش تجھ سے جبرئیلؑ کا استاد ہو گیا

مولائے کائنات کا سر پر جو ہاتھ ہے
اب تا ابد خدا کا کرم تیرے ساتھ ہے

اے شاعرِ حسینؑ ثنا خوانِ پنجتنؑ
رحمت خدا کی چوم رہی ہے ترا دہن

روئیں گے تیرے مرثیے سن کر جو مرد و زن
بخشے گا اجر تجھ کو خداوندِ ذوالمنن

احباب حق شناس بھی پہنچائیں گے ثواب
بیٹے نہیں تو مرثیے دلوائیں گے ثواب

اے لعلِ شب چراغ، چمکتا رہے گا تو
اے پھول، گلستاں میں مہکتا رہے گا تو

اے خونِ پاک، دل میں دھڑکتا رہے گا تو
اے شاعر اپنے دور میں یکتا رہے گا تو

پیدا نہ ہو گا کوئی بشر تیری نسل میں
تو مقطعٔ کلام ہے دیوانِ عقل میں

رنگیں بیاں، کلیمِ ادب ساز، بارھوی
اونچی تھی اس قدر تری پرواز بارھوی

ضرب المثل ہے اب ترا انداز بارھوی
گونجے گی ہر جگہ تری آواز بارھوی

محفوظ ادائے شعر کی تصدیق رہ گئی
تو تو نہیں رہا، تری تخلیق رہ گئی

زیدی واسطی تھے بزرگانِ ماہرو
آباد تھے کٹھوڑے میں آبائے نیک خو

سادات بارہ ضلع مظفر نگر کو
ماں لکھنؤ کی تھیں وہیں پیدا ہوا تھا تو

تعلیم و تربیت جو تجھے لکھنؤ نے دی
حبِ رسولؐ و آلِ مقدس لہو نے دی

چودہ سو سترہ ہجری رجب کا مہینہ تھا
جشنِ علیؑ میں کوئٹہ پہنچا جو خوش ادا

فالج کا حملہ چودہ رجب کو وہاں ہوا
کچھ روز بعد جا کے کراچی میں چل بسا

مدفوں وہیں ہوا جو وہ سلطانِ شاعری
سنسان ہو گیا چمنستانِ شاعری

دنیا سے اٹھ گیا جو وہ خوش ذوق وخوش مزاج
اس کے لئے ہے بزمِ ادب اشکبار آج

رکھے ہوئے تھا مدحِ علیؑ کا جو سر پہ تاج
احباب پیش کر رہے ہیں اب اسے خراج

چھبیسواں دسمبری دن سوگوار ہے
انیس سو چھیانوے سن یادگار ہے

قیصر جو ملکِ شاعری میں کام کر گیا
ایماں کی محفلوں میں بڑا نام کر گیا

ہر نظم پیشِ لائقِ انعام کر گیا
مسرور قلبِ بانیِ اسلام کر گیا

کرتا تھا جھوم جھوم کے جب مدحِ اہلبیتؑ
بنتی تھی روحِ علم و ادب مدحِ اہلبیتؑ

جس کو جناں میں دادِ رسالت مآبؐ دیں
تحفہ اسے جو دیں بھی تو کیا شیخ وشاب دیں

توفیقِ کارِ خیر جنہیں بوترابؑ دیں
الحمد و قل کا ہدیہ برائے ثواب دیں

نذرِ قلیل پائے جو حساس بارہوی
کر لے قبول قیصرِ عباسِ بارہوی

کرعرض اے ظہورِ ہر اہلِ ولا سے اب
الحمد و قل درود پڑھے بزم با ادب

پہنچے گا بارہوی کو جو نذرانہ سب کا سب
اجرِ عظیم بھیجنے والوں کو دے گا رب

قیصر کو قصرِ خلد میں راحت سوا ملے
پسماندگاں کو رحمتِ ربِ علیؑ ملے (۱)

جعفر بلوچ

(نظم)

ترا سپاس گذارند اہلِ دل قیصرؔ
فسوں طراز بہ ہر انجمن فسانۂ تست

وظیفۂ تو شدہ مدحِ اہلبیتؑ کرام
نیاز گستر و ایماں فزا ترانۂ تست

نماند قیصرِ رومی ولے بہ کشورِ فن
دلیلِ اوجِ ادب، طرزِ قیصرانۂ تست

زبس کہ حرف نگاری بہ کاوشِ دل و جاں
نگار خانۂ معنیٰ، نگار خانۂ تست

(۱) مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء

بہ شعرِ حضرتِ غالب تصرّفے کردم   کہ منطبق بہ کمالاتِ شاعرانۂ تُست

"تو اے کہ محوِ سخن گستران پیشینی
مباش منکرِ قیصرؔ کہ در زمانۂ تُست" (۱)

ہلال جعفری

(قطعات)

کس شان سے گزرتے رہے تیرے ماہ و سال   توصیفِ اہلبیتؑ ترا مرکزِ خیال
دیکھا تجھے قریب سے تو یہ پتہ چلا   پھیلا ہوا ہے نصف صدی پر ترا کمال

....

ہو کوئی قدرداں تو قدر کرتا ہے سخنور کی   فقط اک جوہری ہی جانتا ہے قدر جوہر کی
جگر کا خوں پلا کے حضرتِ قیصرؔ نے لکھے ہیں   کہ یک صد دو مراثی ہے کمائی زندگی بھر کی

....

اَدب کے فن میں بڑا باأثر اضافہ ہے   بقدرِ جنبشِ اہلِ نظر اضافہ ہے
رقم کیے ہیں جو قیصرؔ نے مرثیے وہ سب   میانِ سلکِ سخن معتبر اضافہ ہے

....

شانِ خدا کہ کیا تری قسمت ہے بارہوی   تو مدح خوانِ آلِ رسالتؐ ہے بارہوی
اس طرح تُو نے لکھے مصائبِ حسینؑ کے   تو گویا مرثیے کی ضرورت ہے بارہوی

....

یوں سخن کو سجایا قیصرؔ نے   گھر دلوں میں بنایا قیصرؔ نے
مرثیے کے طفیل دنیا میں   کس قدر نام پایا قیصرؔ نے

....

غمِ حسینؑ میں رونا ہے بندگی تیری   انہی کے ذکر میں پنہاں ہے ہر خوشی تیری
قسم خدا کی بڑا صاحبِ نصیب ہے تُو   علیؑ کے نام پہ مرنا ہے زندگی تیری

---

(۱) جعفر بلوچ نظم لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۴۰

جو ہیں آج کلیاں یہ کل پھول ہوں ادب کے صحیفوں میں منقول ہوں
دعا ہے کہ قیصرؔ کے سب مرثیے حضورِ امامت میں مقبول ہوں(۱)

سیّد عاصم گیلانی

(قطعہ)

نیند سے آنکھیں کھولو قیصر چپ چپ کیوں ہو بولو قیصر
تم اپنے میزانِ فن میں شعر ہمارے تولو قیصر(۲)

حسن عباس زیدی حسنؔ

(نظم)

اے کہ تو ہے شاعرانِ دہر کا اعلیٰ دماغ تیرے دم سے جل رہا ہے علم و حکمت کا چراغ
شاعرانہ رنگ میں اور مرثیت میں کامیاب مرثیوں میں تو نے بے شک گل کھلائے لاجواب
تُو نے ہی زندہ رکھا اس صنف کو اے ذی وقار تیرے ہی دم سے ادب میں بڑھ گیا اس کا شعار
مرثیت میں جوشؔ، صفدرؔ اور نسیمؔ با کمال! تو بھی اِن سے کم نہیں، تو بھی تو ہے اپنی مثال
تیرے شعروں میں ترنم، جدّ تیں، اُونچا خیال تیری باتوں میں حلاوت، دل کشی، شیریں مقال
مرثیہ اس ملک میں زندہ ہے تیرے نام سے چھا گیا ہے مرثیہ گویا ترے اقدام سے
مرثیت میں تُو نے پیدا کر دیے مضموں نئے مرثیہ گووں کو تو نے دے دیے ہیں ولولے
مرثیے مقبولِ خاص و عام ہیں اے ذی وقار شاعری، تیرا تخیل دل پذیر و جاں نثار
شاعری تیری سراپا دل گداز و دل پذیر ہیں بلند افکار تیرے، اور کتنے بے نظیر
تو ہے قیصرؔ تیری ہے محکوم یہ ساری زمیں رنگ تیرا جانفزا، اشعار تیرے دل نشیں

---

(۱) ہلال جعفری قطعات لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء، ص ۳۸
(۲) یہ قطعہ راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے

مرثیت میں تو نے ہی بے شک لگائے چار چاند — صنف یہ اُردو ادب میں ہو نہیں سکتی ہے ماند
مرثیوں میں تو نے وہ جوہر دکھائے شان کے — مرتبے اُونچے ہوئے ہیں حضرتِ انسان کے

ہے دُعا بس یہ حسنؔ کی تجھ کو مل جائے سکوں
مرثیت میں اور ادب میں نام ہو تیرا فزوں (۱)

ولی کرنالی

یہ تخلص نہیں میاں قیصر — تم ہو اقلیمِ شعر کے قیصر
تم نے زندہ حسینیتؑ کی ہے — تم ہو مشہور شاعرِ حیدرؑ
تم نے ڈھالیں بنائے ہیں نقطے — تم نے خنجر بنائے زیر و زبر
تم نے تصویر کو حقیقت دی — تم نے واضح کیا ہے ہر منظر
وہ موثر کلام رکھتے ہو — شعر چبھتے ہیں صورتِ نشتر
شرط پڑھنے کی ہے اور اس کے بعد — یہ سمجھ لو کہ شعر ہے اَزبر

تم مرے ہم وطن ہو میرے دوست
تم نے روشن کیا ہے میرا گھر (۲)

طاہر ناصر علی

(نظم)

وہ جو دنیا میں نظر آتے ہیں قیصرؔ ایسے — دو شبیرؑ پہ ملتے ہیں سخنور ایسے
مجھ سے قیصرؔ کے ترنم کا تاثر مت پوچھ — موم ہو جاتے ہیں وہ دل، جو ہیں پتھر ایسے
بادشاہوں کے خزانوں میں نہ ڈھونڈو ان کو — کان میں شہؑ کے سخنور کے ہیں گوہر ایسے

---

(۱) حسن عباس زیدی حسنؔ لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۴۱
(۲) ولی کرنالی لاہور: ماہنامہ 'شام و سحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۴۱

وہ کہ وابستہ ہیں جو مدرسۂ قیصرؔ سے
آنکھیں دریا ہیں تو دل ان کے سمندر ایسے

آج دنیا کے دلوں پر ہے حکومت اس کی
دیکھو ہوتے ہیں گدائے درِ حیدرؑ ایسے

اس کے اشعار سے پتھر کا جگر پھٹتا ہے
کسی تلوار کے دیکھے نہیں جوہر ایسے

وہ کہ اشعار کی صورت سے دلوں میں اُترا
دل میں دنیا کے بنائے تو کوئی گھر ایسے

جیسے اپنا لیا ہر شخص نے قیصرؔ کا مزاج
طاہرؔ اس دور کے اشعار ہیں اکثر ایسے (۱)

مرزا حامد بیگ

(نظم)

کہہ رہا ہے کلام قیصر کا
انقلابی ہے کام قیصرؔ کا

ذکر جدّت کا جب بھی چھڑتا ہے
لوگ لیتے ہیں نام قیصرؔ کا

ذہن انساں کی آخری حد کو
چھو رہا ہے سلام قیصرؔ کا

نجمؔ و جوشؔ و رضاؔ، نسیمؔ کے بعد
لب پہ آتا ہے نام قیصرؔ کا

یہ تو مولا حسینؑ جانتے ہیں
کیا ہے اصلی مقام قیصرؔ کا

جامِ جمشید سے فزوں تر ہے
دل کی دنیا میں جام قیصر کا

فکرِ قیصر ہے جس سے عرش مقام
کیسا ہو گا امام قیصر کا

دل قیصر اسیرِ حُبِّ حسینؑ
اور حامد غلام قیصر کا (۲)

---

(۱) طاہر ناصر علی لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۴۲

(۲) مرزا حامد بیگ لاہور: ماہنامہ 'شام وسحر' جون ۱۹۹۰ء ص ۱۰۴

حشمت علی قنبر

(قطعات)

جہاں سے گرچہ بظاہر گزر گئے قیصر — میں کیوں زبان پہ لاؤں کہ مر گئے قیصر
بنا لیا تھا جو خلدِ بریں میں گھر اپنا — گئے یہاں سے تو اپنے ہی گھر گئے قیصر

....

ہر ایک حرف ثنا پر تھا وہ زبر کی طرح — کوئی بتائے کہیں پر وہ زیر لگتا تھا
عجیب شخص تھا قیصر ادب کے منبر پر — وہ شعر پڑھتا تھا جب بھی، تو شیر لگتا تھا
(۱)

◆◆◆

(۱) حشمت علی قنبر کے یہ قطعات راقم الحروف کے پاس محفوظ ہیں

maablib.org

باب دوّم

قیصر بارہوی کے مرثیوں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

قیصر بارھوی جدید اُردو مرثیے کے مرکزی ستون ہیں (۱) اور خاص طور پر پاکستان میں اُردو مرثیے کو حرفِ اعتبار عطا کرنے والے اور اس صنف کو عوام الناس اور خواص دونوں کے لیے یکساں مقبول بنانے والے ہیں۔ (۲) انہوں نے نصف صدی تک اس صنف کی آبیاری کی اور اپنے دل پذیر لحن اور بیش قیمت افکار سے مرثیے کے نئے نئے امکانات کی نشاندہی کی۔ (۳) قیصر بارہوی نے مختلف موضوعات پر ترپن مرثیے تخلیق کیے اور ہر مرثیے میں اپنی جدتِ فکر اور ندرتِ طبع کے جوہر دکھائے۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اب اردو مرثیہ کی صنف اور قیصر بارہوی کا نام لازم وملزوم ہیں (۴) اور جب تک آفتابِ مرثیہ اُفق شاعری پر جلوہ فگن ہے قیصر بارہوی کا نام اور کام جگمگاتا رہے گا۔

---

(۱) نواز حسن زیدی، ڈاکٹر   نجم آفندی، فکروفن   لاہور: الحسن پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء؛ ص ۵۸

(۲) (i) مرزا امیر علی جونپوری   تذکرہ مرثیہ نگارانِ اُردو (جلد اوّل)   لکھنو: دانش محل، ۱۹۸۵ء ص ۴۰۳

(ii) ضمیر اختر نقوی، علامہ   اردو مرثیہ پاکستان میں   کراچی: سیّد اینڈ سیّد، ۱۹۸۲ء ص ۳۶۲

(۳) ہلال نقوی، ڈاکٹر   بیسویں صدی اور جدید مرثیہ   کراچی محمد ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء ص ۶۸۶

(۴) مظفر عباس، ڈاکٹر   معتبر مرثیے   لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز۔ ۱۹۹۸ء ص فلیپ

ب ذیل میں قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کا اجمالی خاکہ پیش خدمت ہے۔ اس خاکہ کے مطالعہ سے قیصر بارہوی کے مرثیوں کی تفہیم کسی قدر سہل ہو جائے گی:۔

• پہلا مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	دُرِ یتیم
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۵۳ء
۳۔	کل بند	۴۶
۴۔	مطلع	ع انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر
۵۔	موضوع	حضور اکرمؐ کے عظیم کارنامے اور شہادت امام حسینؑ

• دوسرا مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	شہرِ معلّیٰ
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۵۸ء
۳۔	کل بند	۵۲
۴۔	مطلع	ع معراج عقل وفکر ہے سودائے کربلا
۵۔	موضوع	صحرائے کربلا کی عظمت اور مصائب اہلبیتؑ

• تیسرا مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	عزتِ وجود
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۵۸ء
۳۔	کل بند	۵۴
۴۔	مطلع	ع شبیرؑ کائنات کی عزت کا نام ہے
۵۔	موضوع	حضرت امام حسینؑ کی فضیلتیں اور مصائب کربلا کے مناظر

• چوتھا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ پیکرِ عظمت

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۵۱ء

۳۔ کل بند ۴۶

۴۔ مطلع ع تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ

۵۔ موضوع امام حسینؑ کے وقیع کارناموں کا ذکر اور شہادت امام عالی مقامؑ

• پانچواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ معراجِ وفا

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۵۲ء

۳۔ کل بند ۵۳

۴۔ مطلع ع کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج

۵۔ موضوع حضرت عباس علمبردار کی عظمت و شجاعت اور میدان کربلا میں ان کی وفاداری کے مناظر

• چھٹا مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ جہادِ زینبؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۵۴ء

۳۔ کل بند ۵۰

۴۔ مطلع ع پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتش غم سے

۵۔ موضوع حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے فضائل اور آپ کی اسیری کے دردناک واقعات

ساتواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	یتیمانِ مسلم
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۶۸ء
۳۔	کل بند	۳۵
۴۔	مطلع	ع دل والو سنو واقعۂ اشک فشانی
۵۔	موضوع	حضرت مسلم بن عقیلؑ کے صاحبزادوں کی کوفہ آمد اور ان کے مصائب کا دردناک بیان

آٹھواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	شامِ غریباں
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۷۴ء
۳۔	کل بند	۷۲
۴۔	مطلع	ع پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اُٹھا
۵۔	موضوع	کرب وبلا کے میدان میں امام حسینؑ شہادت کے بعد رونما ہونے والے دردناک مصائب کا بیان

نواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	نوائے احساس
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۷۲ء
۳۔	کل بند	۷۴
۴۔	مطلع	ع لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے
۵۔	موضوع	کرب وبلا کے میدان میں شہادت حضرت علی اصغرؑ

• دسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	حسینؑ اور انتخاب
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۷۸ء
۳۔	کل بند	۷۰
۴۔	مطلع	ع انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے
۵۔	موضوع	اس کائنات میں کامیابی کے لیے انصار و اقربائے امام حسینؑ کی سیرت پر عمل کرنا

• گیارھواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	صبحِ مودّت
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۷۷ء
۳۔	کل بند	۷۴
۴۔	مطلع	ع راز بقا ہے خدمت آل رسولؐ میں
۵۔	موضوع	کنیز بتولؑ حضرت فضہؑ کی شخصیت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ اور میدان کربلا میں اُن کی خدمات

• بارھواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	علمِ نبیؐ
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۱ء
۳۔	کل بند	۷۲
۴۔	مطلع	ع میری زباں پہ علمِ علیؑ کا بیان ہے
۵۔	موضوع	بابِ مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان اور چشمِ تخیل سے مناظر کو دیکھنا

تیرھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	اعجازِ تحمل
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۹ء
۳۔ کل بند	۷۴
۴۔ مطلع	ع زنجیر تخیل میں گرفتار ہیں آنسو
۵۔ موضوع	حضرت سیّد سجادؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور واقعہ کربلا کے بعد اُن پر ڈھائے جانے والے مصائب کا بیان

چودھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	اُجالوں کا سفر
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۱ء
۳۔ کل بند	۷۲
۴۔ مطلع	ع شمع توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں
۵۔ موضوع	حضرت امام علی نقیؑ کی قید و بند کی صعوبتیں، اُن کے کردار کے محاسن اور اُن کے الم ناک مصائب

پندرھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	معراجِ بشر
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۶۵ء
۳۔ کل بند	۷۰
۴۔ مطلع	ع نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

۵۔ موضوع — اسلام کے رکن نماز کی فضیلت و اہمیت او اہلبیتؑ عظام کی نماز کے تحفظ کے لیے بے مثال قربانیاں اور کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی آخری نماز

◆ سولھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — معصومۂ کربلا

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۰ء

۳۔ کل بند — ۷۰

۴۔ مطلع — ع زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ

۵۔ موضوع — حضرت زینبؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن اور شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار اور مصائب کا بیان

◆ سترھواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — یوسفِ شہادت

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۴ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں

۵۔ موضوع — اس کائنات میں موت کی اہمیت اور کربلا کے میدان میں حضرت علی اکبرؑ کا خوش دلی سے موت کو قبول کرنا

◆ اٹھارواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عرفانِ حیات

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۱ء

کل بند	۱۰۸
۴۔ مطلع	ع فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں
۵۔ موضوع	حضرت حرؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور کربلا کے میدان میں اُن کی بے مثال قربانیاں

◆ انیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	سبطین مرتضیٰ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۷ء
۳۔ کل بند	۶۳
۴۔ مطلع	ع حیراں ہوں کیا فضائل زینب رقم کروں
۵۔ موضوع	حضرت زینبؑ کے صاحبزادوں حضرت عون اور محمدؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا محاکمہ اور میدان کربلا میں اُن کی بہادری کے مختلف رنگ اور حضرت زینبؑ کے بین

◆ بیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	آشوبِ عصر
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۷ء
۳۔ کل بند	۷۵
۴۔ مطلع	ع ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے
۵۔ موضوع	معاشرے کی ابتر صورت حال اور امام حسینؑ کی اصلاح معاشرہ کی کاوشیں اور اہلبیتؑ کے مصائب کا بیان

◆ اکیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	مظلومیت
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۹ء
۳۔ کل بند	۷۵
۴۔ مطلع	ع مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے
۵۔ موضوع	انسانی زندگی میں مظلمیت کی اہمیت اور کرب و بلا میں حسینی خانوادے کی مظلومیت اور بے بسی اور حضرت زینب سلام اللہ علیہ کی آہ وزاری

◆ بائیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	انسان اور کربلا
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۷۰ء
۳۔ کل بند	۷۸
۴۔ مطلع	ع انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا
۵۔ موضوع	انسانیت کی تاریخ میں کربلا کی افادیت' دبستان کربلا کے اثرات اور اہلبیتؑ کی قربانیاں

◆ تئیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	علم غیب محمدؐ وآل محمدؐ
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۰ء
۳۔ کل بند	۹۰
۴۔ مطلع	ع عالم غیب سے ملتے ہیں مضامین سخن
۵۔ موضوع	علم غیب کی اہمیت' فضیلت اور محمدؐ وآلِ محمدؐ کی علم غیب پر دسترس' علم غیب سے کرب وبلا کے مناظر کی جھلک

◆ چوبیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — کعبہ و محافظان کعبہ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء

۳۔ کل بند — ۸۱

۴۔ مطلع — ع اے اہل فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو

۵۔ موضوع — کعبۃ اللہ کی عظمت اور محفظانِ کعبہ کی خدمات' امام حسینؑ کی کعبہ کے تحفظ کیلئے قربانی

◆ پچیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — بے ثباتیِ عالم

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء

۳۔ کل بند — ۷۲

۴۔ مطلع — ع مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ

۵۔ موضوع — کائنات رنگ و بو کی ناپائیداری' بے ثباتی اور فنا پذیری کے مختلف مناظر اور کرب و بلا میں پائیدار ہستی کے مظاہرے

◆ چھبیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — سیّد مسموم

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۹ء

۳۔ کل بند — ۸۰

۴۔ مطلع — ع شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے

۵۔ موضوع — حضرت امام حسنؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ اور انہیں زہر دے کر شہید کرنے کی منصوبہ بندی کا بیان ۔ اُن کی شہادت کے دلخراش مناظر

◆ ستائیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عرفانِ امامت

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۱ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع کیا چاہتا ہے آج کا انسان یہ سوچیے

۵۔ موضوع — عصرِ حاضر میں انسان کی پریشاں خیالی کے اسباب کا تجزیہ اور امامت کی عظمتوں کا بیان اور ابو آئمہ حضرت علیؑ کی شہادت کا بیان

◆ اٹھائیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — نمازِ دل

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۵ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے

۵۔ موضوع — انسانی زندگی میں دل کی اہمیت' باکردار لوگوں کے دلوں میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت' اسلام کی خاطر اہلبیتؑ کی قربانیاں

◆ انتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — نظامِ اسلام

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۲ء

۳۔ کل بند — ۸۷

۴۔ مطلع — ع امنِ عالم کی علامت ہے نظامِ اسلام

۵۔ موضوع — اس کائنات میں ایک مستحکم اور مضبوط نظام کیلئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت کا احساس' اسلامی نظام کے استحکام کیلئے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی کاوشیں اور بے مثال قربانیاں

• تیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — کربلا و نجف

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۳ء

۳۔ کل بند — ۷۴

۴۔ مطلع — ع جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں

۵۔ موضوع — روئے زمین پر دیارِ نجف و کربلا کی اہمیت اور افادیت' نجف کو حضرت علیؑ سے نسبت اور کربلا کو امام حسینؑ سے نسبت' کربلا میں خاندان اہلبیتؑ پر مصائب کا تذکرہ

• اکتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عظمتِ فن

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۸۸ء

۳۔ کل بند — ۷۱

۴۔ مطلع — ع کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے

۵۔ موضوع — اہلِ بصیرت کی علم و ادب کی آبیاری' زبان و بیان کے مختلف رویوں کی پاسداری' نسیم امروہوی جیسے مرثیہ نگار کا ذکر اور کربلا میں اہلبیتؑ کے مصائب کا تذکرہ

♦ بتیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	مدحِ ابوطالبؑ
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۷۳ء
۳۔	کل بند	۷۴
۴۔	مطلع	ع مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور
۵۔	موضوع	حضرت ابوطالبؑ کے فضائل اور وقیع کارناموں کا بیان' حضرت اکرمؐ کی حضرت ابوطالبؑ سے والہانہ محبت' کرب و بلا میں حضرت ابوطالبؑ کے خانوادے کی قربانیاں

♦ تینتیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	آیاتِ آمنہؑ
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۷ء
۳۔	کل بند	۷۸
۴۔	مطلع	ع اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام
۵۔	موضوع	حضور اکرمؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہ کی سیرت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ' حضرت آمنہؑ کی سیرت میں حضور اکرمؐ کے کردار کی تعمیر

♦ چونتیسواں مرثیہ

۱۔	نام مرثیہ	عروجِ عالم نسواں
۲۔	سنِ تخلیق	۱۹۸۰ء
۳۔	کل بند	۷۱

۴۔ مطلع — ع عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن

۵۔ موضوع — حضرتِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ' حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی فضیلتوں کا موازنہ' کرب و بلا کے میدان میں حضرت فاطمہؑ کے خاندان کی بے مثال قربانیاں

◆ پینتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عشقِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۶۵ء

۳۔ کل بند — ۵۴

۴۔ مطلع — ع عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو

۵۔ موضوع — امام حسینؑ کی سیرت کے پہلوؤں پر عمل درآمد کرنے والے جاںنثار حضرت مسلم بن عقیل کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا بیان' کوفے میں حضرت مسلم بن عقیل کے مصائب کا دردناک بیان

◆ چھتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — عباسؑ نامدار

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۴۹ء

۳۔ کل بند — ۷۷

۴۔ مطلع — ع عباسِ نامدار کو جوشِ نبرد ہے

۵۔ موضوع — حضرت علیؑ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت عباس علمبردار کی جرات و بہادری کے بے مثال کارناموں کا ذکر اور کرب و بلا کے میدان میں حضرت عباس کی شجاعت کے کارنامے

◆ سینتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — سخنِ لاجواب

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۵۰ء

۳۔ کل بند — ۷۹

۴۔ مطلع — ع یارب مری زباں کو سخن لاجواب دے

۵۔ موضوع — امام حسینؑ کے فرزند ارجمند حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن کا بیان اور کرب و بلا کے میدان میں ان کی المناک شہادت

◆ اڑتیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — یوسفِ کربلا

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۴۹ء

۳۔ کل بند — ۵۵

۴۔ مطلع — ع حسین لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۵۔ موضوع — کرب و بلا کے میدان میں شبیہ پیمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کا دردناک بیان

◆ انتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ — ہفت اقلیم

۲۔ سنِ تخلیق — ۱۹۷۸ء

۳۔ کل بند — ۶۹

۴۔ مطلع — ع ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا

۵۔ موضوع — حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کرنا اور بغداد میں اُن پر ہونے والے مظالم کا دردناک بیان

• چالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	آبروئے فکر
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۹ء
۳۔ کل بند	۷۸
۴۔ مطلع	ع دوستو انسان کے اندر بھی اِک انسان ہے
۵۔ موضوع	معروف صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت اور کردار کے نمایاں پہلوؤں کا دلچسپ بیان اور کرب و بلا کے میدان میں شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبرؑ کی اذان صبح کا دردناک پہلو

• اکتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	شاہدِ محشر
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۸ء
۳۔ کل بند	۷۵
۴۔ مطلع	ع دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں
۵۔ موضوع	حضرت جبرئیلؑ کے وقیع کارناموں کا ذکر اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر، کرب و بلا کے میدان میں حضرت جبرئیل کی تشریف آوری

• بیالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ	وحدتِ مذہب
۲۔ سنِ تخلیق	۱۹۸۹ء
۳۔ کل بند	۸۴

۴۔ مطلع ع فکر مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو

۵۔ موضوع عصرِ حاضر میں مذہب کی ضرورت' مذہب کی حفاظت کیلئے امام عالی مقامؑ کی قربانیاں

• تینتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ تربیت

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۱ء

۳۔ کل بند ۸۲

۴۔ مطلع ع تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے

۵۔ موضوع حضرت ابوطالبؑ نے رسولؐ کی تربیت کی' رسولؐ نے اہلبیتؑ کی تربیت کی' جناب زینبؑ نے اپنے بچوں عونؑ و محمدؑ کی بے مثال تربیت کی

• چوالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ آئینۂ انقلاب

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۳ء

۳۔ کل بند ۷۶

۴۔ مطلع ع ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے

۵۔ موضوع غمِ حسینؑ کی فضیلت' کربلا میں امام کی جنگ اور شہادت

• پینتالیسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ معراجِ نفس

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۷۲ء

۳۔ کل بند ۷۳

۴۔ مطلع ع خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال

۵۔ موضوع روزے کی فضیلت کا بیان اور حضرت علیؑ کی شہادت کا حال

● چھیالیسواں مرثیه

۱۔ نام مرثیہ قرآن کی کہانی

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۹ء

۳۔ کل بند ۵۲

۴۔ مطلع ع قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سن لو

۵۔ موضوع قرآن کی فضیلت، پیکرِ رسولؐ میں نزول، کربلا میں حسینؑ کی آواز بن کر جلوہ گر ہوا

● سینتالیسواں مرثیه

۱۔ نام مرثیہ جنابِ سیدہؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۳ء

۳۔ کل بند ۶۲

۴۔ مطلع ع رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں

۵۔ موضوع جنابِ فاطمہؑ کی زندگی کے حالات، رسولِ خداؐ کی وفات کے بعد ان پر ہونے والے مظالم کا دردناک بیان

● اڑتالیسواں مرثیه

۱۔ نام مرثیہ جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۵ء

۳۔ کل بند ۷۸

۴۔ مطلع ع زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے

۵۔ موضوع حضرتِ فاطمہؑ بنتِ اسد کی سیرت و کردار کا ذکر' ان کے بیٹے حضرت علیؑ کے کارنامے اور جنابِ زینبؑ کی شہادت

• انچاسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ عزاداریِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۱ء

۳۔ کل بند ۷۲

۴۔ مطلع ع انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ

۵۔ موضوع عزاداری کی اہمیت' عزاداروں کے مصائب' واقعہ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ کے بین

• پچاسواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ شاعرِ دربارِ حسینؑ

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۵۵ء

۳۔ کل بند ۷۱

۴۔ مطلع ع میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں

۵۔ موضوع شاعرِ دربارِ حسینؑ کا منصب و مرتبہ' دربارِ یزید میں جنابِ زینبؑ اور سیّد سجادؑ کے خطبات

• اکیاونواں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ فریاد

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۶۸ء

۳۔ کل بند ۶۶

۴۔ مطلع ع اے جبرئیلؑ فکر مدینہ دکھا مجھے

۵۔ موضوع شاعر کا رسولؐ خدا سے فریاد کرنا' آلِ رسولؐ کے مصائب اور جناب فاطمہؑ کی پریشانیاں

◆ باون واں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ مولانا محمد مصطفٰے جوہر

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۴ء

۳۔ کل بند ۷۸

۴۔ مطلع ع منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے

۵۔ موضوع مولانا مصطفٰےؒ جوہر کے سوانحی کوائف اور سیرت کے فضائل' عاشورہ محرم کے حالات

◆ تریپن واں مرثیہ

۱۔ نام مرثیہ روشنیِ فکر و عمل

۲۔ سنِ تخلیق ۱۹۹۷ء

۳۔ کل بند ۷۱

۴۔ مطلع ع آیۂ خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں

۵۔ موضوع خانہ کعبہ کی عظمت اور خانۂ معبود میں حضرت علیؑ کی پیدائش' حضرت علیؑ کی وقیع کارنامے اور خانۂ خدا میں شہادت' حضرت علیؑ کے خانوادے کے مصائب اور اہل خانہ کی گریہ وزاری

اب ذیل میں قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کا تحقیقی اور تنقیدی تعارف پیش خدمت ہے۔ راقم الحروف نے شعوری کوشش کی ہے کہ ان مرثیوں کا تجزیہ مختصراً پیش کیا جائے تا کہ قارئین کم سے کم وقت میں اس سے بیش از بیش فائدہ اُٹھا سکیں۔

ا۔ درِ یتیم

قیصر بارہوی کا مرثیہ درِ یتیم چھیالیس بندوں پر مشتمل ہے۔ یہ مرثیہ ۱۹۵۳ء میں تخلیق ہوا اور قیصر بارہوی کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔(۱)

اس کائنات میں ہر ذی شعور انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے رہنمائے حقیقت مل جائے تا کہ وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ رہنمائے حقیقت دراصل نوازشِ رحمت پروردگار ہوتا ہے اور اس دولت کو کبھی زوال نہیں آ سکتا۔ انسان جب چشمِ حقیقت سے پوری کائنات پر ایک نظر ڈالتا ہے تو اسے خود بخود احساس ہو جاتا ہے کہ

آنکھوں سے ڈھونڈ لے جو تجلی شناس ہے
اللہ کا جمال محمدؐ کے پاس ہے

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ اس کائنات کی تخلیق کا موجب ہیں اور اس دنیا میں جو چہل پہل دکھائی دے رہی ہے وہ حضرت محمدؐ کے وجودِ مبارک سے ہے۔ شاعر نے مختلف مثالوں اور شعری توجیہات کے ذریعہ حضورؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

یہ فرش آب و خاک پہ بے چوبہ سائباں — بادل نما ہوا کے سمندر میں کشتیاں
یہ چاند یہ ستارے یہ پُرنور کہکشاں — سورج کی پرورش میں یہ پھولوں کے بوستاں
جلوہ دکھا دکھا کے خدائی نظام کا
کلمہ سنا رہے ہیں محمدؐ کے نام کا

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر مسلک اور ہر مزاج کے انسان کے لیے حضورِ اکرمؐ کی سیرت رہنمائے حقیقت ہے اور حضورِ اکرمؐ کے ساتھ ساتھ وہ جلیل القدر ہستیاں بھی لائقِ تقلید ہیں جن کے لبوں میں شہدِ زبانِ رسولؐ موجود ہے۔ حضرت محمدؐ کے بعد رسالت وقار ہستیوں میں امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے وجود کو تحفظِ دینِ خدا و رسول کے لیے وقف کر دیا۔ ان دونوں کے طرزِ عمل میں بظاہر فرق تھا لیکن دونوں کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول تھا۔

ابھری کسی کی بات حکومت کو چھوڑ کے
رکھدی کسی نے ظلم کی گردن مروڑ کے

شاعر احساس دلاتا ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑایا جانے لگا اور خدا و رسولؐ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس صورت حال میں امام حسنؑ نے اپنی سطح پر اور امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اپنے طریقے سے حق کی بقا کے لیے بے مثال قربانیاں دیں۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کے ساتھ ساتھ ان کی بہن حضرت زینبؑ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں وہ سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔

بھائی نے گر جہاد میں حجت تمام کی
تاریکیاں بہن پہ کٹیں قیدِ شام کی

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

تاریکیوں کے ہاتھ میں قندیلِ ماہتاب　　جیسے لبِ گناہ پہ ہو ساغرِ ثواب
یہ چاندنی کے فرش پہ ہر چیز محوِ خواب　　جیسے پلا رہا ہو کوئی سرمدی شراب
ہر بندوبست عالمِ ربِ قدیر کا
شاہد ہے مصطفیٰؐ کے مقدس ضمیر کا

ذرّے میں قوتوں کے خزانوں کا انکشاف　　وہ انکشاف اہلِ تجسس کریں طواف
دریائے برق و باد پہ خاکستری غلاف　　وحدت کی شان یا بشریت کا اعتراف

تخلیقِ کائنات کا جتنا بیان ہے
احسانِ مصطفیٰؐ کی کھلی داستان ہے

ہر دم فرازِ کوہ سے نظارۂ جمیل　　جس کو سلام کرنے جھکے عقل کی فصیل
گہرائیوں پہ چھائی ہوئی بادلوں کی جھیل　　یا حیّ یا قدیر کی منہ بولتی سبیل
پَست و بلند زاویے خُلدِ نگاہ کے
نغمے الاپتے ہیں رسالتؐ پناہ کے

مشرق کا بادشاہ پہن کر کلاہِ زر　　اورنگِ آسماں پہ بہ تزئین جلوہ گر
دامن میں لے کے تحفۂ تعظیمِ خشک و تر　　کرتا ہے روز جادۂ مغرب پہ جب سفر
پی کر ازل کے ساغرِ صد احترام کو
جاتا ہے آستانِ نبیؐ پر سلام کو

اہلِ خرد کے ناخنِ تدبیر کی قسم　　جملہ تجلّیات کی راہوں کے پیچ و خم
آواز دے رہے ہیں زمانے کو دم بہ دم　　ہاں طالبانِ شوق بڑھائے ہوئے قدم
وجہِ بہارِ حُسنِ حقیقت کا پھول ہے
ہر منزلِ مراد بہ فیضِ رسولؐ ہے

۲۔ شہرِ معلّٰی

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''شہرِ معلّٰی'' ۱۹۵۸ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ باون بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنے موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہے۔(۱)

اس کائناتِ رنگ و بو میں بے شمار مقامات ایسے ہیں جو مقدس، قابلِ قدر اور لائقِ صد افتخار ہیں تاہم جو مقام و مرتبہ صحرائے کربلا کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے خطے کو حاصل نہیں

---

(۱)　(i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبۂ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمین پر محمد مصطفیٰؐ کے ستاروں کا نور جلوہ گر ہے یہی سبب ہے کہ جس کو گلستان کربلا کی مہک نصیب ہو جاتی ہے وہ اپنی آنکھوں سے زمین کی طنابیں کھینچ لیتا ہے۔قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ ایک حساس شاعر ہر وقت اپنے دل و دماغ میں کربلا بسائے رہتا ہے۔یہی سبب ہے کہ اس کے لبوں پر ہمیشہ امام حسین علیہ السلام کی کہانی رہتی ہے۔

کہتی ہے مجھ سے شام و سحر میری بے خودی　　گزرے ابوترابؑ کے پھولوں میں زندگی
کرتا ہے یوں کلام مرا ذوقِ شاعری　　جاری رہے زباں پہ کہانی حسینؑ کی

پیغامِ زندگی مرے دل کی صدا میں ہے
میں ہوں یہاں، دماغ مرا کربلا میں ہے

شاعر چشمِ تصور سے کربلا کے مناظر کو دیکھتا ہے اور امام عالی مقام کے مقدس مزار پر فروکش ہو کر اس کے در و بام سے اظہارِ محبت و اُلفت کرتا ہے۔شاعر احساس دلاتا ہے کہ صحرا کی اس سرزمین کو امام عالی مقام نے جلوہ گاہِ عشق بنا دیا ہے۔اللہ تعالیٰ کو یہ سرزمین اتنی پسند آئی ہے کہ اس نے عرش معلیٰ کی طرح اس کو بھی کربلائے معلیٰ بنا دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس زمین کو اب نہ تو زوال ہے اور نہ اس بہارستان کو خزاں کے منحوس ہاتھ چھو سکتے ہیں۔حضرت امام حسین علیہ السلام نے کربلا کی زمین کو اپنے خانوادے کے خون سے گلزار بنا دیا ہے۔آج دنیا میں یزید، اس کے حواری، اس کا تاج و تخت اور شاہانہ رعونت ختم ہو گئی ہے لیکن کربلا میں امام عالی مقام کا ایسا دربار سج گیا ہے جسے کبھی زوال نہیں آ سکتا۔

کیا ہو گیا وہ شام کی دولت کا تخت و تاج　　اب ہے کہاں یزید کا وہ حکمراں مزاج
دیکھے ترے دیار پہ جھکتا ہوا سماج　　ملتا ہے آج کس کو عقیدت بھرا خراج

تجھ کو نصیب آج وہ دربارِ عام ہے
جس پر عروجِ سطوتِ شاہی تمام ہے

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں امام حسینؑ کے مزار، ان کی ضریح مقدس، گنبدوں

کی چمک دمک، اردگرد کی قبور کی عظمتیں اور زائروں کی والہانہ عقیدتوں کو بڑے دلنشیں انداز میں پیش کیا ہے اور آخر میں امام عالی مقامؑ اور ان کے خانوادے کی بے مثال قربانیوں کو الم انگیز پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

اے جملہ کائنات کے معمارِ زندگی — زندہ ہیں آج تیرے خیالاتِ سرمدی
دیکھے اگر بشر تری بستی بسی ہوئی — ممکن نہیں کہ خواہشِ فردوس ہو کبھی
روشن جہاں خدا کے بہتر چراغ ہیں
قربان اس زمین پہ رضواں کے باغ ہیں

یوں درمیانِ شہر تری بارگاہِ ناز — محفل میں جیسے شمع کا اندازِ بے نیاز
گنبد پہ تیرے حُسنِ تقدّس کا امتیاز — جیسے بساطِ عرش پہ جبریلؑ کی نماز
تُربت نہیں ہے خُلد کا پردہ لئے ہوئے
تقدیسِ انبیاء سے احاطہ کئے ہوئے

شکلِ ضریحِ قبر کا عنوان پاک ہے — یا دامنِ مُحراب پہ قرآنِ پاک ہے
اب نازشِ جہاں ترا ایوان پاک ہے — یا تو حیات و موت کا سلطانِ پاک ہے
آرائشیں نہیں ترے صحنِ جمیل کی
گویا تجلّیاں ہیں مکانِ خلیلؑ کی

ڈالی نہیں لحد پہ جہاں نے وقارِ زر — سایہ کئے ہے چادرِ زینبؑ مزار پر
دُنیا پہ دستِ شوق چڑھاتی نہیں گُہر — آتے ہیں یاد گوشِ سکینہؑ لہو میں تر
ہے سجدہ گاہِ عشق نشاں تیری قبر کا
یا حُسن آشکار ہے عابدؑ کے صبر کا

تقدیرِ ہر وقار ترے بام و در کی بات — مغلوب جس سے طائرِ عقل و نظر کی بات
محراب کی زبان پہ خونِ جگر کی بات — یا قابلِ خیال ہے یزداں کے گھر کی بات

فرش ہے ری آرام گاہ کا
یا پست ہے غرور یزیدی کلاہ کا

۳۔ عزتِ وجود

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عزتِ وجود'' ۱۹۵۸ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مرثیوں کے مجموعہ ''شبابِ فطرت'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چون بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ قیصر بارہوی کی خلاقانہ ذہانتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔(۱)

اس کائنات میں جو شخص بامِ عزت پر جلوہ فگن ہے اور اس کا نام کائنات میں باعثِ توقیر ہے عرفِ عام میں اسے شبیرؑ کہتے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ نام حریت کا مقدس پیغام ہے اور امنِ عالم کے لیے بے حد ضروری ہے۔ یہ نام عابدوں کے لیے سجدہ گاہ، قافلوں کے لیے شمعِ راہ، دین کے لیے حقیقی پناہ اور شرحِ اشہدان لا الہ ہے۔ بقول شاعر ؎

یہ نام امن و صلح کی تفسیر بن گیا عالم کے اتحاد کی تصویر بن گیا
ہر نفس کو نجات کی تدبیر بن گیا ابھرا تو کائنات کی تقدیر بن گیا
کامل یقین عظمتِ پیغام پر ہوا
قوموں کا اتفاق اسی نام پر ہوا

حضرت شبیرؑ کا نام سرچشمۂ مفاد، شش جہات میں عدالت کے انعقاد کا باعث، غارت گرِ فساد، شریعت کا اعتماد، خدا کی مشیت، مصطفیٰؐ کی شرافت، رہِ مستقیم، عقلِ سلیم، وقارِ پیمبریؐ، دستِ حیدریؑ، زمانے کا چین، روحِ دلِ مشرقین، خامسِ آلِ عبا، کشتۂ جور و جفا، شاکر و صبر آزما، فاتحِ کرب و بلا، کبریا کی صداقت، ارتقائے مذہب و ملت، داعیِ امن و سلامتی، محافظِ بشریت، کاروانِ ہدایت، فطرت کا رنگ، دلِ مسلم کی اُمنگ، عشق لامکاں کی نہایت، انبیاؑ کے نفس کی عظمت، معنیِ و مفہومِ اسلام، دینِ حق کا علمبردار، صبر کا نمائندہ اور دینِ حق کا بولتا قرآن ہے۔

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے۔

اے ہم نشیں! یہ نام زمانے کا چین ہے　　انسانیت کی روح، دلِ مشرقین ہے
اے ہم نشیں اسی کے لیے شور و شین ہے　　یہ نام عرفِ عام میں بیکس حسینؑ ہے
مشہور کائنات میں جو تشنہ کام ہے
یہ نام اسی غریب مسافر کا نام ہے

حضرت امام حسین علیہ السلام نے تحفظِ دین اور بقائے اسلام کے لیے کربلا میں بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کربلا میں امام عالی مقام نے بارگاہِ احدیت میں جو بے مثال اور لازوال نذرانے پیش کیے ہیں ان کی تابانی سے اسلام آج بھی روشن و تاباں ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ہر طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا تو فطرت کی ایک ایک چیز نے حق و صداقت کے علمبردار امام حسینؑ سے مدد کی درخواست کی۔

اٹھا ہے بحرِ ظلم کا طوفان آیئے
اے ناخدا سفینۂ عالم بچایئے

حضرت امام حسینؑ نے اس آواز پر لبیک کہا اور حق کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ وہ اپنی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہؑ کی قبر پر پہنچے اور ان سے ہمکلام ہوئے۔ اس موقع پر قیصر بارہوی نے بہت اثر انگیز شاعری کی ہے اور انسانی جذبات و احساسات کی خوبصورت مرقع کشی کی ہے۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے امام عالی مقام کو نصیحت کی کہ دین اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کر دینا چاہیے۔ انہوں ے اپنے بیٹے سے کہا کہ بقول شاعر۔

جو مجھ پہ ظلم ہوں گے یہ دُکھیا اٹھائے گی
بیٹا یہ غم نصیب ترے ساتھ جائے گی

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

اے ہم نشیں! یہ نام زمانے کا چین ہے　　انسانیت کی رُوح دلِ مشرقین ہے
اے ہم نشیں اسی کے لئے شور و شین ہے　　یہ نام عُرفِ عام میں بیکس حسینؑ ہے

مشہور کائنات میں جو تشنہ کام ہے
یہ نام اُسی غریب مُسافر کا نام ہے

وہ تشنہ کام خامسِ آلِ عبا حسینؑ وہ تشنہ کام کشتۂ جور و جفا حسینؑ
وہ تشنہ کام شاکر و صبر آزما حسینؑ وہ تشنہ کام فاتحِ کرب و بلا حسینؑ

جس نے شکست دے کے جہانِ ممات کو
ڈھالا عمل کے سانچے میں نظمِ حیات کو

جو انتہائے اَوجِ مسلماں ہے وہ حسینؑ جو دینِ حق کا بولتا قرآں ہے وہ حسینؑ
جو ماسوا میں شاہِ شہیداں ہے وہ حسینؑ جو مشکلوں میں ہمتِ مرداں ہے وہ حسینؑ

جس نے نبیؐ کے باغ کو شاداب کر دیا
دُنیا کو جس کی پیاس نے سیراب کر دیا

جو لفظِ کبریا کی صداقت ہے وہ حسینؑ جو ارتقائے مذہب و ملّت ہے وہ حسینؑ
ہر عہد میں جو امن کی صورت ہے وہ حسینؑ ہر دل پہ آج جس کی حکومت ہے وہ حسینؑ

جو باہمی خلوص کے موتی پرو گیا
جو دوسروں کے واسطے برباد ہو گیا

جو اِک محافظِ بشرّیت ہے وہ حسینؑ جو روحِ کاروانِ ہدایت ہے وہ حسینؑ
جو فاطمہؑ کے دودھ کی قوت ہے وہ حسینؑ جو آپ اپنے خون کی قیمت ہے وہ حسینؑ

دُنیا کو اتحاد کی دولت سے بھر دیا
جس نے بچھڑتے قافلوں کو ایک کر دیا

۴۔ پیکرِ عظمت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''پیکرِ عظمت'' ۱۹۵۱ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ چھیالیس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت امام حسینؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے بے مثال خراجِ تحسین ہے۔ یہ مرثیہ فنی اور فکری ہر دو اعتبار سے قیصر

بارہوی کی شعری عظمت پر دلالت کرتا ہے۔(۱)

اس دنیا میں ایسے افراد کی بے حد کمی ہے جو اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا کر رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اپنا تن، من، دھن سب کچھ قربان کر دیں۔ تاہم امام حسین علیہ السلام کی ہستی اعتبارِ نفس کا جوہر، ارتقائے فکرِ پیمبرؐ، اہلِ زندگی کا مقدر اور حقیقی معنوں میں مرضیِ داور ہے۔ یہ وہ جلیل القدر ہستی ہے جو خاتمِ شعورِ قیادت، واقفِ تموجِ فطرت، معنیِ طریقت اور موجدِ نمازِ محبت کہلا سکتی ہے اس عظیم المرتبت ہستی کو ہر ذی شعور اپنا رہبر سمجھتا ہے کیونکہ بقول شاعر۔

تو صبحِ کائنات کی طلعت ہے اے حسینؑ　　تو زندگی کے واسطے رحمت ہے اے حسینؑ
تو معرفت کی آخری آیت ہے اے حسینؑ　　تو مصطفیٰؐ کے نفس کی صورت ہے اے حسینؑ

جب قومیت بچانے کا ہنگام آئے گا
دشمن کی بھی زباں پہ ترا نام آئے گا

شاعر کا موقف یہ ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں اپنا سب کچھ قربان کر کے موت کو شکست دی اور فتح و شکست کے معنی یکسر تبدیل کر دیئے۔ یہی سبب ہے کہ آج اہلِ خرد امامؑ کے طرزِ حیات کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ خاص طور پر مسلمانوں کو اس بات پر بے حد فخر ہے کہ پوری کائنات میں ظلم و تشدد کے سامنے سینہ سپر ہو جانے والا اور قلت کے ساتھ کثرت کا سر جھکانے والا حسینؑ مسلمان ہی نہیں بلکہ عین اسلام تھا۔ کربلا کے میدان میں اگرچہ امام حسینؑ نے اپنی جان قربان کر دی لیکن قرآن کی حرمت، اللہ کی وحدت اور رسولؐ کی عزت کو قیامت تک محفوظ کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ پرتاثیر سبق دیا کہ

غیر از خدا کبھی نہ درِ غیر پر جھکے
یعنی بلند ہو کے نہ مسلم کا سر جھکے

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبہ حمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

اس دنیا میں جو بھی حق وصداقت کی شمع جلاتا ہے ظلم تعدی کی ہوائیں اسے بجھانے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ کربلا کے میدان میں شمعِ رسالت وتوحید بجھانے کے لیے یزیدی قوتیں یکجا ہو گئیں لیکن امام حسینؑ نے انتہائی دانش مندی سے کفر کی ہر چال ناکام بنادی۔ امام عالی مقامؑ اوران کے جانثاروں نے اپنے لہو سے ریگزارِ کربلا پر لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ تحریر کر کے ایک نیا منشور دنیا کے سامنے پیش کر دیا کہ باطل کے سامنے سر جھکانا غیرت مندوں کے لیے ممکن نہیں۔ قیصر بارہوی نے آخر میں دلگداز انداز میں کربلا کے واقعات نظم کیے ہیں اور آخر میں اپنا یہ موقف اُجاگر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ۔

غیرت پسند اصول نہ توڑیں گے اے حسینؑ
انسان تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اے حسینؑ

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

رُخصت کو وہ خیام میں آنا ہے یادگار ‏ ‏ کہنہ لباس تن پہ سجانا ہے یادگار
اہلِ حرم کو پاس بلانا ہے یادگار ‏ ‏ زینبؑ کو وہ گلے سے لگانا ہے یادگار
خورد و کلاں پہ جب ترا آخر سلام تھا
ایسے میں دل سنبھالنا تیرا ہی کام تھا

بامِ فلک پہ چاند محرم کا دیکھ کر ‏ ‏ انساں کہے گا تیری کہانی بچشمِ تر
پانی کے بند ہونے پہ ٹھہرے گی جب نظر ‏ ‏ روئے گی زندگی ترے بچوں کی پیاس پر
ہل جائیں گے کلیجے بہترؑ کی یاد میں
پھٹ جائیں گے جگر ترے اصغرؑ کی یاد میں

دنیا کے ہر خطیب کی ہوگی یہی پُکار ‏ ‏ مظلومِ کربلا ہے شرافت کا تاجدار
جادو رقم ادیب لکھیں گے یہ بار بار ‏ ‏ حق ہے حسینیتؑ کی بقا آشنا بہار
شاعر جہاں چراغ عقیدت جلائیں گے
نظموں کو تیرے نام کا پرچم بنائیں گے

ہر قوم کو دیئے ہیں جو آزادیوں کے جام　　تجھ کو بھلائے گا نہ کسی قوم کا نظام
دنیا کے ہر محاذ پہ آئے گا تیرا نام　　ہر زندگی ادب سے کرے گی تجھے سلام

ذہنی ترقیوں کو اُجالا بنائیں گے
تجھ کو حسینؑ غیر بھی اپنا بنائیں گے

مذہب کے پیر ہوں کہ سیاست کے راہبر　　مشرق کے نکتہ چیں ہوں کہ مغرب کے دیدہ ور
گوتم کے مقتدی ہوں کہ عیسیٰؑ کے دین پر　　آتش پرست ہوں کہ بتوں کے جواز گر

غیرت پسند اصول نہ توڑیں گے اے حسینؑ
انسان تیرا ساتھ نہ چھوڑیں گے اے حسینؑ

۵۔ معراجِ وفا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معراجِ وفا'' ۱۹۵۲ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں شائع ہوا۔ ترپن بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت عباس علمبردار کی مدح میں کہا گیا ہے۔(۱)

اس دنیا میں ایسے لوگوں کی تعداد انتہائی قلیل ہے جنھوں نے وفا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہو۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ آج جس با وفا کے نام سے وفا زندہ بلکہ پائندہ ہے اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستی کا نام حضرت عباسؑ ہے۔ حضرت عباسؑ نے عمر بھر اپنے خون سے کشتِ وفا کو سینچا اور اسی باعث امام حسینؑ کی نگاہ دوررس نے کربلا کے لیے آپ کا انتخاب کیا۔ حضرت عباسؑ نے کربلا کے میدان میں وہ گراں قدر کارنامے سرانجام دیے کہ لوحِ تاریخ پر آج بھی ان کا نام جگمگا رہا ہے۔ بقول قیصر بارہوی۔

کس کی ادا ہے نقشِ جبینِ حیات پر
قبضہ ہے آج کس کا دلِ کائنات پر

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　سرگودھا: مکتبہ تمکین، ۱۹۶۹ء
(ii) قیصر بارہوی　شبابِ فطرت　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

حضرت عباس ایک پر عظمت اور باوقار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہ انتہائی شجیع تھے لیکن ان کی شجاعت عمر بھر پابند مشیتِ الٰہی رہی' اسی باعث شاعر نے انہیں آسمان اطاعت کا خوبرو چاند قرار دیا ہے۔ حضرت عباسؑ کرب و بلا کے میدان میں عزم و ثبات کا کوہِ گراں تھے۔ انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے امام حسینؑ کو بھی حوصلہ دیا اور اہلِ حرم کو بھی آپ کے وجود سے بے حد ڈھارس تھی۔ خاص طور پر خاندانِ رسالت کی بیبیاں جانتی تھیں کہ جب تک حضرت عباسؑ زندہ ہیں کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا ہے اسی لیے شاعر نے وفائے حضرت عباسؑ کو واقعہ کربلا کی جان قرار دیا ہے۔ آپ بھی ایک بند ملاحظہ فرمائیے۔

جاری لبِ فرات پہ ہے کس کی داستاں   کس کی وفا ہے واقعۂ کربلا کی جاں
لہرایا کس کے دوش پہ اسلام کا نشاں   تسکینِ اہلبیتؑ ہیں کس کی تسلیاں
تکبیرِ عشق کس کی محبت کا ساز ہے
کس مرد پر حسینؑ سے انساں کو ناز ہے

کربلا کے میدان میں خانوادۂ رسولؐ پر تین روز سے پانی بند کر دیا گیا تھا۔ بچوں میں "العطش"، "العطش" کی دلخراش صدائیں گونج رہی تھیں۔ اس صورتِ حال میں حضرت سکینہؑ کا حضرت عباسؑ سے یہ کہنا کہ "عمو سکینہ مرتی ہے پانی کے واسطے" بہت المناک تھا۔
حضرت عباسؑ نے بصد التجا امام حسینؑ سے پانی لانے کی اجازت حاصل کی اور دریائے فرات کی جانب روانہ ہوئے اس مقام پر قیصر بارہوی نے اپنی شاعرانہ ہنرمندیوں کا خوب خوب اظہار کیا ہے۔ حضرت عباسؑ نے فرات پر قبضہ کیا لیکن وفائے اہلبیتؑ نبھاتے ہوئے اپنے لبوں کو تر نہ کیا۔ شاعر نے یہاں سے مصائبِ حضرت عباسؑ کا ذکر انتہائی کرب ناک انداز میں کیا ہے کہ قارئین کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب آ جاتا ہے۔ خاص طور پر شہادتِ حضرت عباسؑ کے بعد امام حسینؑ کے خیمہ میں آنے کا منظر انتہائی رقت انگیز ہے' ملاحظہ فرمائیے۔

جس دم شہید ہو گئے عباسِ ذی حشم   لائے حسینؑ خون میں ڈوبا ہوا علم
آواز دی کہ اے حرمِ سیّد الامم   کھو آئے اپنے بھائی کو دشتِ بلا میں ہم

یاور رہا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
لو اب تمام ہو گیا لشکر حسینؑ کا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

سبطِ نبیؐ نے دیکھ کے عباسؑ کا جلال چھاتی سے سر لگا کے یہ دل میں کیا خیال
دے دی جو اس جری کو اجازت پئے جدال تکمیلِ داستانِ وفا ہو یہ ہے محال
اُمت سے انتقام مرا مُدعا نہیں
یہ صبر کا جہاد ہے تلوار کا نہیں

پھر انتہائے ضبط سے کی اتنی گفتگو اچھا کرو ملال نہ اے میرے ماہ رُو
واللہ تم تو سب سے زیادہ ہو سُرخرو پیاسوں کے واسطے کرو پانی کی جستجو
بے تیغ چھین لو جو ترائی تو خوب ہے
نیزے سے سر کرو یہ لڑائی تو خوب ہے

آنکھوں سے پھر بہن کو بلا کر کیا خطاب، جی بھر کے آج دیکھ لو تصویرِ بوترابؑ
مقتل میں ڈوبنے کو چلا میرا آفتاب زینبؑ کہاں سے لاؤ گی عباسؑ کا شباب
آتا ہے اب زوال علیؑ کی کمائی کو
رُخصت گلے لگا کے کرو چھوٹے بھائی کو

زینبؑ تم اپنے ہاتھ سے دو بھائی کو علَم لے لو بلائیں نصر و من اللہ کر کے دم
وہ وقت آ گیا ہے یداللہ کی قسم اصغرؑ سے بے زباں کو لگے ناوکِ ستم
ٹوٹا دلِ حسینؑ برادر کے داغ سے
یہ داغ بڑھ گیا علی اکبرؑ کے داغ سے

کلثوم سے کہو کوئی مشکیزہ لے کے آئیں بھائی کے جسم پر وہ انوکھی زرہ سجائیں
سقائے اہلِ بیتؑ علمدار کو بنائیں مانگیں تمام شوکتِ اسلام کی دعائیں
قربان ہو جہاد نرالی اداؤں پر
دریا جبیں رکھے مرے بھائی کے پاؤں پر

۲۔ جہادِ زینبؑ

قیصر بارہوی کا مشہورِ زماں مرثیہ ''جہادِ زینب'' ۱۹۵۴ء میں معرضِ وجود میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ پچاس بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کی سیرت و کردار کا بے مثال مرقع ہے۔(۱)

اس کائنات میں بے شمار ایسی خواتین گزری ہیں جنہوں نے حق کی رضا و رغبت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا لیکن حضرت زینبؑ کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ انہوں نے دین اسلام کے لیے اپنا مال اپنی جان اور اولاد تو قربان کر ہی دی لیکن مقام حسرت و حیرت ہے کہ اس معظمہ اور آبروئے سادات نے اسلام کی خاطر اپنا پردہ بھی قربان کر دیا۔ یہی سبب ہے کہ جب بھی کسی کے لبوں پر ''زینبؑ'' کا نام آتا ہے تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ہر کس و ناکس کی گردن احترام سے جھک جاتی ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ آج اس کے ہونٹوں پہ آتشِ غم سے دھواں موجود ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہے۔ اس کا بنیادی سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ آج اس کی چشم تصور جناب زینبؑ کی اسیری کا حال بیان کرنا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یزید اور اس کے حواریوں نے صرف دنیاوی جاہ و جلال اور مال و متاع کی خاطر خانوادۂ محمدؐ پر بے شمار مظالم ڈھائے خاص طور پر شہادتِ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد عصمت مآب خواتین اور معصوم صفت بچوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا وہ انتہائی الم انگیز ہے۔ خاص طور پر اہلِ حرم کا قید ہو کر کوفے میں لایا جانا اہلبیتؑ کے لیے انتہائی ملال انگیز تھا۔ شاعر نے اس کیفیت کو محسوس کیا اور ایک خاص زاویے سے اس کو اُجاگر کیا ہے۔ آپ درج ذیل بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ شاعر نے حضرت زینبؑ کے جذبات کی کتنی حقیقی عکاسی کی ہے۔

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبۂ تمکین، ۱۹۶۹ء

(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

عابدؑ نے لیا نام جو کوفے کا تو یک بار زینبؑ کی نگاہوں میں پھرے حیدرِ کرارؑ
افسوس کہ دیکھا تھا جہاں باپ کا دربار لائی تھی وہاں گردشِ تقدیر گرفتار

شہزادی جہاں پر کبھی کہلائی تھی زینبؑ
افسوس رسن بستہ وہاں آئی تھی زینبؑ

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد یزیدی سازش کو بے نقاب کرنے میں حضرتِ زینبؑ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ آپؑ نے مختلف بازاروں، چوراہوں اور درباروں میں جو خطبات دیے ہیں شاعر نے ان کی خوب مدح سرائی کی ہے۔ آپ اہلِ کوفہ سے حضرت زینبؑ کا یہ خطاب دیکھیے اور احساس کیجیے کہ جس عورت پر کربلا جیسی مصیبت نازل ہو چکی ہے وہ کس انداز سے خطاب کر رہی ہے۔

اے کوفیو! کس گھر سے ملی تم کو ہدایت کس گھر نے سکھائے تمہیں آئینِ حکومت
اے کوفیو! کس گھر نے دیا نورِ محبت کس گھر نے عطا کی تمہیں قرآن کی دولت

کس گھر کے سبق نے تمہیں انسان بنایا
بولو! تمہیں کس گھر نے مسلمان بنایا

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں انسان کے جذبات و احساسات کی بہت خوبصورت عکاسی کی ہے۔ خاص طور پر بدلتے ہوئے حالات و واقعات اور زمانے کی نیرنگیوں کا اس مرثیے میں بہت دلچسپ انداز میں احوال بیان کیا گیا ہے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی جرأت آموزیوں اور دلنشیں خطبوں کے بیان میں شاعر نے اپنا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ خاص طور پر یہ شعر پورے مرثیہ کی تلخیص ہے کہ حضرت زینبؑ نے۔

منہ توڑ دیا دشمنِ اولادِ نبیؐ کا
اعلان کیا فتحِ حسینؑ ابنِ علیؑ کا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

القصہ ہوئے اہلِ حرم داخلِ دربار مصروف جہاں بادہ کشی میں تھے خطاکار
آواز یہ دی شمر نے ہاں قیدیو ہشیار اب سامنے حاکم ہے خبردار خبردار
مطلق نہ ہلیں ہونٹ یہ تاکید ہے سب سے
سر اپنا اٹھائے نہ کوئی پاسِ ادب سے

ناقوں پہ جو بیٹھے ہیں وہ نیچے اُتر آئیں حاکم نہ غضبناک ہو یہ خیر منائیں
کیا جانیے کس رنگ میں نازل ہوں سزائیں فکر اپنی کریں وارثوں کی یاد بھلائیں
ہے ابنِ زیاد آج مسرت کے نشے میں
لازم ہے رسن جملہ اسیروں کے گلے میں

یہ سنتے ہی ناقوں کا ٹھہرنا تھا قیامت ناقوں سے اسیروں کا اترنا تھا قیامت
بچوں کا نئے ظلم سے ڈرنا تھا قیامت اس دور سے زینبؑ کا گزرنا تھا قیامت
سنبھلا نہ گیا ہاتھ پسِ پُشت بندھے تھے
ایسے ہی گری جیسے کہ عباسؑ گرے تھے

کہتے ہیں کہ اس وقت فقط عابدِؑ بیمار زنجیر سنبھالے ہوئے دوڑے تھے بہ دشوار
فضہؑ کی صدا آئی تھی یا حیدرِؑ کرار کہتے ہیں پکاری تھی سکینہؑ جگر افگار
کیا نہر پہ سوتے ہو چلے آؤ چچا جان
دُرّے پھوپھی اماں کو نہ کھلواؤ چچا جان

عابدؑ کے سہارے سے محمدؐ کی نواسی معصوم سکینہؑ کی طرف دیکھ کے اُٹھی
اُٹھی تو بڑے ضبط کے انداز میں بولی عابدؑ مرے مقسوم کی تحریر یہی تھی
دنیا کا جو ارمانِ جفا ہے وہ نکل جائے
اسلام کی گرتی ہوئی دیوار سنبھل جائے

۷۔ یتیمانِ مُسلمؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''یتیمانِ مسلمؑ'' ۱۹۶۸ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی

''شبابِ فطرت'' میں طبع ہوا۔ حضرت مسلم بن عقیلؑ کے فرزندوں کا یہ دلگداز مرثیہ قیصر بارہوی کی شعری عظمتوں پر دال ہے۔ یہ مرثیہ پینتیس بندوں پر مشتمل ہے۔(۱)

سفیرِ آلِ محمد حضرت مسلم بن عقیلؑ کوفہ میں امام حسین علیہ السلام کے سفیر بن کر پہنچے تو ان کے ساتھ اُن کے دونوں صاحبزادے بھی تھے۔ اہلِ کوفہ نے حضرت مسلمؑ کو تو گرفتار کر لیا اور ان کے دونوں صاحبزادے پردیس میں دربدر ہو گئے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں کوفے کی ستم گار فضاؤں میں ان بچوں کے واقعۂ اشک فشانی کو بڑے دردناک انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ اندازہ لگایئے کہ کوفہ کی خوف و ہراس کی فضا میں دو بچوں پر کیا گزر رہی ہو گی۔ قیصر بارہوی کا درج ذیل بند اس کیفیت کا بھرپور اظہار کرتا ہے ؎

راتوں میں کبھی خوف اُگلتی ہوئی راہیں دیتی تھیں صدا' دیکھ کے بچوں کی نگاہیں

جاتے ہو کہاں ڈالے ہوئے باہوں میں باہیں کوئی نہ بچائے گا عبث بھرتے ہو آہیں

رحم آئے جسے ایسا مسلمان نہیں ہے

اس کوفے میں بجز' کوئی انسان نہیں ہے

کوفے کے در و بام ان حسین بچوں کو دیکھ کر افسوس کرتے ہیں۔ اشجار کی شاخیں ان بچوں کو دیکھ کر گریہ و زاری کرتی ہیں اور دعا کرتی ہیں کہ کاش اس طرح کے بچے گرفتارِ بلا نہ ہوں اور ایسے خوبرو بچے اپنے والدین سے کبھی جدا نہ ہوں۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ میں بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ ظالموں نے اعلان کر دیا کہ اب یتیمانِ مسلمؑ کو بھی سزا دی جائے گی بلکہ حکومت کی جانب سے یہ خبر پھیلائی گئی کہ ؎

ہر شکل میں انعام کو تقدیر بناؤ

زندہ نہیں لا سکتے تو سر کاٹ کے لاؤ

---

(۱) (i) قیصر بارہوی شبابِ فطرت سرگودھا: مکتبہ تمکین' ۱۹۶۹ء

(ii) قیصر بارہوی شبابِ فطرت لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

حکومت کے بہی خواہوں نے انعام کے لالچ میں ان بچوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ حکومت خدمتگار حارث کو تلاش بسیار کے بعد یہ دونوں بچے مل گئے۔ اس ظالم نے ان بچوں کے قتل کا ارادہ کیا اور انہیں دریا کے کنارے لے آیا۔ یہاں دونوں بھائیوں کی دردانگیز گفتگو کو قیصر بارہوی نے جس انداز سے پیش کیا ہے اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔
اس ظالم حارث نے ایک ایک کر کے دونوں بچوں کو لبِ دریا شہید کیا اور ان کے جسموں کو تو دریا کی نذر کر دیا اور دونوں کے سروں کو لے کر حکمران کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ قیصر بارہوی نے اس المناک حالت کی منظر کشی ان الفاظ میں کی ہے۔

حارث نے تو سر دونوں کے ہاتھوں میں اٹھائے	لاشے وہاں موجوں نے یتیموں کے ملائے
دریا نے تو مادر کی طرح اشک بہائے	الفاظ یہ کوفے کی فضاؤں نے سنائے

اس شان کے دنیا میں نہ معصوم ملیں گے
مسلمؑ کے یتیموں سے نہ مظلوم ملیں گے

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

مسلم کے بڑے لال نے سر اپنا جھکا کر	حارث سے کہا پہلے مناسب ہے مرا سر
تڑپے نہ مرے آگے مرا چھوٹا برادر	کیا خوب جو پہلے میں پیوں موت کا ساغر

اے کاش جو ارمان ہے دل میں وہ نکل جائے
سر بھی مرا سجدے میں ہو تلوار بھی چل جائے

یہ کہتے ہی کعبے کی طرف سر کو جھکایا	اور بھائی کو خاموش نگاہوں سے بتایا
صد شکر کہ نانا کی زیارت کا دن آیا	غربت میں بہت بارِ غم و رنج اُٹھایا

کاشانۂ فردوس میں بابا سے ملیں گے
کچھ دیر میں ہم فاطمۂ زہرا سے ملیں گے

ناگاہ ستم گار نے تلوار چلائی	بھائی نے یہ دیکھا کہ گرا خاک پہ بھائی
دھاروں میں لہو کی یہ حقیقت نظر آئی	ظاہر تھی مسافر کے تن و سر میں جدائی

خشکی پہ تو سر خون میں ڈوبا نظر آیا
دریا میں تڑپتا ہوا لاشہ نظر آیا

بھائی نے جو دیکھا یہ بڑے بھائی کا عالم رُخ سوئے مدینہ کیا بادیدۂ پُرنم
آواز دی اے ختمِ رُسل نازشِ آدم اُمت نے کیا دین پہ دُنیا کو مقدم
اب ظلم کی حد ہو گئی انسان کے ہاتھوں
ہم خوں میں نہاتے ہیں مسلمان کے ہاتھوں

کیسے کہوں حارث نے کیا دوسرا اک وار معصوم کی گردن سے ملی ظلم کی تلوار
یثرب میں تو کانپی لحد احمدِ مختارؐ مسلمؑ کے تڑپنے سے ہلا کوفہ کا بازار
دریا میں اِدھر دوسرا لاشہ نظر آیا
گردوں سے اُدھر خون برستا نظر آیا

۸۔ شامِ غریباں

قیصر بارہوی کا ''شامِ غریباں'' نامی مرثیہ ۱۹۷۴ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ قیصر بارہوی کے مقبول ترین مرثیوں میں سے ایک ہے۔(۱)

یہ زندگی غم ونشاط سے عبارت ہے۔ کبھی غم کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور کبھی خوشی کا۔ یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ کی پوری زندگیاں غم والم میں بسر ہو گئیں۔ خاص طور پر واقعۂ کربلا کے بعد ان مقدس صفات ہستیوں پر جو بیتی ہے اس کا بیان انتہائی خونچکاں ہے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیہ میں شہادتِ امام حسینؑ کے بعد اہلبیتؑ پر گزرنے والے دردناک واقعات بیان کیے ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ جب وہ شامِ غریباں کا تصور ذہن میں لاتا ہے تو ان کے کاروانِ فکر سے شور وفغاں کی آوازیں آنے لگتی ہیں اور اس کے خیمۂ

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

نگاہ سے تازہ دھواں اٹھنے لگتا ہے۔ شاعر کی چشمِ تخیل ان تمام الم انگیز مناظر کو دیکھ کر افسردہ ہو جاتی ہے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کربلا کے میدان میں دشمنوں نے فتح و شادمانی کے باجے بجائے اور شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر بلند کر دیا اور خاندان رسالت کے خیموں کو آگ لگادی۔ اس موقع پر شاعر کا یہ بند استفسار بھی ہے اور اہلِ دل کو جھنجھوڑنے کا سبب بھی۔

فطرت سے پوچھتا ہوں یہ کیسے غریب ہیں — کس کے حرم ہیں کس کے پریشاں نصیب ہیں
چہرے تو کہہ رہے ہیں خدا سے قریب ہیں — پھر ان پہ کیا بنی ہے جو سب سے عجیب ہیں
ہونٹوں پہ آیتوں کا خزینہ لیے ہوئے
بیٹھے ہیں بے کسی کا مدینہ لیے ہو

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اہلِ خانہ پر جو ظلم و ستم ڈھائے گئے اس کی روداد انتہائی ملال انگیز ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ سیدانیوں کو طرح طرح کے مصائب درپیش تھے۔ ایک جانب تو انہیں بچوں کو سنبھالنا تھا اور دوسری جانب شہیدوں کی لاشوں کی حرمت کو پامال ہونے سے بچانا تھا۔ اسی طرح شہیدوں کے جسموں میں پیوست تیروں کو بھی علیحدہ کرنا تھا۔ ان تمام مصائب کے ساتھ ساتھ جب یہ سیدانیاں اپنے کسی عزیز کے بریدہ سر کو دیکھتی تھیں تو آہ و بکا شروع کر دیتی تھیں۔ اس صورتِ حال میں ثانی زہراؑ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے عزم و ہمت کے ساتھ تمام مصائب کو بھی برداشت کیا اور سب کو حوصلہ بھی دیا۔ قیصر بارہوی نے انتہائی ملال انگیز اسلوب میں یہ مرثیہ رقم کیا ہے۔ آپ اس مرثیہ کا آخری بند ملاحظہ فرمائیے:

قیصر بیانِ شامِ غریباں محال ہے — تحریر کر سکے کوئی انساں محال ہے
لائے جواب گردشِ دوراں محال ہے — یوں بھی کسی کا گھر ہو پریشاں محال ہے
ہر زندگی کو ظلم سے لڑنا سکھائے گی
اب تا بہ حشر شامِ غریباں نہ آئے گی

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

کس نے کہا چراغ بُجھا اہلبیتؑ کا — اب تو شفق نے نام لکھا اہلبیتؑ کا
باقی رہے گا درسِ بقا اہلبیتؑ کا — دیں اہلبیتؑ کا ہے خدا اہلبیتؑ کا
یہ غم نہ مٹ سکے گا دلِ مشرقین سے
اب مصطفیٰؐ کا نام چلے گا حسینؑ سے

مستقبلِ حیات سنائے گا اب یہ حال — مشکل کشائے دین خدا ہے علیؑ کا لال
صحرا میں جس غریب کی میّت ہے پائمال — اب حشر تک اسی کی کہانی ہے لازوال
کلمہ پڑھیں گے راہِ خدا کے شہید کا
اہلِ شعور نام نہ لیں گے یزید کا

مقتل کی لازوال شفق میں حیات ہے — مظلومیت کے سرخ ورق میں حیات ہے
وحدت پسند نظم و نسق میں حیات ہے — عاشورِ کربلا کے سبق میں حیات ہے
سیراب عقل و ہوش ہیں پیاسے فرات کے
اب تذکرے رہیں گے حسینؑ ثبات کے

جس کے عمل نے جبر کے بازو کیے ہیں شل — جس کی حسامِ صبر نے کاٹا سرِ اجل
جس کے بدن نے موڑ دیئے برچھیوں کے پھل — جس کی نظر نے چھین لئے ابروؤں سے بل
اس کا بیاں تصورِ ہستی پہ چھائے گا
اب سیّدہ کا لال بہت یاد آئے گا

اب ظلم کے خلاف اُٹھیں گے جوان و پیر — اب سرکشی سے زیر نہ ہو گا کوئی ضمیر
ہتھیار کے پہاڑ ہوں یا لشکرِ کثیر — اب ظالموں کی موت ہے مظلومیت کا تیر
حق آشنا دلوں میں اُتر جائے گا حسینؑ
چھپ جائے آفتاب، نظر آئے گا حسینؑ

۹۔ نوائے احساس

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نوائے احساس'' ۱۹۷۲ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور مجموعہ ''دوعظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ حضرت علی اصغر علیہ السلام کی سیرت وشہادت کے حوالے سے رقم کیا گیا ہے۔(۱)

انسان کی زندگی تضادات کا مرکب ہے۔ قیصر بارہوی نے اس بے لطف زندگی سے لطف کشید کرنے کا انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ وہ پریشانیوں سے لطف حیات' درد کی جولانیوں سے تسکین روح' قلب کی ویرانیوں سے تعمیرِ فکر' اشک نما پانیوں سے ساحل مراد اور زخموں کی دھوپ سے سایہ تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب ہر نشترِ عمل سے خونِ دل نکھرتا ہے اور بجھتے ہوئے چراغ مستقل تنویر دینے کا باعث بنتے ہیں۔ خاص طور پر غم والم میں صدائے ''یا حسینؑ'' شاعر کے قلب و روح میں تروتازگی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ خود احساس دلاتے ہیں:

بیدار زندگی کی علامت ہے یا حسینؑ ۔۔۔ تابندہ ولولوں کی حرارت ہے یا حسینؑ
خورشیدِ بندگی کی تمازت ہے یا حسینؑ ۔۔۔ فردِ عمل پہ مہرِ صداقت ہے یا حسینؑ
قدرت ہے اس نوائے حق انداز کے لیے
زندہ ہے انقلاب اس آواز کے لیے

شاعر کے نزدیک لفظ ''یا حسینؑ'' گلدستۂ تمدنِ عالم' اقدار کی تجلی عالم' تکمیلِ عزم و عہدِ منظم' صداقتِ بنی آدمؑ امن واماں کی قدرِ مسلسل' لاتقصدو کی شرحِ مکمل' عزت کی گفتگوئے مدلل' خود آگہی کی شانِ مفصل' وحدت نما جہاد کا منظر' قدرت کا زور آور لشکر' جرأت کا بے کنار سمندر' لازوال معدنِ تنویر' اک بے مثال جذبۂ تسخیر' ادائے اجل گیر' مستقل وقار کی تحریر' آزادیٔ ضمیر کی نوبت' خودداری مزاج وطبیعت' سرمایۂ تحفظِ غیرت اور جوابِ جبرِ حکومت ہے۔

---

(۱) (i) قیصر بارہوی ۔ عظیم مرثیے ۔ لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی ۔ عظیم مرثیے ۔ لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

شاعر کا موقف یہ ہے کہ جب وہ یا حسینؑ کہتا ہے تو کربلا کا پورا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور خاص طور پر شہادتِ حضرت علی اصغرؑ کے دلخراش مناظر اس کے دل کو تار تار کر دیتے ہیں۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ کرب و بلا کا اصل فاتح یہ چھ ماہ کا معصوم بچہ ہے کہ اس نے ہر درد مند دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور آج بھی اس بچے کی شہادت حق و باطل میں حدّ امتیاز پیدا کرتی ہے۔ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کے اختتامی بند خون و ملال سے عبارت ہیں۔ صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اصغرؑ ہنسے تو ہلنے لگا کربلا کا بن ٹکڑے ہوئے تڑپتی فضاؤں کے پیرہن
دریا پہ تھرتھرا گیا عباسؑ کا بدن بولے حسینؑ صبر کرو میرے خستہ تن
مظلومیت کو محورِ اسلام کر دیا
تم نے تو آج سب سے بڑا کام کر دیا

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

افکار کیلئے پرِ پرواز "یا حسینؑ" کردار کی جوان تگ و تاز "یا حسینؑ"
دنیا جو کہہ رہی ہے بصد ناز "یا حسینؑ" گویا نفس نفس ہے بہ اعجاز "یا حسینؑ"
یہ عشق ہے خرد کو مسخر کیے ہوئے
فطرت ہے "یا حسینؑ" کا پرچم لیے ہوئے

امن و اماں کی قدرِ مسلسل ہے "یا حسینؑ" لَاتُفْسِدُو کی شرحِ مکمل ہے "یا حسینؑ"
عزت کی گفتگوئے مدلل ہے "یا حسینؑ" خود آگہی کی شانِ مفصل ہے "یا حسینؑ"
یہ امر جس شعور کا معیار بن گیا
وہ آدمی اصول کی تلوار بن گیا

وحدت نما جہاد کا منظر ہے "یا حسینؑ" قدرت ہے جس کا زور وہ لشکر ہے "یا حسینؑ"
جرات کا بے کنار سمندر ہے "یا حسینؑ" اُمت ہیں عقل و ہوش پیمبرؐ ہے "یا حسینؑ"
صہبائے معرفت ہے اسی جام کیلئے
یہ آبرو ہے کلمۂ اسلام کیلئے

اِک لازوال معدنِ تنویر "یا حسینؑ" اِک بے مثال جذبۂ تسخیر "یا حسینؑ"
حُسنِ وفا ادائے اجل گیر "یا حسینؑ" اِک مستقل وقار کی تحریر "یا حسینؑ"
آیاتِ کردگار کی عظمت اسی میں ہے
قرآن کی تمام صداقت اسی میں ہے

ہر دور میں تحفظِ انساں ہے "یا حسینؑ" ہر عہد میں حکایتِ ایماں ہے "یا حسینؑ"
ہر صبح کو متاعِ درخشاں ہے "یا حسینؑ" ہر شام کی جبیں پہ چراغاں ہے "یا حسینؑ"
چشمِ حیات میں یہی نورِ دوام ہے
شمس و قمر اسی کے اُجالوں کا نام ہے

۱۰۔ حسینؑ اور انتخاب

قیصر بارہوی کا مرثیہ "حسینؑ اور انتخاب" ۱۹۷۸ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور اُن کے مرثیوں کے مجموعے "عظیم مرثیے" میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ستر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ انصار و اقرباء حضرت امام حسینؑ سے قیصر بارہوی کی والہانہ عقیدت کا بے مثال نمونہ ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ انسان اس دنیا میں آنے کے بعد اپنی حقیقت سے آشنا ہو کر کائنات کو تسخیر کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی دوررس نگاہ دی ہے کہ وہ آبِ حیات کی شناخت کر سکتا ہے اور اپنے کامل شعور سے پوری زندگی کو مسخر کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی کو منوّر کرنا چاہتا ہے تو اُسے اپنے دل کو آفتاب کی طرح روشن اور تاباں بنا لینا چاہیے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس بے مثال کائنات میں وحدت پرست لوگوں کے لیے عظیم مراتب موجود ہیں۔ دانا وہی ہے جو حالات کی یورش سے نہ گھبرائے اور اپنی بصیرت کی

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

مشعل لے کر کائنات کو جگمگا دے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اگر ہم کاروانِ وطن کو تمدن کی کہکشاں اور اپنے وطن کی زمین کو رشکِ آسمان بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں کربلا کے پیغام سے استفادہ کرنا چاہیے۔

انسانیت کے سلک میں اہلِ نظر عوام　　پیتے ہیں کربلا کی شرابِ عمل کے جام
یہ بات مانتا ہے زمانے کا ہر نظام　　قانونِ انتخاب ہے عاشور کا پیام
یعنی خرد پہ غلبۂ وہم و گماں نہ ہو
نااہل کے سپرد کوئی کارواں نہ ہو

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ جب ذہنوں پر خطا کاریوں کی دھوپ چھائی ہوئی تھی اور دل آزادیوں کے باعث دردمند دلوں کے سینے جل رہے تھے ایسے عالم میں امام عالی مقام نے فیصلہ کیا کہ وہ رعونت شاہی کی برچھیوں اور جبرِ حکومت کی سختیوں کو جھیل لیں گے لیکن تحفظِ اسلام کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت امام حسینؑ نے حق کی سربلندی اور قرآن کی عظمت کے لیے کربلا کی جانب سفر اختیار کیا۔ اُن کی نگاہ دوررس نے دیکھ لیا تھا کہ کربلا کے میدان میں انہیں اپنے بچوں، جوانوں اور بزرگوں کی قربانیاں پیش کرنا ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اُن کی شہادت کے بعد اُن کے اہل خانہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا جائے گا۔ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی عظیم قربانیوں کو قیصر بارہوی نے درج ذیل بند میں اس طرح بیان کیا ہے:

دریا کے پاس تشنہ لبی کے کنول کھلے　　خنجر چلے غریبوں کے زخمِ جگر سلے
کڑیل مجاہدوں کو سنانوں کے پھل ملے　　بچوں کا خون دیکھ کے پتھر کے دل ہلے
پیاسوں نے کارنامۂ عاشور لکھ دیا
پانی پہ انتخاب کا دستور لکھ دیا

حضرت امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں جو بے مثال قربانی دی وہ لوحِ تاریخ پر محفوظ ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ عاشور کے روز امام حسینؑ اور اُن کے اقربا اور جانثاروں کی

قربانیاں تو مکمل ہو گئیں تاہم خانوادۂ اہلِ بیتؑ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فیصلہ کر لیا کہ یزید اور اس کے حواری جتنا بھی ظلم و ستم ڈھالیں وہ مقاصدِ شہادتِ حسینؑ کو کسی طرح چھپنے نہیں دیں گے۔ بلاشبہ یہ حضرتِ زینب سلام اللہ علیہا کی بے مثال کاوشیں تھیں جن کے باعث امام حسینؑ کا پیغام آج بھی اہلِ وِلا کے دلوں کی دھڑکن ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

آسودگی کی راہ کے گوہر تھے سامنے　　بے چینیوں کی شکل سمندر تھے سامنے
عیش و طرب کی شام کے منظر تھے سامنے　　زخموں کی تیز دھوپ کے خنجر تھے سامنے
دنیا کھڑی تھی رے کی حکومت لئے ہوئے
مقتل بلا رہا تھا شہادت لئے ہوئے

اک سمت اقتدار کی رنگیں جوانیاں　　اک سمت اپنے جسم پہ زخموں کی کہکشاں
اک سمت مال و زر کا تبسم سکونِ جاں　　اک سمت اپنے خیموں سے اُٹھتا ہوا دُھواں
دولت اُدھر تھی مثلِ شجر جھومتی ہوئی
غربت اِدھر بہن کی ردا چومتی ہوئی

پھولوں کا روپ دھارے ہوئے خار اِک طرف　　ایثار سے تحفظِ گلزار اِک طرف
باطل پرست فوج کے ہتھیار اِک طرف　　بازو میں زورِ حیدرِؑ کرار اِک طرف
دشمن کا ذہن مرحب و عنتر لئے ہوئے
شبیرؑ قلبِ فاتحِ خیبرؑ لئے ہوئے

لیکن پیمبروں کی بصیرت کا ورثہ دار　　میزانِ انتخاب کو لایا بروئے کار
دنیا کے ہر سکون کو ٹھکرا کے بار بار　　زخموں کی سرخیوں کو بنایا گلے کا ہار
چوما تصورات میں یوں قتل گاہ کو
پیار آ گیا لحد میں رسالتؐ پناہ کو

حیدرؑ کی تربیت کے اُجالے عیاں ہوئے طفلی کے حق شناس ارادے جواں ہوئے
کانٹوں کے فرش جلوہ گہہِ کہکشاں ہوئے نیزوں کے پھل حکایتِ دل کی زباں ہوئے
فردِ نظر پہ دفترِ محضر سجا لیا
نانا کی محنتوں کو مقدر بنا لیا

۱۱۔ صبحِ مودّت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''صبحِ مودّت'' ۱۹۷۷ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں کنیز فاطمۃ الزہراؑ حضرت فضہؑ کی شخصیت کے گراں قدر پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں ان کی خدمات جلیلہ بیان کی گئی ہیں۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اس کائنات میں یوں تو ہر چیز فنا پذیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض شخصیات کو لافانی بنا دیا ہے۔ ان عظیم المرتبت شخصیات میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کو جو بلند مقام حاصل ہے اظہر من الشمس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جلیل القدر ہستیوں کو یہ اعجاز بھی عطا کیا ہے کہ جو ان کے ساتھ منسلک ہو جائے وہ بھی رفیع الدرجات ہو جاتا ہے۔ گویا قیصر بارہوی کے نزدیک اس دنیا میں بقا کا راز خدمتِ آلِ رسولؐ میں مضمر ہے۔ آلِ رسولؐ کی خدمت گزاروں میں ایک معتبر نام بی بی فضہؑ کا بھی ہے جنہوں نے عمر بھر خاندانِ رسالت کی خدمت گزاری کی اور محمدؐ وآلِ محمدؐ نے ان کی اتنی پذیرائی کی کہ آج ان کا اسمِ گرامی اہلِ مودّت انتہائی احترام سے لیتے ہیں۔ بقول شاعر

فضہؑ کو شہرِ علم کی آب و ہوا نصیب چومے فرازِ عرش وہ ذہنِ رسا نصیب
تائیدِ پنجتنؑ کرمِ کبریا نصیب لاریب اس نصیب کو کہیے بقا نصیب
دامن میں بارگاہِ امامت کی بھیک ہے
فضہؑ کی پرورش میں نبوّت شریک ہے

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

حضرت فضہؓ آلِ نبی کی قدر و منزلت جانتی تھیں۔ یہی سبب ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو خدمت اہلبیتؑ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ وہ اپنے افکار میں حدیقۂ عصمت، گفتار میں معانی آیت، کردار میں جمالِ شرافت اور رگ و پے میں حسنِ شریعت لیے ہوئے تھیں۔ وہ ایک عالی قدر اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن حضرت فاطمہؑ کی محبت میں بوریا نشین ہو گئیں تھیں۔ حضرت فاطمہؑ کی صحبت نے انہیں اس مقام ارفع پر پہنچا دیا تھا کہ جہاں وہ رازدار درود و سلام ہو گئی تھیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ حبش کی خاک مدینے میں آ کر اکسیر ہو گئی تھی۔

حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد چشمِ فضہؓ نے جو مناظر دیکھے وہ انتہائی المناک تھے۔ حضرت فاطمہؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ مسلمانوں نے جو سلوک کیے تھے حضرت فضہؓ ان پر خون کے آنسو روتی رہتی تھیں۔ زمانے کا مزاج بدلا تو امام حسینؑ سے بیعت کا تقاضا کیا گیا۔ امام عالی مقامؑ کے انکار کے بعد کرب و بلا کے میدان میں امام اور ان کے ساتھیوں نے اپنے خون سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ کر ایک جانب دینِ اسلام کو محفوظ کر دیا اور دوسری جانب منافقت کے چہرے پر پڑی نقاب اُلٹ دی۔ حضرت فضہؓ نے کربلا کے میدان میں جو وقیع کارنامے انجام دیے قیصر بارہوی نے بڑے دلنشیں انداز میں اس کا ذکر کیا ہے۔ خاص طور پر دربار یزید میں حضرت فضہؓ کے کارناموں کو شاعر نے بڑے سلیقے اور بلند آہنگی سے بیان کیا ہے اور آخر میں ان پر درود و سلام بھیجا ہے۔ آپ یہ بند ملاحظہ فرمائیے:

آیاتِ صبر و شکر کی تفسیر پر سلام — ایماں کی بولتی ہوئی تصویر پر سلام
عہدِ وفا کے خواب کی تعبیر پر سلام — خدمت گزار زینبؑ و شبیرؑ پر سلام
ذرّیتِ رسولؐ پہ قربان ہو گئی
فضہؓ کتابِ عشق کا عنوان ہو گئی

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

فضہؓ کو شہرِ علم کی آب و ہوا نصیب — چومے فرازِ عرش وہ ذہنِ رسا نصیب
تائیدِ پنجتنؑ، کرمِ کبریا نصیب — لاریب اس نصیب کو کہیے بقا نصیب

دامن میں بارگاہِ امامت کی بھیک ہے
فضہؓ کی پرورش میں نبوت شریک ہے

افکار میں حدیقۂ عصمت لئے ہوئے
گفتار میں معانیٔ آیت لئے ہوئے
کردار میں جمالِ شرافت لئے ہوئے
گویا تمام حُسنِ شریعت لئے ہوئے

حق سے حیات پائی ہے انعام کی طرح
فضہؓ درِ نبیؐ پہ ہے اسلام کی طرح

فضہؓ ہے حق کو حق کی طرح ماننے کا نام
فضہؓ ہے قدرِ آلِ نبیؐ جاننے کا نام
یہ نام ہے اصول کو گردانے کا نام
فضہؓ ہے اہلبیتؑ کو پہچاننے کا نام

یہ قربِ اہلِ بیتؑ کسی کو بہم نہیں
فضہؓ کی بات بوذرؓ و سلمانؓ سے کم نہیں

دانائیوں کو ناز وہ دانائیاں بھی ہیں
قرباں ہو بندگی وہ جبیں سائیاں بھی ہیں
خیرالنساء کے سائے کی زیبائیاں بھی ہیں
اس آئینے میں نور کی پرچھائیاں بھی ہیں

ایمانِ کُل کی بزم سے ربطِ دوام ہے
فضہؓ بھی رازدارِ درود و سلام ہے

دنیا میں رہ کے جنتِ عقبیٰ سے باخبر
تسلیم کا لباس مودّت کی رہگذر
یادِ خدا کی روشنی دل کی فصیل پر
ایوانِ مصطفیٰؐ کے اُجالے نظر نظر

دورِ نفس پہ سایۂ جانِ رسولؐ ہے
فضہؓ کی کائنات ردائے بتولؑ ہے

۱۲۔ علمِ علیؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''علمِ علیؑ'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہوا اور مجموعہ ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ یہ مرثیہ بہتر بندوں پر مشتمل ہے جس میں شاعر نے بابِ مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے علم کا بیان انتہائی موثر پیرائے میں کیا ہے اور چشمِ تخیل سے کربلا کے الناک مناظر کو دیکھ کر

پیش کیا ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ علم عطیۂ الٰہی ہے۔ یہی سبب ہے کہ دانش مندوں نے علم کو جنت کا میوہ قرار دیا ہے۔ دیگر ادیانِ عالم کی طرح اسلام نے بھی حصولِ علم پر بے حد زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو علم کا مرکز و محور اور حضرت علیؑ کو اُس مرکز تک پہنچنے کا راستہ قرار دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی ذات کو مدینۃ العلم اور حضرت علیؑ کو اُس کا دروازہ قرار دیا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے علم کا بیان ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

میں اور بیانِ علم علیؑ یا علیؑ مدد　　میں اور حدیثِ نفسِ نبیؐ یا علیؑ مدد

منزل ہے جلوۂ ازلی یا علیؑ مدد　　میں اور نگارشِ ابدی یا علیؑ مدد

پھیلا رہا ہوں نشۂ جامِ غدیر کو

مل جائے اہلِ بیتؑ کا صدقہ فقیر کو

شاعر کا موقف یہ ہے کہ علمِ قدرت کا ترجمان اور باعثِ آرائشِ جہان ہے یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو علم کی دولت سے مالا مال کیا۔ شاعر کے خیال میں حضرت علیؑ کو علوم کے جو ذخائر ودیعت کیے گئے اُس کے باعث وہ اسرارِ کائنات کے حامل ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ فطرت انسانی اُن کا احترام کرتی ہے۔ پانی ہو یا زمین، ہوا ہو یا منبر، آفتاب ہو یا مہتاب ہر ایک علمِ علیؑ کا گن گاتا ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ علم ہر مرض کی دوا، گم گشتۂ خرد کے لیے رہنما، اہل عمل کے واسطے حسنِ بقا اور مشکلوں کے لیے مشکل کشا ہے، علم بوئے چمن، گلوں کی پھبن، سچائیوں کا بانکپن اور شمعِ انجمن ہے۔ علم مومن کی روح کے لیے کاشانہ ہے، خوارِ حق پرست کے لیے میخانہ اور کوثر شناس کے لیے جراُتِ رندانہ ہے۔ بقول شاعر ؎

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء

(ii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

قدرت اگر دہن ہے تو اُس کی زبان ہے علم　　　حق کارواں ہے علم کا اور کارواں ہے علم
پیکر حصارِ جاں ہے تو احساسِ جاں ہے علم　　　کعبہ مکاں ہے اور خبر لامکاں ہے علم

تجسیم ہو کے صورتِ حیدرؑ میں آ گیا
جس گھر کو جانا تھا اُسی گھر میں آ گیا

قیصر بارہوی نے حضرت علیؑ کے علوم کے مختلف مظاہر انتہائی سلیقے سے بیان کیے ہیں۔ اُن کا موقف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے بعد حضرت علی علم کے مقام بلند پر فائز ہیں اور جب تک یہ دنیا باقی ہے اور علوم وفنون کا ذکر رہے گا حضرت علیؑ کی علمی قابلیت اور ذہانت کا ایک زمانہ معترف رہے گا۔ یہ امر انتہائی المناک ہے کہ دشمنانِ دین واسلام نے حضرت علیؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ حضرت علیؑ نے طوفانِ ظلم وجور کو گلے لگا کر پیغام کبریا کا سفینہ بچالیا۔ آپؑ نے سجدے کی حالت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ وہ خود تو دنیا سے روانہ ہو گئے لیکن انہوں نے اپنے علم کے ذریعے اسلام کو سرخرو کر دیا۔ شاعر کی چشم تخیل دیکھتی ہے کہ حضرت علیؑ کے علم کا تحفظ اُن کے خانوادے نے بہت اچھی طرح سے کیا اور خاص طور پر کربلا کے میدان میں علم کے تحفظ کے لیے اہلِ بیت نے جو بے مثال قربانیاں دیں وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ شہادتِ امام حسینؑ کے بعد حضرت زینبؑ نے دربار کوفہ وشام میں جو خطبات دیے ہیں وہ بھی حضرت علیؑ کے علمی موعظت کو تازہ کرتے ہیں۔ اس طرح شاعر نے اس اپنے موقف کو ثابت کر دیا ہے کہ حضرت علیؑ کا علم کربلا وشام میں بھی تر وتازہ رہا ہے۔

بھیا پکارتی ہیں غضب کی مسافتیں　　　بھیا قدم قدم ہیں ہزاروں مصیبتیں
کوفے میں دیکھیے گا بہن کی ریاضتیں　　　بھیا بہت قریب ہیں خطبوں کی ساعتیں

زندہ رکھوں گی علمِ علیؑ کے نظام کو
بھیا اُلٹ کے آؤں گی دربار شام کو

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمائیے۔

تسلیم کرتے ہیں یہ زمانے کے نکتہ داں　　　دنیا میں صرف علم ہے قدرت کا ترجماں
ہے روشنیِ علم سے آرائشِ جہاں　　　تصویر علم ہے جسے کہتے ہیں گلستاں

لیکن زبانِ علم پہ اتنا جواب ہے
ہر پھول میں مشاہدۂ بوترابؑ ہے

محبوبِ کبریا نے پلایا وہ جامِ حق
جس کے خمار میں ہے زمانے کا ہر ورق
کیا صحنِ باغ باغ ہے کیا دامنِ شفق
ہے سرخیٔ فضیلتِ حیدرؑ طبق طبق
حسنِ زمین و روشنیٔ آسماں نہیں
جس میں علیؑ کا رنگ نہیں گلستاں نہیں

پانی کے آئینے میں رواں عقل کی فرات
انساں سے کہہ رہی ہے یہ انسانیت کی بات
پانی دکھا رہا ہے جو آئینۂ حیات
اہلِ نظر کے واسطے ہے روشنیٔ ذات
گردش میں لہر لہر ہے محور کے سامنے
پانی بنا ہے ساقیٔ کوثر کے سامنے

آواز دے رہا ہے ہر اک دانۂ زمیں
دانائیوں کے نور سے روشن مری جبیں
میرا کمال پرورشِ جسم ہی نہیں
علمِ بشر کو دیتا ہوں پیمانۂ یقیں
دانہ ہوں زندگی کے چمن کی بہار ہوں
جاگیرِ بوترابؑ کا اک اہلکار ہوں

وحدت کے گیت گاتی ہوئی معتدل ہوا
دامانِ بحر و بر سے یہ کہتی ہے برملا
کوئی سنے بہ حقِ سماعت یہ ماجرا
جلوہ ہے خشک و تر میں علیؑ کے جمال کا
تخلیق کو جو بوئے کمالات مل گئی
بنتِ اسدؑ کے لال کی خیرات مل گئی

۱۳۔ اعجازِ تحمّل

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''اعجازِ تحمّل'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ اپنی جدتِ فکر اور ندرتِ خیال کے باعث رثائی ادب میں ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس مرثیے میں حضرت سید سجادؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اور واقعۂ کربلا کے بعد اُن پر ڈھائے جانے

والے مظالم کا دردناک بیان پیش کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت امام حسینؑ کے فرزندوں میں حضرت سیّد سجادؑ کا نام انتہائی معتبر ہے اور وہ اپنی سیرت و کردار کے حوالے سے انتہائی مقام پر فائز ہیں۔ خاص طور پر اپنی عبادت گزاری اور سنجیدہ گفتاری کے باعث وہ اہلِ ولا کے دلوں میں بستے ہیں۔ وہ ایک پیکر ایثار، عارف توحید اور احکامِ خداوند کے پاس دار ہیں۔ اُن کا سینہ اسرار الٰہی کا مکان ہے۔ وہ ہونٹوں پر قرآن محمدؐ سجائے اور اپنے رگ و پے میں شبیرؑ کا مقصد بسائے اپنے کردار سے باطل کو شکستِ فاش دے رہے ہیں۔ وہ عرفان حقیقت کا سمندر، علوم کے گوہر امن کا جھومر، صولت ایمان، ہادیٔ اکمل ابرِ سخا، مہمان نواز، مشیت خدا کا علمبردار اور پابندِ احکام الٰہی ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ کرب و بلا کے میدان میں امامِ عالی مقامؑ نے جو بیش بہا قربانیاں دی ہیں اُن کی تشہیر سیّد سجادؑ نے کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ قافلۂ اہل بیتؑ کے سالار تھے لیکن اُن کی شہادت کے بعد حضرت سیّد سجاد نے اس قافلے کی جو رہبری کی ہے اُس کا بیان صرف اور صرف درد و غم سے عبارت ہے۔

لشکر کی طرح ظلم کے سیلاب سے پوچھو   دورانِ سفر مہر جہاں تاب سے پوچھو
تیروں کے بھنور نیزوں کے گرداب سے پوچھو   ناموسِ نبیؐ گلشنِ بے آب سے پوچھو

فطرت پہ جو غالب ہو وہ کہلائے گا سجادؑ
ہر دور میں شبیرؑ نظر آئے گا سجادؑ

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ حضرت سیّد سجادؑ گلزار امامت کا صفدر، شریعت کا گلِ تر، اسلام کا محور، تقدیر حرم اور شہیدوں کے اُجالوں کی سحر ہیں تاہم مقام ملال یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں اس مصدر ایماں کو کوفیوں اور شامیوں نے چاک گریباں کر دیا۔ حضرت سید سجادؑ اگرچہ انتہائی ناتواں تھے مگر انہوں نے اپنے کاندھوں پر بار اسلام اُٹھایا ہوا تھا۔ کربلا سے

---

(۱) (i) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

کوفے اور کوفے سے شام میں امام عالی مقام کو جو صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ قیصر بارہوی نے انہیں انتہائی ملال انگیز انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت سید سجادؑ نے کوفے، شام اور دمشق میں جو خطبات دیے ہیں وہ دردمند دلوں کے لیے نشتر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اے کوفیو اب میں ہوں وہ مظلوم کا دلبر　　ملتے ہیں جسے طعنۂ اغیار کے نشتر
دیوانہ صفت دیکھ رہے ہو مجھے ہنس کر　　اے کوفیو کیوں مارتے ہو درد کے خنجر
پردیس میں اُجڑا ہوا مہمان تو سمجھو
میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر انسان تو سمجھو

حضرت سید سجادؑ نے اپنے خطبات اور طرزِ عمل سے یزیدی تکبر کے بُت پاش پاش کردیے۔ انہوں نے مختلف مقامات پر اللہ کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کا تحفظ کیا اور یزیدی افکار و نظریات کو باطل قرار دیا۔ انہوں نے اہلِ بیت کا تماشا دیکھنے والوں کو احساس دلایا کہ کربلا کے میدان میں امام حسینؑ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خطباتِ جناب سید سجادؑ نے محض مغرور حکمرانوں کو خاموش ہی نہیں کیا بلکہ حاکمِ وقت سے قلمدانِ سخن بھی چھین لیا تھا۔ مرثیے کے آخر میں قیصر بارہوی نے حضرت سکینہ بنتِ حسینؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کو بھی بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے حضرت سید سجادؑ نے مصائب برداشت کیے ہیں۔ اُن کا بیان لفظوں میں ممکن ہی نہیں ہے۔ تاہم قیصر بارہوی نے اپنے جذبات و احساسات کے باعث اس کا کچھ نہ کچھ حق ضرور ادا کردیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

سجادؑ وہ خوشبو جو خیالات کو مہکائے　　سجادؑ وہ احساس جو انساں کو نظر آئے
شعلوں کی لگن قطرۂ شبنم پہ اٹھا لائے　　سجادؑ وہ حیرت ہے جو ہر عقل پہ چھا جائے
انساں کو مشیت کے سب انداز سکھا دے
سجادؑ وہ عیسیٰ ہے جو مردے کو جلا دے

سجادؑ وہ قوت جو بدل دے رُخِ دوراں
ڈر جائے جسے دیکھ کے الحاد کا طوفاں
سجادؑ مشیت کے صحیفے کا وہ عنواں
پھیلے تو محمدؐ ہو سمٹ جائے تو قرآں
انداز امامت میں نبوتؐ بھی ملے گی
سجادؑ میں توفیقِ رسالتؐ بھی ملے گی

لشکر کی طرح ظلم کے سیلاب سے پوچھو
دورانِ سفر مہرِ جہاں تاب سے پوچھو
تیروں کے بھنور نیزوں کے گرداب سے پوچھو
ناموسِ نبیؐ گلشنِ بے آب سے پوچھو
فطرت پہ جو غالب ہو وہ کہلائے گا سجادؑ
ہر دور میں شبیرؑ نظر آئے گا سجادؑ

سجادؑ ہے گلزارِ امامت کا مقدر
سجادؑ سے باقی ہے شریعت کا گلِ تر
تقدیرِ حرمؑ آدمِ اولادِ پیمبرؐ
سجادؑ ہے عاشور کے اسلام کا محور
اب تک جو شہیدوں کے اُجالوں کی سحر ہے
سجادؑ کے اعجازِ تحمل کا اثر ہے

تاریخ کی آواز پہ بہتے ہوئے آنسو
لفظوں میں بسا لائے غم و درد کی خوشبو
یاد آئے اسیروں کی مصیبت کے وہ پہلو
صحرا کی تپش احمدؐ مختار کے مہرو
کونین میں جو مصدرِ ایماں نظر آئے
مقتل میں وہی چاک گریباں نظر آئے

۱۴۔ اُجالوں کا سفر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''اُجالوں کا سفر'' ۱۹۸۱ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور قیصر بارہوی کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں کے اس مرثیے میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے کردار کے محاسن اور قید و بند میں ان کے المناک مصائب کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے ہمیشہ رواداری اور پیار و محبت کو اہمیت دی ہے تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ اسلام اور توحید کے پرستاروں سے اہل دنیا نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ شمعِ توحید ہمیشہ زندانوں میں فروزاں ہوئی اور دین ظلم کے طوفانوں میں پروان چڑھا۔ اہلِ حق کو کبھی مقتل میں زہر کے پیالے پلوائے گئے اور کبھی انہیں دردکی میزانوں میں تلوایا گیا تاہم تابندہ ضمیر رکھنے والے ان وحدت کے سفیروں نے ظلم و بربریت کے سامنے اپنے سر خم نہیں کیے بلکہ حق و صداقت کا علم سربلند کر کے اہلِ دنیا کو یہ سبق دیا کہ۔

صبحِ فطرت میں غریبوں کے مسلسل آنسو ۔۔۔ آدمیت کا اُجالا ہے شہیدوں کا لہو
بستیاں دشت سے لائی ہیں وفا کی خوشبو ۔۔۔ خشک ہونٹوں سے ہے ایمان کی شاخوں میں نمو

آب کیا پائی ہے احساس کی تلواروں نے
ہاتھ کٹوائے ہیں وحدت کے علمداروں نے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں نے خاندانِ رسالتؑ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ خاص طور پر کربلا کے میدان میں مسلمانوں نے خانوادۂ رسولؐ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اس تمام صورتِ حال کا سبب کیا ہے اس کا تجزیہ قیصر بارہوی کی زبان سے سنیئے۔

چھا گیا ذہن ریاست پہ شرابی منظر ۔۔۔ نشۂ زر میں اچھالے گئے زرّیں ساغر
کھا گیا غیرتِ انساں کو سنہری خنجر ۔۔۔ فکر ٹھہری جو چمکتے ہوئے دیناروں پر

غرقِ باطل ہوئے کیفیتِ حق بھول گئے
کلمہ گو اجرِ رسالت کا سبق بھول گئے

کہا جاتا ہے کہ ہر تاریکی کا انجام سفید ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب مسلم معاشرہ ظلم و جور سے بھر گیا تو ایسے عالم میں خاندانِ رسالتؐ میں حضرت امام علی نقی جلوہ گر ہوئے۔ وہ اپنے اسلاف کی جملہ صلاحیتوں سے مالا مال تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ پھر دینِ اسلام کے حقیقی تصورات بحال کرنے کی کاوشیں شروع کیں۔ اس عہد کے متوکل کو یہ بات پسند نہ آئی

لہٰذا اس خصلت نے امام نقی علیہ السلام کو سامرہ کے قید خانے میں ڈلوا دیا۔ متوکل بادشاہ نے کربلا میں گنجِ شہیداں پر ہل چلوائے اور زراعت کے لیے اس زمین پر نہر بنوا دی۔ امام علی نقی پر قید خانے میں طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ یہاں تک کہ صبر و جرأت کا یہ بے مثال مجاہد اور وحدت کا پرستار شہید ہو گیا۔

صبح آئی تو لرزتے ہوئے سورج نے کہا   کھل گیا اب درِ زنداں وہ مسافر نکلا
کون کہتا ہے چھپی آلِ محمدؐ کی ضیا   حشر تک پردۂ فطرت سے یہ آئے گی صدا

جراتِ حق ہو تو ہر ذہن پہ چھا سکتا ہے
ایک انسان زمانے کو ہلا سکتا ہے

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

ظلمتِ شام کی خونخوار ستمگر آندھی   ارضِ بغداد کے محلوں میں جنم لینے لگی
بربریت کے سمندر میں نئی لہر اُٹھی   کفرِ نمرود کی مانند حکومت اُبھری

آ گیا دورِ تشدد نئے احساس کے ساتھ
ظلم رقصاں ہوا سازِ بنی عباس کے ساتھ

نشۂ زر میں اُچھالے گئے زریں ساغر   چھا گیا ذہنِ ریاست پہ شرابی منظر
فکر ٹھہری جو چمکتے ہوئے دیناروں پر   کھا گیا غیرتِ انساں کو سنہرا خنجر

غرقِ باطل ہوئے کیفیتِ حق بھول گئے
کلمہ گو اجرِ رسالتؐ کا سبق بھول گئے

حکمران تن پہ سجائے ہوئے پوشاکِ غرور   پوری قوت سے مٹانے لگے توحید کا نور
طاقِ نسیاں جو ہوا دینِ خدا کا دستور   آمریت کا ہدف بن گیا حقِّ جمہور

شدتِ جبر ہر اک فکر کا منہ موڑ گئی
جو بھی آواز اٹھی راہ میں دم توڑ گئی

نغمہ و رقص کا ماحول کنیزوں کا شباب　　یا مجسم تھی حیا سوز فسانوں کی کتاب
ساز کی مست فضاؤں میں تقاضائے شراب　　جس طرح خواب میں تعبیر ہو تعبیر میں خواب

کون سا ذہن تعیش کا پرستار نہ تھا
الف لیلیٰ کا پرستان تھا دربار نہ تھا

اہلِ دربار کو خوشنودیٔ حاکم کا خیال　　جیسے تکمیل پہ تہذیب فروشی کی مثال
کشتِ دنیا کیلئے جنتِ عقبیٰ پامال　　عزتِ نفس کا نیلام، شرافت کا زوال

منہ سے حق بات ادا کرنے کی جرأت نہ رہی
بے حسی رہ گئی ایمان کی قوت نہ رہی

۱۵۔ معراجِ بشر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معراجِ بشر'' ۱۹۶۵ء میں تخلیق ہو کر پہلی مرتبہ ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوا اور بعد میں ان کے مجموعہ مراثی ''عظیم مرثیے'' کی زینت بنا۔ ستر بندوں کے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے اسلام کے رکن نماز کی فضیلت و اہمیت اور اس کے تحفظ کے لیے اہلبیتؑ عظام کی بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا ہے۔ (۱)

اسلام میں نماز کو دین کا ستون اور مومن کی معراج قرار دیا گیا ہے یہی سبب ہے کہ روزِ حشر سب سے پہلے نماز کے بارے میں استفسار کیا جائے گا اور جس کی نماز قبول ہوگی اس کے دیگر اعمال کے ردو قبول پر گفتگو ہوگی۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ نماز سے بشریت کو عروج حاصل ہوتا ہے اور نماز عبد و معبود کے درمیان زینے کا کام دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس بے قرار دنیا میں سکونِ قلب کا متمنی ہے تو نماز سے بہتر کوئی عبادت نہیں ہے۔ نماز صنم پرست ارادوں کو توڑتی، اہلِ تغافل کے مزاج کو جھنجھوڑتی، سفال شرک کا ہر ظرف

---

(۱)　(i) قیصر بارہوی　معراجِ بشر　لاہور : امداد اکیڈمی، ۱۹۷۵ء
(i) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(iii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

پھوڑتی اور برائیوں کی کلائی مروڑتی ہے۔ نماز گرفتۂ غم دنیا کی چارہ گر، مشکلات زمانہ سے نکالنے والی چارہ گر، شکستہ پر کے لیے وجہ بال و پر اور عرش و فرش کو ملانے والی راہگور ہے بقول قیصر بارہوی۔

نماز نفس کی عزت ہے اولیا کی قسم
نماز دین کی حرمت ہے اوصیا کی قسم
نماز حسنِ شریعت ہے انبیا کی قسم
نماز قصۂ وحدت ہے کبریا کی قسم
یہ امر ڈوبتے سورج کو کھینچ لاتا ہے
نماز ہو تو گیا وقت ہاتھ آتا ہے

اس دنیا میں کچھ ایسے نفوس بھی گزرے ہیں جنھوں نے قیام و استحکام نماز کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ حضور اکرمؐ اور ان کے جلیل القدر اصحاب کبارؓ نے قیامِ نماز کے لیے بے پناہ جدوجہد کی اور خانوادۂ رسولؐ نے استحکام نماز کے لیے اپنی جانیں بھی قربان کر دیں۔ حضرت فاطمہؑ نے فاقوں میں نماز ادا کی اور حضرت علیؑ نے تو نماز پڑھتے ہوئے حالتِ سجدہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ اسی طرح کربلا کے میدان میں شبیہِ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی دلنشیں آواز آج بھی دل والوں کے لیے سوز و گداز کا سبب ہے۔ استحکام نماز کے لیے امام حسینؑ اور ان کے جانباز سپاہیوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں اور نماز کی حرمت کو بچا لیا۔ بقول قیصر بارہوی ۔

وہ ضربِ شمرِ لعیں اور وہ اختتامِ نماز
قضا کی تیز ہوا اور چراغِ ناز و نیاز
خموش ہو گیا جس دم خدا کی حمد کا ساز
دلِ نبیؐ کی طرح ہل گئی زمینِ حجاز
عجب ادا سے نمازی نماز پڑھ کے گیا
بہن کے سامنے نوکِ سناں پہ چڑھ کے گیا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

صنم پرست ارادوں کو توڑتی ہے نماز
مزاجِ اہلِ تغافل جھنجھوڑتی ہے نماز
سفالِ شرک کا ہر ظرف پھوڑتی ہے نماز
برائیوں کی کلائی مروڑتی ہے نماز

نماز قیمتِ انساں کو تول دیتی ہے
بندھے ہوں ہاتھ کسی کے تو کھول دیتی ہے

نماز ہی نے خرد کو دیئے پر پرواز | نماز ہی نے پریشاں کئے نقوشِ مجاز
نماز ہی نے بتائے اصولِ ناز و نیاز | نماز ہی نے ڈبوئے منافقت کے جہاز

جسے سمجھتے ہیں عارف یہی وہ خوشبو ہے
نماز اصل میں اعمال کی ترازو ہے

نگاہِ اہلِ مروّت کا نور کیا ہے؟ نماز | وفا شناس دلوں کا سرور کیا ہے؟ نماز
خود آگہی کی شرابِ طہور کیا ہے؟ نماز | بنامِ عشق متاعِ شعور کیا ہے؟ نماز

معاشرے میں یہ اصلاح کا طریقہ ہے
جو زندگی کو سنوارے یہ وہ سلیقہ ہے

شعورِ عشق و تقاضائے دلبری ہے نماز | خودی کو ناز ہے جس پر وہ بے خودی ہے نماز
زبانِ رُشد و ہدایت کی چاشنی ہے نماز | عمل کی جان ہے ایماں کی پختگی ہے نماز

وہ بدنصیب جو اس جام سے قریب نہیں
خمارِ بادۂ کوثر اُسے نصیب نہیں

خدا کے قہر و غضب سے ڈرا رہی ہے نماز | خدا کے لطف و کرم سے ملا رہی ہے نماز
گروہِ شر سے مسلسل بچا رہی ہے نماز | نشانِ اہلِ خدا کا دکھا رہی ہے نماز

پیمبریؐ کے اصولوں کی داستان کہیے
نماز ہے جسے دستورِ کارواں کہیے

۱۶۔ معصومۂ کربلا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''معصومۂ کربلا'' ۱۹۷۰ء میں معرضِ تخلیق میں آیا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں طبع ہوا۔ ستّر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت زینبؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن اور شہادت امام حسینؑ کے بعد آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا

اظہار اور مصائب کا دردناک بیان ہے۔(۱)

کربلا کے میدان میں حضرت امام حسینؑ نے حق کی سربلندی کے لیے اپنی اور اپنے جانثاروں کی زندگیاں تو قربان کر دیں مگر ظلم و تمرد کے سامنے سر نہ جھکایا۔ اس لق و دق صحرا میں امام عالی مقام کی یہ بے مثال قربانی صدا بصحرا ہو جاتی اگر زینب سلام اللہ علیہا مقاصدِ شہادت امام مظلوم اُجاگر نہ کرتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صحرا کے اس واقعہ کو قلوب انسانی تک پہنچانے کا تمام تر اعزاز حضرت زینبؑ کو حاصل ہے۔ قیصر بارہوی اس رمز سے آشنا ہیں لہٰذا وہ اپنے اس مرثیے کا آغاز ہی اسی موقف سے کرتے ہیں۔

زینبؑ کا تذکرہ ہے صدائے حسینیتؑ   زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ
زینبؑ کی محنتیں ہیں برائے حسینیتؑ   ہو کیوں نہ سربلند لوائے حسینیتؑ

طوفان سے بچا کے حسینیؑ چراغ کو
زینبؑ نے روح دی ہے محمدؐ کے باغ کو

حضرت زینبؑ اس امر سے بخوبی آگاہ تھیں کہ یزیدی اور استعماری قوتوں کی خواہش ہے کہ اب وہ شہادت امام مظلومؑ پر پردہ ڈالیں اور انہیں محض ایک ''باغی'' کہہ کر تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں لیکن حضرت زینبؑ نے انتہائی ہمت و جرأت اور استقلال سے یزید کے پیکرِ ستم پاش پاش کیے اور دین کو ترچھی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال لیں۔ حضرت زینبؑ بے بسی و بے کسی کا مظہر تو بن گئیں اور رسن بستہ ہو کر درباروں اور بازاروں میں تو چلی گئیں لیکن انہوں نے چراغ شریعتِ نہ بجھنے دیا۔ انہوں نے اپنے جرأت آموز اور ولولہ انگیز خطبوں سے مقاصدِ حسینؑ کی تشہیر کی اور دردمندوں پر یہ حقیقت آشکار کی کہ امام عالی مقامؑ نے حق اور سچ کی سربلندی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کی ہے۔ انہوں نے اپنی تیغ زبان سے دشمنوں کے ہر وار کو کاٹ کر رکھ دیا۔

---

(۱) (i) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی   عظیم مرثیے   لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

لہجہ ملا جو ضیغمِ پروردگار کا
لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

قیصر بارہوی نے حضرت زینبؑ کے مصائب انتہائی درد انگیز پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ حضرت زینبؑ نے آغاز تا انتہا جو مصائب برداشت کیے ان کا بیان لفظوں پر ممکن نہیں لیکن یہ بات بہرحال طے ہے کہ کربلا کے واقعہ میں جتنا کردار امام حسینؑ کا ہے اتنا ہی حضرتِ زینبؑ کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آغاز امام حسینؑ نے کیا اور انتہا حضرت زینبؑ نے کی۔ مصائب کا ایک بند ملاحظہ فرمائے۔

آنکھوں میں اب نہ اشک نہ چہرے پہ کچھ ملال — اب زندگی تھی مقصدِ شبیرؑ کا خیال
خاموشیوں کی تیغ سے کاٹے ستم کے جال — ظلمت کا دم نکل گیا بکھرے جو سر کے بال
اک اک عمل تھا حق کی بھلائی کے واسطے
بازو بندھے تھے عقدہ کشائی کے واسطے

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

سنیے تو ڈوبتے ہوئے سورج کی گفتگو — زینبؑ ہے کاروانِ قیادت کی آبرو
کہہ دے گا خود حسینؑ کے ہر زخم کا لہو — زینبؑ کے دم قدم سے امامت ہے سرخرو
عاشور کے جلے ہوئے گھر کا بیان ہے
زینبؑ کے آنسوؤں سے رسالت کی شان ہے

وہ کوفہ و دمشق کی گلیاں وہ بام و در — اب تک زبانِ حال سے کہتے ہیں چیخ کر
خطبوں کا لفظ لفظ لکھا ہے فضاؤں پر — زینبؑ کا انقلاب ہے بیداریِ بشر
اسلام کیا ہے غم کے اُجالوں سے لکھ گئی
دربار میں کھلے ہوئے بالوں سے لکھ گئی

فرعونیت کے شیش محل کانپنے لگے — نخوت مزاج دیو اجل کانپنے لگے
نام آورانِ جنگ و جدل کانپنے لگے — زینبؑ اٹھی تو اہلِ دَوَل کانپنے لگے

لہجہ ملا جو ضیغمِ پروردگار کا
لفظ و بیاں سے کام لیا ذوالفقار کا

سفیانیت کا زہر گھلا تھا فضاؤں میں
زنجیرِ زر پڑی تھی زمانے کے پاؤں میں
لادینیت کا رنگ تھا دولت کی چھاؤں میں
انسان کی حیات چھپی تھی جفاؤں میں
شبیرؑ کی بہن نے یہ نقشہ بدل دیا
تاجِ یزید اپنے قدم سے کچل دیا

سیلابِ اقتدار نے روکا ہزار بار
دنیا نے بام و در سے کیے پتھروں کے وار
چاروں طرف تھے قہقہہ پرورِ ستم شعار
ذرّوں سے جسمِ پاک ہوا سرخ آبشار
لیکن رعونتوں کے کلیجے ہلا دیے
زینبؑ نے انقلاب کے دریا بہا دیے

۱۷۔ یوسف حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''یوسف حسینؑ'' ۱۹۷۴ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ امام حسینؑ کے جواں سال بیٹے حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و شہادت سے متعلق ہے۔(۱)

اس چہل پہل اور رونق بخش دنیا میں ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت وہ بدیہی حقیقت ہے جس سے کسی مذہب، مسلک یا مکتبۂ فکر سے تعلق رکھنے والے کو بھی انکار نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بادِ اجل ہر چیز کو تاراج کر دیتی ہے۔ انسان ہوں یا کائنات، سمندر ہوں یا محفلِ ہستی، باغ ہوں یا نقوشِ زمانہ، کلیاں ہوں یا پھول، پتیاں ہوں یا اشجار و اثمار، آبادیاں ہوں یا صحرا، ستارے ہوں یا سیارے، آفتاب ہو یا ماہتاب، لق و دق صحرا ہوں یا بے ستونوں کا آسمان، مہیب پہاڑ ہوں یا کمزور ذرّات، آب و تاب والے موتی ہوں یا کنکر پتھر، قدیم عمارات

---

(۱) (i) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(ii) قیصر بارہوی عظیم مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہوں یا جدید بام و در، آخر کار سب کو فنا ہو جانا ہے۔

جن کی رعونتوں سے لرزتی تھی زندگی ملتی نہیں زمانے کو اب ان کی خاک بھی
اک دم سے بجھ گیا وہ چراغ سکندری جو دے رہا تھا ذہن ارسطو کی روشنی
سب اُٹھ گئے جلالت و حکمت لیے ہوئے
آئینہ رہ گیا رُخِ حیرت لیے ہوئے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس فنا پذیر کائنات اور ارض بے ثبات میں اگر چہ ہر چیز کو فنا ہے لیکن جو لوگ اپنے دل میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت رکھتے ہیں انہیں فنا چھو بھی نہیں سکتی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں موت کو شکست دے کر حیاتِ ابدی حاصل کر لی ہے۔ اسی طرح حضرت علی اکبرؑ کو بھی حیاتِ دوام حاصل ہے کہ انہوں نے کربلا کے میدان میں اپنے لہو سے موت کی ترشی کو شیریں بنا دیا ہے۔ اب جس کے دل میں حضرت علی اکبرؑ کی محبت موجزن ہے وہ بھی موت کو شہد کی طرح شیریں محسوس کرتا ہے۔ کربلا کے میدان میں یوں تو ہر فرد کی قربانی عظمتوں سے ہمکنار ہوئی لیکن شبیہِ پیغمبرؐ حضرت علی اکبرؑ کی شہادت ایک عظیم سانحہ ثابت ہوئی۔ قیصر بارہوی نے حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر انتہائی دردناک انداز میں بیان کیے ہیں کہ قاری کی آنکھیں اشکبار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ دشمنانِ آلِ پیمبرؐ نے حضرت علی اکبرؑ پر بے شمار مظالم ڈھائے لیکن امام عالی مقامؑ نے انتہائی صبر و استقامت سے یہ عظیم سانحہ بھی برداشت کیا۔ قیصر بارہوی کے اس مرثیے کا ایک بکائی بند ملاحظہ فرمائیے۔

لیلیٰؑ نے ایسا لال جو دیکھا لہو میں تر پھیلا کے دونوں ہاتھ یہ لائی زبان پر
یہ کیسی نیند ہے مرے کڑیل جواں پسر مہندی رچا کے ہاتھوں میں سوتے ہو بے خبر
مقتل کے سرخ پھولوں کا سہرا سجے ہوئے
آئے ہو ماں کے سامنے دولہا بنے ہوئے

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

ہر نکتہ داں فنا ہے تو ہر نکتہ رس فنا
ہر گنبد نظر کے سنہری کلس فنا
دنیا کے تحت و فوق فنا پیش و پس فنا
چلا رہا ہے ساز نفس ہر نفس فنا
انجام سے الگ ہے تو آغاز ہی نہیں
ٹھہرے نہ جو کہیں پہ وہ آواز ہی نہیں

تاریخ کے ورق پہ حسیں سرخیاں پڑھو
قدرت ہے جن کا نام وہ دلچسپیاں پڑھو
کیا ہیں حیات و موت کی رنگینیاں پڑھو
آنکھوں سے دھوپ چھاؤں کی سرگوشیاں پڑھو
کیا وقت کے شجر پہ مشیت کی بیل ہے
دنیا نہیں ہے آنکھ مچولی کا کھیل ہے

دنیا سے کہہ رہی ہے یہ صحراؤں کی زباں
گزرے ہیں بے شمار زمانے کے کارواں
وہ کارواں تلاش کرے گردشِ جہاں
گردش کہے گی نام کو ملتا نہیں نشاں
جن کے قدم کی خاک بھی دنیا نہ پا سکے
وہ یوں ہوا ہوئے کہ نظر تک نہ آ سکے

موجود ہیں قدیم عمارات کے کھنڈر
کہیے جنہیں فسانۂ عبرت زمین پر
کہتی ہے انقلاب سے حیرت زدہ نظر
کل تک اسی مقام پہ دنیا تھی جلوہ گر
کیا ہو گیا کہ آج فضا اشکبار ہے
تعمیر سرنگوں ہے زمیں سوگوار ہے

آواز دے رہی ہیں زمیں دوز بستیاں
رکتی نہیں تغیر پیہم کی آندھیاں
وہ راجدھانیاں ہیں نہ وہ حکمرانیاں
کہیے جنہیں غرور کی رنگیں جوانیاں
تھے جن کے تن پہ لعل و جواہر جڑے ہوئے
دیکھے ہیں ان کے حال پہ پتھر پڑے ہوئے

۱۸۔ عرفانِ حیات

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عرفانِ حیات'' ۱۹۷۱ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی

''عظیم مرثیے'' میں شائع ہوا۔ ایک سو آٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت حُرؓ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ کر کے قیصر بارہوی نے کربلا کے میدان میں ان کی جرأت مندانہ قربانیوں پر روشنی ڈالی ہے۔(۱)

اردو مرثیے کی تاریخ میں یوں تو بے شمار شخصیات کی سیرت وکردار پر مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن حضرت حُرؓ کی شخصیت پر لکھا جانے والا ہر مرثیہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور قابلِ قدر ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ حضرت حُرؓ کی شخصیت ایک شدید کشمکش اور ذہنی اُلجھاؤ کے بعد تعمیر ہوئی اور شعرا نے اس صورتِ حال کا بے حد فائدہ اٹھایا ہے۔ اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے بھی اس صورت حال سے بعض لطیف نکات اُجاگر کیے ہیں۔

قیصر بارہوی ایک خوش فکر اور نیک فطرت انسان تھے۔ اس مرثیے کی تمہید میں انہوں نے احساس دلایا ہے کہ وہ فکر سے پیار کی تصویر بناتے ہیں' اپنی فطرت کو غم کی تہذیب سے سجاتے ہیں' دل کے سورج سے نئے پھول کھلاتے ہیں اور صحنِ تخلیق کو اُجالوں سے بساتے ہیں۔ وہ سچ اور حق کے علمبردار ہیں اور ہمیشہ اہلبیتؑ رسول سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیے :

میرے جذبات زمانے میں اخوت کا رواج　　میرے غم خوار تخیل میں ہے تقدیس مزاج
جانتا ہوں ابھی سمجھا نہیں بیمار سماج　　میرے اشکوں میں بھی ہے زخمِ تعصب کا علاج
نسخۂ وحدت افکار رقم کرتا ہوں
کربلا والے مسیحاؤں کا دم بھرتا ہوں

کربلا کے میدان میں خانوادۂ رسولؐ کی بے مثال قربانیوں کا تو ذکر ہی کیا یہاں تو امام حسینؑ کے انصار واقربا نے جو قربانیاں دی ہیں وہ لوحِ تاریخ پر جگمگا رہی ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ

---

(۱) (i) قیصر بارہوی　عرفان حیات　پندرہ روزہ ''المنتظر'' لاہور' دسمبر ۱۹۷۵ء
(ii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
(iii) قیصر بارہوی　عظیم مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

ہے کہ کربلا میں ہر فرد عزم شبیرؑ کی منہ بولتی تصویر اور سورۂ والعصر کی حقیقی تفسیر تھا۔ خاص طور پر حضرتِ حرؑ نے جس طرح امام عالی مقامؑ پر اعتماد کر کے اپنی جان قربان کی ہے وہ بھی ایک معجزہ ہے۔ شاعر نے حضرت حرؑ کی کشمکش، بے چینی اور امامؑ کے حضور حاضری کے مناظر کو بڑے دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ حضرت حرؑ نے کربلا کے میدان میں جو وغا کی ہے اس کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔ شاعر نے شہادتِ حضرتِ حرؑ کے رقت انگیز مناظر کو بھی بیان کیا ہے اور اس صورتِ حال میں امام حسینؑ کی الفت کا اظہار بھی کیا۔ آخر میں صرف ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اپنے مہمان کی میت کو لیے ہاتھوں پر　　علی اکبرؑ کی طرف دیکھ کے بولے سرورؑ
جاؤ اپنی پھوپھی اماں سے کہو نورِ نظر　　ماتمِ حرؑ میں لہو روتا ہے زہراؑ کا پسر
لاش انصار کے خیموں کی طرف لاتا ہوں
حُرؑ کا پرسہ مجھے سب دیں میں ابھی آتا ہوں

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

اُس طرف بھائی سے سلطانِ دو عالم نے کہا　　دیکھو عباسؑ وہ آتا ہے ہمارا شیدا
پیشوائی کو بڑھیں چند قدم سب رُفقا　　اپنے مہمان کو لازم ہے ہوائے طوبیٰ
جاؤ حُرؑ آتا ہے سینے سے لگاؤ بھیا
سایۂ پرچمِ توحید میں لاؤ بھیا

حکم سنتے ہیں پرا باندھ کے انصار بڑھے　　کچھ قدم آلِ محمدؐ کے طرف دار بڑھے
عونِ ذیجاہ بڑھے اکبرِؑ جرّار بڑھے　　سب سے آگے پسرِ حیدرؑ کرار بڑھے
مل گیا پرچمِ توحید کا سایا حُرؑ کو
پہلے عباسؑ نے چھاتی سے لگایا حُرؑ کو

حُرؑ کے ہاتھوں کی طرف دیکھ کے بولے عباسؑ　　ہاتھ رومال سے کیوں باندھے ہیں اے نیک اساس
اب تو جانا ہے تجھے سرورِ اسلام کے پاس　　اب نہ تقصیر ہے کوئی نہ کوئی خوف و ہراس

میں نے اُن کیلئے سینے سے لگایا ہے تجھے
میرے آقا نے محبت سے بلایا ہے تجھے

الغرض فاطمہؑ کے چاند کو دیکھا حُرؓ نے	نور پایا تو کیا شکر کا سجدہ حُرؓ نے
بہرِ تسلیم جو ہاتھوں کو اُٹھایا حُرؓ نے	پا لیا اپنے مقدر کا سویرا حُرؓ نے

پرچمِ مہر اُدھر چرخِ کہن نے کھولا
حُرؓ کے ہاتھوں کو اِدھر شاہِ زمن نے کھولا

ہاتھ کھولے تو محبت سے کہا اے بھائی	تو عجب وقت پہ مہمان ہوا اے بھائی
کیا تجھے پیش کروں آب و غذا اے بھائی	بھوکے پیاسے ہیں مرے سب رفقا اے بھائی

عالمِ رنج و مصیبت ہے بھرے گھر کے لئے
اب تو ملتا نہیں پانی علی اصغرؑ کے لئے

۱۹۔ سبطین مرتضیٰؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''سبطینِ مرتضیٰؑ'' ۱۹۷۷ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''عظیم مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ تریسٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت زینبؑ کے دو صاحبزادوں اور حضرت علیؑ کے نواسوں حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کا محاکمہ کیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں ان کی بے مثال قربانیوں کا ذکر ہے۔(۱)

حضرت زینب سلام اللہ علیہا بے شمار صفات سے مالا مال تھیں۔ حضرت فاطمہؑ کی تربیت نے انہیں عظمتوں سے ہمکنار کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ حضرت زینبؑ نبوتوں کے گلستاں' اماموں کے قلمداں' دیارِ مذہب و ایماں اور عزم و استقلالِ قرآں کی پاسبان ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کی صداقت' والدہ کی عصمت' نانا کی شریعت اور باپ کی زینت کا آئینہ ہیں۔

---

(۱)	(i) قیصر بارہوی	عظیم مرثیے	لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء
	(ii) قیصر بارہوی	عظیم مرثیے	لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

بقول قیصر بارہوی۔

زینبؑ وجودِ آلِ محمدؐ کا نام ہے
زینبؑ جہانِ حمد کی سرحد کا نام ہے
زینبؑ رسولِ پاکؐ کے مقصد کا نام ہے
تقدیرِ کاروانِ اب و جد کا نام ہے
وحدت ہے جس کی شان وہ پیغام ہی نہیں
زینبؑ نہیں تو معنیٔ اسلام ہی نہیں

حضرت عبداللہ اور بی بی زینبؑ کے دو صاحبزادے حضرت عونؑ اور حضرت محمدؑ اپنے اجداد کی سیرت کا آئینہ تھے۔ وہ انتہائی مہذب' نیک سیرت' نیک خصلت اور دین اسلام سے بے پناہ محبت کرنے والے تھے۔ اُن کے والد ماجد اور والدہ نے انہیں ہمیشہ یہ تلقین کی تھی کہ حق و صداقت کی خاطر جان دینا آلِ محمدؐ کا شعار ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان بچوں نے کربلا میں حق کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ قیصر بارہوی نے ان بچوں کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

باغچۂ شرف کے ثمر تھے وہ دونوں لال
عصمت کے بے مثال گہر تھے وہ دونوں لال
ماں باپ کی دعا کا اثر تھے وہ دونوں لال
عظمت کی شاخ پر وہ گلِ تر تھے دونوں لال
عبداللہ اپنے پھولوں سے باغ و بہار تھے
زینبؑ کے لال رحمتِ پروردگار تھے

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں حضراتِ عونؑ و محمدؑ کی میدانِ جنگ میں روانگی سے قبل ان کی والدہ سے ہونے والی گفتگو انتہائی دردناک انداز میں نظم کی ہے۔ حضرات عونؑ و محمدؑ میدان جنگ میں پہنچے تو دشمنوں نے ان پر بھرپور حملہ کر دیا۔ ان دونوں بچوں نے اتنی شدت سے حملہ کیا کہ دشمنانِ دین کو حمزہؑ' جعفرؑ اور حیدرؑ کی جنگ یاد آ گئی۔ آخر کار تمام فوج نے مل کر ان بچوں پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ جب ان بچوں کی لاشیں خیمے میں آئیں تو ایک کہرام مچ گیا۔ قیصر بارہوی نے ان غم انگیز اور دردناک مناظر کی تصویر کشی بڑے الم ناک پیرائے میں کی ہے۔ آپ بھی صرف ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

کرتی ہے ناز تم پہ وفا میرے لاڈلو　　تم نے پیا ہے جامِ بقا میرے لاڈلو
ماں سرخرو ہے شکرِ خدا میرے لاڈلو　　لو میں نے دودھ بخش دیا میرے لاڈلو
کچھ غم نہیں جو ماں کا جگر داغ داغ ہے
اب زندگی تمہارے لہو کا چراغ ہے

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

مقتل کی لازوال کہانی میں دیکھیے　　ارض و سما کی اشک فشانی میں دیکھیے
دریائے تشنگی کی روانی میں دیکھیے　　تصویرِ غم فرات کے پانی میں دیکھیے
غربت میں صبر و شکر مقدر کیے ہوئے
زینبؑ کھڑی ہیں پھول سے لاشے لیے ہوئے

بھولے گا کون عونؑ و محمدؑ سے نور عین　　انسانیت کی جاں حرّیت کی زیب و زین
تقدیس کے چراغ شرافت کے نیّرین　　کہیے جنہیں بغیرِ امامت حسنؑ حسینؑ
دینِ خدا کی نصرتِ اکمل کے واسطے
زینبؑ نے جن کو پالا تھا مقتل کے واسطے

عصمت کے بے مثال گہر تھے وہ دونوں لال　　باغیچۂ شرف کے ثمر تھے وہ دونوں لال
عظمت کی شاخ پر گلِ تر تھے وہ دونوں لال　　ماں باپ کی دعا کا اثر تھے وہ دونوں لال
عبداللہ اپنے پھولوں سے باغ و بہار تھے
زینبؑ کے لال رحمتِ پروردگار تھے

دونوں کے قد شباب کے آغاز کی طرح　　دونوں کے دل متاعِ جہاں ساز کی طرح
دونوں کی بات آیتِ اعجاز کی طرح　　دونوں کی شان قاسمِؑ جانباز کی طرح
خوشبوئے بوستانِ الفؔ لامؔ میم تھے
دونوں حسنؑ کے پیار میں خلقِ عظیم تھے

جوشِ وغا میں حمزہؑ و جعفرؑ کی پیروی
جرأت کے ہر مقام پہ حیدرؑ کی پیروی
چہروں کے نور میں علی اکبرؑ کی پیروی
ماموں پہ جان دینے کو مادر کی پیروی
آنکھوں میں یوں پدر کی وصیت لئے ہوئے
جیسے حسینؑ شوقِ شہادت لئے ہوئے

۲۰۔ آشوبِ عصر

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''آشوبِ عصر'' ۱۹۸۷ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں معاشرے کی ابتر صورتِ حال پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے امام حسینؑ کی خدمات اُجاگر کی گئی ہیں۔(۱)

عصرِ حاضر میں ہر انسان پریشان حال اور مضطرب ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں اور خوف و ابتلا کی فضا نے انسان کو غیر یقینی صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے۔ خاص طور پر بڑھتی ہوئی اخلاقی گراوٹ نے معاشرے کو تہذیبی سطح پر بدحال کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دہشت گردیوں اور خودکش حملوں نے ہر انسان کو ذہنی اور نفسیاتی طور پر مفلوج کر دیا ہے۔ ایک زمانے میں شہر کی ابتر صورتِ حال کو دیکھ کر شعرا شہرِ آشوب کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے لیکن ایک گلوبل ولیج میں رہتے ہوئے قیصر بارہوی کے اس مرثیے کو ملک آشوب بلکہ دنیا آشوب کہنا زیادہ مناسب ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ پوری دنیا میں ظلمتیں پھل پھول رہی ہیں، بستیاں آگ اُگل رہی ہیں، بجلیاں اپنا رنگ بدل رہی ہیں اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ پوری دنیا میں انسانی خون دھوئیں کی طرح اگلا جا رہا ہے۔ آپ ان کا ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر
جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر
بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دُختر

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

پاس مذہب نہیں' غیرت نہیں' ایمان نہیں

ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

قیصر بارہوی کا موقف ہے کہ عصرِ حاضر میں ہر شخص کا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ اخبارات' جرائد اور فلاحی تنظیمیں اپنے اپنے مفادات کی اسیر ہو چکی ہیں۔ ذاتی مفادات کے لیے ہر چیز کو جائز قرار دینا عصرِ حاضر میں ہر شخص ہر ملک اور ہر ادارے کا حق ہو چکا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اگر ہم دنیا میں امن و امان قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں حق کے علمبرداروں سے تعلق خاطر قائم کرنا پڑے گا۔ شاعر یقین دلاتا ہے کہ اگر ہم آج بھی کربلا کے اسباق یاد کر لیں تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے گی۔ بقول قیصر بارہوی :

لوگ سمجھے ہی نہیں کیا ہے تقاضائے شعور　　　اہلِ دنیا سے ابھی دور ہے دنیائے شعور

ان کی آنکھوں میں کہاں جلوۂ صہبائے شعور　　　جو اندھیروں کو سمجھتے ہیں تجلائے شعور

داغِ ظلمت ورقِ دل سے مٹائے تو سہی

کربلا نور فشاں ہے کوئی آئے تو سہی

قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ اگر ہمیں صحنِ آفاق میں امن کی جلوہ گری کرنا ہے تو ہمیں حسینؑ مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے اور کربلا کے شہیدوں کے اسوۂ حسنہ کو اپنانا چاہیے۔ کربلا کے میدان میں امام عالی مقامؑ نے ظلم و تمرد کے خلاف اپنے انصار' اقربا اور عزیز و اقارب تو قربان کر دیے لیکن لوحِ تاریخ پر یہ بات رقم کر دی کہ اگر دنیا تہذیب و تمدن کے گلستان کو شاداب دیکھنا چاہتی ہے تو اسے قربانیٔ حیات کا سہارا لینا پڑے گا۔ شاعر نے امام کی بے مثال قربانیوں کو انتہائی دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

کیا تعجب ہے یہ کہتے ہوں تڑپ کر سجادؑ　　　آج تو سب سے زیادہ ہے چچا جان کی یاد

وہ اگر ہوتے تو ممکن نہ تھی ہم پر بے داد　　　چپ رہو جانِ اخی کون سنے گا فریاد

اب کوئی گھر' کوئی تکیہ' نہ بچھونا ہو گا

آج سے میری بہن خاک پہ سونا ہو گا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

امن کے نام پہ دنیا میں ادارے ہیں بہت
بے سہاروں کو جو لوٹیں وہ سہارے ہیں بہت
ربط دریا سے نہیں اور کنارے ہیں بہت
جو سُلاتے ہیں مقدر وہ ستارے ہیں بہت
کیا کہے روشنی اس شیوۂ خدمت کے لئے
آندھیاں لائے، چراغوں کی حفاظت کے لئے

کیا کہوں عالم، احساس کی رُسوائی پر
جھوٹ کا رنگ چڑھایا گیا سچائی پر
کیوں نہ حیرت ہو اِس اندازِ مسیحائی پر
جان دیتے ہیں اندھیروں کی توانائی پر
شوقِ ایجاد ہے انساں کی ہلاکت کے لئے
دولتِ علم لٹاتے ہیں جہالت کے لئے

بحرِ ایجاد میں اس درجہ بڑھی طغیانی
جس کی ہیبت سے سمندر ہوئے پانی پانی
موج در موج یہ نقشِ قدمِ انسانی
ایسی دانائی سے کیوں پھوٹ پڑی نادانی
خوب ایوانِ خیالات کو آباد کیا
ساری دُنیا کو ڈبونے کا سبق یاد کیا

قلزمِ حال سے کہتے ہیں یہ ماضی کے نشاں
زندگی بھول گئی قہرِ خدا کا طوفاں
اُف یہ تفریطِ یقیں ہائے یہ افراطِ گماں
شہرِ پیکار جو اس وقت ہیں پانی پہ رواں
لوٹتے بحرِ نبوّت کے خزینے جاتے
کشتیِ نوحؑ ڈبونے یہ سفینے جاتے

اب کہاں جلتے ہیں انصاف وعدالت کے چراغ
اب تو فاسد کی حمایت میں ہے دُنیا کا دماغ
دیکھ لیں اہلِ نظر چہرۂ ماحول کے داغ
کس طرح جلتا ہے تقدیسِ خیالات کا باغ
فکر کو تابعِ ایماں نہیں رہنے دیتے
لوگ ظالم کو بھی ظالم نہیں کہنے دیتے

۲۱۔ مظلومیت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''مظلومیت'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ پچھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں مظلومیت کی اہمیت و حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کربلا کے میدان میں اہلبیتؑ کی مظلومیت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔(۱)

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان ظالم سے مرعوب ہو کر حق و صداقت کی راہ چھوڑ دیتا ہے۔ ظلم سے خوفزدہ ہونے والے افراد اس راز سے بے خبر ہوتے ہیں کہ مظلومیت اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہوتی ہے اور اس کا وار اس قدر شدید ہوتا ہے کہ یہ ظالموں کی نسل کو برباد کر دیتی ہے۔ اسی لیے قیصر بارہوی نے اس مرثیے کی تمہید میں مظلومیت کو شعور کے خنجر کی دھار قرار دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ مظلومیت قرآن کا حصار، اسلام کا وقار مشیت کا اختیار اور قوتِ پروردگار ہے۔ مظلومیت وہ قوت ہے جو غم کی آنچ سے سنگِ حیات کو پگھلا کر پوری کائنات کو فتح کر لیتی ہے۔ مظلومیت وہ قوت ہے جس سے دنیا کے تخت و تاج اور استعماری قوتیں لرزہ براندام رہتی ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ مظلومیت جبر نگاہی اور رعونتِ شاہی کی موت ہے۔ بقول قیصر بارہوی :

مظلومیت دراصل خدا آشنا مزاج　　مظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مشتِ خاک ہیں دنیا کے تخت و تاج　　مظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج
ہر معرکے میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں مظلومیت اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس لق و دق صحرا میں امام حسینؑ اور ان کے جاں نثاروں نے جس یگانگت اور جوش ایمان سے ظلم برداروں کو شکست دی ہے وہ بھی تاریخ کا ایک حیرت انگیز باب ہے۔ واقعۂ کربلا کے بعد خانوادۂ رسالت پر جو ظلم و ستم ڈھایا گیا اس کی دردناک داستان دل والوں کے

---

(۱) قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

لیے باعثِ آزار ہے۔

جب دیارِ شام سے خانوادۂ رسالت باہر نکلا تو سب کے لبوں پر حضرت سکینہ کا نام تھا کہ وہ اسی قید کے دوران شہید ہو گئی تھیں۔ قیصر بارہوی نے انتہائی ملال انگیز انداز میں اہلبیتؑ کی وطن واپسی کے مناظر بیان کیے ہیں۔ خاص طور پر حضرت زینبؑ کی امام حسینؑ کے مرقد پر تشریف آوری کو شاعر نے جس المناک کیفیات سے بیان کیا ہے وہ اردو مرثیے میں اضافہ ہیں :

بھیا' کہو تو زلفِ مبارک سنوار دوں
بھیا' اگر غبار ہو رخ پر صفا کروں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں
بھیا بتاؤ اب تو میسّر ہوا سکوں
پہلو میں اب چبھے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

انسانیت کے اہلِ قلم اور ادب نواز
مظلومیت کے نور سے ہیں روشنی طراز
تاریخ سے نگاہِ بشر پر کھلا یہ راز
انسانیت اذان ہے مظلومیت نماز
اس باغ کی ہوا سے عمل کے گلاب ہیں
مظلومیت کے سائے میں لاکھ آفتاب ہیں

مظلومیت دراصل خُدا آشنا مزاج
مظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مُشتِ خاک ہیں دُنیا کے تخت و تاج
مظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج
ہر معرکے میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

مظلومیت کے آئینے میں زندگی کا رنگ
اہلِ نظر کے واسطے حق آگہی کا رنگ
مظلومیت بنامِ خدا ہے خودی کا رنگ
اس رنگ نے مٹا دیا ہر سرکشی کا رنگ
سایہ فگن جو ظلم کے ہتھیار ہو گئے
مظلومیت کی برق سے فی النار ہو گئے

مظلومیت وہ تیشۂ ایثار و حق پسند		توڑی ہے جس کی ضرب نے ہر آذری کمند
مظلومیت وہ حیدری چابک دمِ گزند		ڈرتا ہے جس سے گردشِ تقدیر کا سمند

یہ امر لازوال خرد کا نظام ہے
مظلومیت فراستِ خیرالانامؐ ہے

مظلومیت وہ درد کا سیلاب تندخو		جس نے رکھی تموّجِ قدرت کی آبرو
دیکھیں یہ طرزِ جنگ زمانے کے جنگجو		مظلومیت ہے خونِ جگر بند سے وضو

طوفاں کی روح کیپے سمندر کی موج کو
بچے بھی مسکرا کے اُلٹتے ہیں فوج کو

۲۲۔ انسان اور کربلا

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''انسان اور کربلا'' ۱۹۷۰ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں انسانیت کی تاریخ میں کربلا کی افادیت دبستانِ کربلا کے اثرات اور اہلبیتؑ کی بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

اس کائنات میں یوں تو مختلف مزاج و مذاق کے لوگ رہتے ہیں اور اپنے اپنے انداز واطوار کے مطابق زندگیاں بسر کرتے ہیں مگر انسانیت اور آدمیت کے حوالے سے ان کی بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ مثال کے طور پر سب لوگ ظلم کو ناپسند کرتے ہیں اور مظلومیت کا ساتھ دینا اپنا شعار سمجھتے ہیں۔ سچائی سب کے لیے پسندیدہ ہے اور حق و سچ کے لیے اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق ہر شخص قربانی دینا پسند کرتا ہے تاہم جو چیز انسان کو عظیم بنا کر ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے اس کا نام ''کربلا'' ہے۔

قیصر بارہوی کے نزدیک کربلا محض ایک خطۂ ارضی ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مشرق ہو یا مغرب' شمال ہو یا جنوب ہر

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

سمت سے کربلا والوں کے لیے تحسینی کلمات ادا ہو رہے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ کربلا اب ہر صاحب شعور کے دل کی دھڑکن بن چکی ہے اور ہر زمین کربلا سے فکری لحاظ سے متصل ہو چکی ہے۔

پیمانۂ مزاج بنا وسعتیں ملیں دل وضع ہو گئے تو نئی دھڑکنیں ملیں
مرکز ملا شعور کی ساری رگیں ملیں سمٹے تمام فاصلے سب سرحدیں ملیں
ہر بزم ایک زلف خرد کی اسیر ہے
ہر ملک کربلا کی زمیں کا سفیر ہے

کہا جاتا ہے کہ تخلیق کار معاشرے کا سب سے حساس طبقہ ہوتا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی قلم اور قلم کار زندہ اور پائندہ ہے جس کی تحریر کی اساس کربلا ہے یعنی بقائے اہل سخن کربلا سے ہے۔ تمام شعرا اور نثر نگاروں نے حق کی سربلندی کے لیے کربلا کو استعارہ بنایا ہے اور اب دنیا کے ہر ادب اور زبان پر حسینؑ کا قبضہ دکھائی دیتا ہے۔ بقول قیصر بارہوی :

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب اس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
دیکھو تو سلسلہ ادب مشرقین کا
دنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ آج ساری دنیا میں کربلا کا ذکر اس لیے ہو رہا ہے کہ امام حسینؑ نے انسانیت اور آدمیت کی سربلندی کے لیے اپنی جان قربان کی تھی۔ اسی طرح کربلا میں انصار و اقربائے حسینؑ نے اسلام کی سربلندی اور خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کر کے اہل دنیا پر یہ راز آشکار کر دیا تھا کہ اب کربلا ظلم و تمرّد کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار ہے اور جہاں انسانیت اور آدمیت پر حرف آئے گا وہاں کربلا اور کربلا والوں سے محبت کرنے والے مزاحمت کریں گے۔ قیصر بارہوی نے آخری بندوں میں امام حسینؑ کی

جرأت آفریں شہادت کو پیش کر کے اہلبیتؑ کے دردناک بین بیان کیے ہیں۔ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی ربابؑ
مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہؑ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب
زینبؑ کہاں ہو دیکھ لو نیزے پہ آفتاب
بستی اُجڑ گئی ہے مقدر اُلٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

کہنا پڑے گا حق ہے دبستانِ کربلا
وحدت کی معرفت ہے بہ عرفانِ کربلا
کہنا پڑے گا دین ہے میزانِ کربلا
زندہ ہے ہر کتاب بہ عنوانِ کربلا
اہلِ نظر سمجھتے ہیں اس نفسیات کو
روشن کیا حسینؑ نے انساں کی ذات کو

تاریخِ کارنامۂ انساں نہ بھولیے
دل ہے تو خونِ دل کا چراغاں نہ بھولیے
بالیدگیِ روح کا ساماں نہ بھولیے
بے مثل داستاں ہو تو عنواں نہ بھولیے
اس شیوۂ ادب سے ادب زندہ باد ہے
انسان ہے وہی جسے انسان یاد ہے

انساں شناس آنکھ ہے بینائیوں کا شہر
آباد ہے یہ شہر تو خنداں ہے باغِ دہر
کہتی ہے باغِ دہر میں فکر و نظر کی لہر
کردار کی اجل ہے فراموشیوں کا زہر
گلشن میں جو اسیرِ گلِ تر نہیں ہوا
وہ غربتِ شعور سے باہر نہیں ہوا

کیوں غربتِ شعور میں قیدی رہے بشر
کیوں تقیدِ شوق کے لئے مفلس بنے نظر
کیوں نقش ہو نہ بات طبیعت کی لوح پر
لاتا ہے رنگ پھول کی مہکار کا اثر
سیرِ چمن ہو، ذکر نہ آئے گلاب کا
یہ غفلتِ نظر ہے اندھیرا عذاب کا

اس غفلتِ نظر سے اگر اجتناب ہو
گلزار زندگی پہ مکمل شباب ہو
ماضی کی ایک ایک روش کا حساب ہو
ہر آنکھ میں گلاب بقدرِ گلاب ہو
رسوائیِ نظر پہ مسلط خزاں رہے
ذہنوں پہ کربلا کی ہوا گلفشاں رہے

۲۳۔ علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؑ

قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ ۱۹۸۰ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعہ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ اردو مرثیے کی تاریخ میں یہ پہلا مرثیہ ہے جس میں نوے بندوں میں علم غیب کی اہمیت' فضیلت اور محمدؐ و آلِ محمدؑ کی علم غیب پر دسترس کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔ (۱)

اللہ تعالیٰ نے دیگر علوم کی طرح علم غیب بھی خلق کیا۔ دیگر علوم کی طرح یہ علم بھی مخلوق کے لیے تخلیق کیا گیا تھا لیکن کم فہموں نے اسے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص کر کے بعض اشتباہات پیدا کر دیے۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں انتہائی دانائی کے ساتھ مدلل انداز میں علمِ غیب کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا موقف یہ ہے کہ آسیب زمانہ کے بھیانک خدوخال میں اگر انسان کو قوتِ غیب حاصل نہ ہو تو اس کا جینا محال ہو جائے۔ ان کے خیال میں کائنات کی ہر چیز میں حاضر و غائب کے مسائل واضح کیے گئے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ بظاہر بے ربط نظر آنے والی لکیروں میں عام انسانوں کے لیے تو مفہوم غائب ہوتا ہے لیکن ایک مصور اس کے غائب معنی کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جس طرح ذہن میں آنے سے پہلے ایک خیال متحرک ہوتا ہے جسے عام فہم نگاہیں نہیں پڑھ سکتیں اسی طرح غائب ہونے والی کیفیات بھی دانا و بینا پر منکشف ہوتی ہیں۔ ان کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

غیب اک منزل نادیدہ اک انجام سفر
غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اک پس منظر
غیب زخموں کے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر
غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لیے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لیے

قیصر بارہوی کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کا خالق ہے لہٰذا اس کے لیے غیب کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیب کا تمام علم اپنے محبوب حضرت محمد مصطفےٰؐ کو بخش دیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر خلد و سقر کے مناظر بیان کرتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے مضبوط دلائل اور قرآنی واقعات سے ثابت کیا ہے کہ علم غیب اللہ کے نمائندوں کے لیے ہے اور اس کے سب سے بڑے نمائندے حضرت محمدؐ ہیں جو تمام علوم کا سرچشمہ ہیں۔ اسی طرح حضرت محمدؐ نے آلِ محمدؐ کو بھی یہ علم غیب عطا فرما دیا۔ خاص طور پر حضرت علیؑ کے دعویٔ سلونی نے غیب کے تمام اسرار و رموز واضح کر دیے ہیں۔

طالب حق ہے جو انساں تو در در نہ پھرے
مسجد کوفہ میں اک منفرد آواز سنے
ایک دعویٰ سرِ منبر ہے زمانہ دیکھے
مثلِ آئینہ ہیں آنکھوں میں سماوی رستے
ماہ و خورشید سرِ موجِ نظر بہتے ہیں
عالم غیب کے رہبر کو علیؑ کہتے ہیں

حضرت علیؑ کی طرح حضورؐ کے خانوادے کے تمام افراد کو علم غیب سے متصف کیا گیا تھا۔ تاہم ہر فرد نے شریعت کے دائرے میں رہ کر اس علم کے اسرار و رموز منکشف کیے ہیں۔ یہ حضرت امام حسینؑ کی غیبی قدرت تھی کہ انہوں نے کربلا کے معنی و مفہوم کو قبل از وقت اخذ کر لیا اور اس میدان میں اپنا سب کچھ قربان کر کے اللہ کا دین اور محمدؐ کا کلمہ بچا لیا۔ قیصر بارہوی نے چشمِ تصور اور علم غیب کی مدد سے واقعات کربلا کی اتنی دلکش منظر کشی کی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ آخر میں ایک حزنیہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

جانبِ دشت بڑے غور سے دیکھا شہؑ نے
کسی منزل پہ نشاں تیغ سے کھینچا شہؑ نے
کبھی اشکوں سے کسی خاک کو چوما شہؑ نے
کہیں کانٹا نظر آیا تو اٹھایا شہؑ نے
برچھیاں آنکھوں میں لہرا گئیں پہلو دیکھے
اپنا سینہ کبھی دیکھا، کبھی بازو دیکھے

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

غیب کیا چیز ہے کچھ اس کی وضاحت کردوں — اک حقیقت ہے جسے تشنۂ اظہار کہوں
ذہن میں آنے سے پہلے متحرک مضمون — اک عبارت پسِ پردہ ہے جسے پڑھ نہ سکوں
بات آسان ہوئی حُسنِ تصرّف کے لئے
غیب وہ خواب جو تعبیر ہے یوسف کے لئے

غیب اک منزلِ نادیدہ، اک انجامِ سفر — غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اک پس منظر
غیب زخموں سے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر — غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر
کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لئے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لئے

اصل میں غیب کی آواز ہے آوازِ شہود — غیب دامانِ عدم میں ہے بہ اندازِ وجود
جھومتی شاخ پہ یہ جھولتے پھولوں کی نمود — بزمِ ادراک میں ہے غیب کی صہبائے درود
چشمِ ساغر میں تماشہ گہہ جبریلؑ بھی ہے
غیب انسان کے ایمان کی تکمیل بھی ہے

یہ تخیل بھی مجھے غیب کے معنی سے ملا — غیب کی بادِ بہاری ہے گلستاں کی ہوا
آسماں سر پہ جو باندھے ہے سنہری سہرا — غیب کے نور کی آفاق نے پہنی ہے قبا
بادِ نکہت جو سرِ صحنِ چمن آتی ہے
حجلۂ غیب سے معصوم دلھن آتی ہے

غیب مخلوق ہے اس میں تو نہیں کوئی کلام — یہ الگ بات کہ دنیا سے الگ ہے یہ نظام
مل گئی ذوق طلب سے خبرِ خوش انجام — اے سخنور ترے آقا نے دیا ہے یہ پیام
میرے اللہ کی قدرت میں کوئی ریب نہیں
خالقِ غیب ہے وہ، اُس کے لئے غیب نہیں

۲۴۔ کعبہ اور محافظان کعبہ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''کعبہ اور محافظان کعبہ'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ اکیاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں کعبۃ اللہ کی عظمت اور تحفظِ کعبہ کے لیے امام حسینؑ کی بے مثال قربانیوں کو پیش کیا گیا ہے۔ (۱)

اس دنیا میں بے شمار چیزیں اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے قابلِ تکریم اور لائق تعظیم ہیں ان میں کعبۃ اللہ کو خصوصی مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ کعبہ وہ پر عظمت اور جاہ و جلال سے مالا مال مقام ہے جس نے آگہی کو شعور رنگ عطا کیا اور بزمِ جہاں کو نور علیٰ نور بنا دیا ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ اس دنیا میں اگر کوئی قوم عظمت سے ہمکنار ہونا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کعبہ کی عظمت اور وقعت کا صدق دل سے اعتراف کرے کیونکہ۔

کعبہ سے آشکار ہوا روشنی کا رنگ کعبہ نے زندگی کو دیا آگہی کا رنگ
کعبہ کا پیار بن گیا پیغمبری کا رنگ کہتا ہے ہر نظر سے شعورِ خودی کا رنگ
یہ فیصلہ مطابقِ عقلِ سلیم ہے
کعبہ ہے جس کی روح وہ ملت عظیم ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی عظمتوں اور سطوتوں کا ایک زمانہ معترف ہے تاہم محمدؐ و آل محمدؐ نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ کعبہ میں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی ولادت نے ثابت کر دیا کہ خدا کو خانوادۂ رسالت سے کتنی محبت ہے۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی شبانہ روز کی محنتوں کے نتیجہ میں یہ کعبہ وجود میں آیا تھا اور تمام برگزیدہ ہستیوں نے اس کے تحفظ کے لیے قربانیاں دی تھیں مگر رسولؐ اور آل رسولؐ نے اپنی جبینوں سے کعبہ کی شانِ عبادت بڑھا دی۔ شیطانی قوتوں نے مختلف اوقات میں کعبہ کی عظمت گھٹانے کی بے شمار کوششیں کیں لیکن انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ ابلیسیت پیکرِ یزید میں اُبھری اور اس نے کعبہ کی شان و شوکت کم کرنے کے لیے اپنے ممکنہ

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

شیطانی وسائل استعمال کیے تاہم حق کے نمائندے حضرت امام حسینؑ نے تحفظ کعبہ کے لیے ایسی منصوبہ بندی کی کہ عقل انسانی حیران رہ گئی اور آج دنیا میں جو کعبہ اور اس کی شان وشوکت موجود ہے اس کا بنیادی سبب امام عالی مقام کی عظیم قربانی ہے۔ جب استعماری قوتوں نے امام حسینؑ کو کعبہ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو حسینؑ نمائندہ کعبہ نے حج کو عمرہ میں بدل کر ظالم قوتوں کو شکست فاش دے دی۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ کربلا کے میدان میں حسینؑ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے ہیں وہ سب تحفظِ کعبہ کے لیے ہیں۔ شاعر نے کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے خانوادے کی شہادت کے دلخراش مناظر دردناک اسلوب میں بیان کیے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

زینبؑ مجھے عزیز ہے کعبہ کا احترام　　لٹ جائے میرا گھر مرا کعبہ رہے مدام
لازم ہے اب تمہارے لیے ضبط کا نظام　　لکھ لو کتابِ دل پہ یہ ماں جائے کا پیام
درّے پڑیں تو یاد خدا کا طواف ہو
کعبہ پہ اب تمہاری ردا کا غلاف ہو

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

اس نقطۂ نظر کو سمجھتا ہے ہر بشر　　کعبے کا انحصار ہے وحدت کے نام پر
اے کاش آج دین و سیاست کے راہبر　　کعبے کی روشنی کو رکھیں مطمحِ نظر
درپیش اہتمامِ قیادت ہے قوم کو
کعبے کے ناخدا کی ضرورت ہے قوم کو

کعبے نے زندگی کو دیا آگہی کا رنگ　　کعبے سے آشکار ہوا روشنی کا رنگ
کہتا ہے ہر نظر سے شعورِ خودی کا رنگ　　کعبے کا پیار بن گیا پیغمبریؐ کا رنگ
یہ فیصلہ مطابقِ عقلِ سلیم ہے
کعبہ ہے جس کی روح وہ ملت عظیم ہے

کعبے کے سائے میں ہے ازل اور ابد کا نام　　کعبے کے مہر و ماہ کی رونق ہے صبح و شام
کعبہ دلِ خواص ہے، کعبہ دلِ عوام　　کعبہ ہے زندگی کے لئے مرکزی نظام
یہ شمعِ لازوال ہے بزمِ حیات میں
کعبہ نہیں تو روح نہیں کائنات میں

دل کے بغیر ذہن کی صنعت گری نہیں　　سورج نہیں تو صبح نہیں روشنی نہیں
نقطے سے دور سلسلۂ خط کشی نہیں　　کعبہ نہیں تو جلوہ گہہِ بندگی نہیں
کیا حُسنِ لاشریک ہے ناز و نیاز میں
کعبہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے نماز میں

یہ پیکرِ صد آئینہ یہ روح کا قیام　　ہر آئینے میں خون کی گردش کا اہتمام
گردش کے ساتھ ساتھ نفس در نفس نظام　　کعبے کی سمت چار طرف سجدۂ انام
وحدت کی معرفت کا مکمل پیام ہے
ہر سلسلہ تعینِ مرکز کا نام ہے

۲۵۔ بے ثباتیِ عالم

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''بے ثباتی عالم'' ۱۹۸۱ء میں معرض تخلیق میں آیا اور ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں دنیا کی بے ثباتی' ناپائیداری اور فنا پذیری کے مختلف مناظر اُجاگر کیے گئے ہیں اور کربلا والوں کی پائیدار اور لافانی ہستی کے مختلف نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ (۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ دنیا اپنی حشر سامانیوں کے باعث اہل دنیا کی آنکھوں کا تارا ہے لیکن مسافرانِ عدم اس دنیا سے اتنی خاموشی اور سکون سے روانہ ہو جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ شاعر کے خیال میں ایک پل میں اِدھر سے اُدھر چلے جانے والے رہروانِ عدم کو نہ تو اپنی جان کی پروا کرتے ہیں اور نہ مال کی۔ نہ تو انہیں اہل خانہ کی محبتوں کی پروا ہوتی ہے نہ دوستوں اور عزیز و اقربا کی نوازشوں کا خیال۔ یہ طالبانِ سفر موسم کی پروا کیے بغیر اور حالات حاضرہ سے لاتعلق ہو کر عدم کو آباد کر دیتے ہیں۔

بڑے خلیق مگر اب نگاہِ خلق نہیں　　بڑے کلیم مگر اب خموشیوں کے امیں
وہ کل کی بات' عزیزوں سے گفتگوئے حسیں　　یہ آج سب سے جدائی ہے اور خاکِ زمیں

---

(۱)　قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیت'' ۱۹۹۰ء

کہاں پہ حلقۂ اہلِ عدم نے گھیر لیا
ملا ہے کون کہ منہ دوستوں سے پھیر لیا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسافرانِ عدم دنیا کی رنگا رنگیاں چھوڑ کر اور اہلِ دنیا کو روتا دھوتا چھوڑ کر کس کی خاطر یہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں......؟؟ نیز جانے والے اپنے عزیز و اقارب کو کس کے سہارے چھوڑ کر جاتے ہیں اور ان کے غموں کے اندمال کا کیا طریقہ ہے؟ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ بندگانِ نیک نام کے غموں کا سب سے بڑا مرہم ''ذکرِ حسینؑ'' ہے اور اگر لوگ اس غم کا سہارا نہ لیں تو ان کا دم ہی نکل جائے۔ جب انسان امام حسینؑ کے دکھوں اور غموں کا احساس کرتا ہے تو اسے اپنے غم حقیر اور معمولی محسوس ہونے لگتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے ذکرِ غم حسینؑ کے فضائل اُجاگر کرتے ہوئے دردمندوں کو احساس دلایا ہے کہ جس دل میں حسینؑ مودت ہے اس کے لیے یہ دنیا کم حیثیت ہو جاتی ہے۔ شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کی میدان وغا میں آمد اور ان کی شہادت کے دردناک مناظر بیان کیے ہیں۔ آپ بھی ایک بکائیہ بند ملاحظہ فرمائیے:

حسینؑ لاش برادر پہ اس طرح پہنچے　　کہ جیسے روشنی ظلمت میں روشنی سے ملے
لہو بھرے ہوئے ہونٹوں سے چند لفظ سنے　　حضورؑ آئے ہیں اب کس طرح غلام اٹھے
بدن میں دم ہی نہیں کیسے احترام کروں
وہ میرے ہاتھ کہاں ہیں انہیں سلام کروں

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمائیے۔

عجب مقامِ تحیّر ہے موت کی وادی　　شماریات سے بالا ہے اس کی آبادی
پلٹ کے آیا نہ کوئی بھی نقشِ فریادی　　کہ جیسے مل گئی دنیا کے غم سے آزادی
یہاں ضعیفی و تاب و تواں کی قید نہیں
یہ وہ سفر ہے کہ پیرو جواں کی قید نہیں

کسے پسند نہیں ہے سکوتِ غیب کی سیر　　وہی بھلائے یہ منزل جسے ہو اپنے سے بیر
نہ کوئی اپنا ہے اپنا نہ کوئی غیر ہے غیر　　ہر ایک درد چلا ہے بھلا کے منطق طیر

کوئی بہانہ کوئی عذر چل نہیں سکتا
یہاں تو وقت بھی پہلو بدل نہیں سکتا

مسافروں سے کوئی یہ سوال بھی تو کرے   کھلیں گے کیسے یتیمی کی دھوپ میں غنچے
خدانخواستہ گھیریں جو وقت کے شعلے   وہ کون ہے جو یتیموں کو زندگی سمجھے

تسلیوں سے کلیجے بسا کے جاتے ہیں
سفر میں جاتے ہیں لیکن بتا کے جاتے ہیں

یہ کیا! گئے تو پلٹ کر سلام ہے نہ دُعا   یہ کیا! کسی سے کوئی ربط و ضبط ہی نہ رہا
عریضہ خاک لکھیں ہم نہ کچھ اتہ نہ پتا   اگر کسی سے کبھی پوچھ لیں ہنسے دنیا

کوئی بتائے یہ کیا طرزِ غمگساری ہے
یہاں تو دل کی کراہوں پہ سنگ باری ہے

ابھی طنابِ نفس میں بندھی ہوئی تھی حیات   اجل نے بند جو کھولے بدل گئے دن رات
ابھی لبوں کا تبسم تھے نقرئی لمحات   اجل نے سانس جو لی زہر بن گئے حالات

چلی ہوائے تغیر گلاب ٹوٹ گیا
تڑپ کے رہ گئیں موجیں حباب ٹوٹ گیا

۲۶۔ سیدِ مسموم

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''سیدِ مسموم'' ۱۹۷۹ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ ۸۲ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں نواسۂ رسولؐ جگر گوشۂ بتولؑ حضرت امام حسنؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی مسموم شہادت کے دلخراش مناظر اُجاگر کیے گئے ہیں۔ (۱)

یہ دنیا حق کے علمبرداروں کے لیے ہمیشہ مصیبت کا گڑھ ثابت ہوئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہاں چاند جیسے جسموں کو سبز کفن پہنا دیا جاتا ہے اور درد کی لہروں پر خوشبو کو تڑپایا جاتا

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

ہے۔نورانی پیکروں کو شفق رنگ لہو سے نہلایا جاتا ہے اور روشنی کو خون اُگلنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔شاعر کے نزدیک یہ سب کچھ محض اس لیے رونما ہوتا ہے کہ دنیا میں صاحبانِ فہم و ذکا اور انصاف کے علمبرداروں کی بے حد کمی ہے۔

سر میں سودائے ہوس ہو تو کہاں کا انصاف
گردشِ خوں سے ابھرتا ہے جفاؤں کا طواف
نشۂ زر جو بناتا ہے دلوں کا حراف
لوگ سورج پہ چڑھاتے ہیں اندھیروں کا غلاف
آدمیت کا ہر انداز بھلا دیتے ہیں
تہمتیں بولتے قرآں پہ لگا دیتے ہیں

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ جب اہلِ دنیا نے حق و انصاف کا دامن چھوڑ دیا تو بستی بستی پہ سیاست کے طلائی بادل چھا گئے اور مفاد پرستی کی ایسی ہوا چلی کہ اس نے ہر چیز کو تاراج کر دیا۔لوگوں نے ہوسِ زر میں اپنا قلم اور اپنا ضمیر تک فروخت کر دیا۔چشمِ احساس نے دیکھا کہ لوگوں نے ساغر کے لیے قران سے آنکھیں پھیر لیں اور اجر رسالت ادا کرنے کے بجائے پیغمبرؐ کے لہو کو پانی سے بھی سستا کر دیا۔یہی سبب ہے کہ کلمہ گو مسلمانوں نے دولتِ دنیا کی خاطر خانوادۂ رسالت پر وہ مظالم ڈھائے کہ رہتی دنیا تک اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ خاندانِ رسالت کے ایک چشم و چراغ حضرت امام حسن علیہ السلام بھی جنونی مسلمانوں کی بربریت کی بھینٹ چڑھ گئے۔حضرت امام حسنؑ آیت خدا، رسول کے کردار کے مظہر، منشائے رب العالمین، سرمایۂ حسنِ دارین، زہراؑ کے نور العین، سردارِ جوانانِ جناں، حضرت علیؑ کے جگر گوشے اور سرورِ کائنات کی آنکھوں کا تارا تھے۔اہلِ دنیا نے اس گوہرِ بے بدل کو بہت ستایا اور اس مکار زمانے نے سازش کر کے امام حسنؑ کو زہر پلوا دیا۔شاعر نے شہادت امام حسنؑ کے دلخراش مناظر اتنی مہارت سے بیان کیے ہیں کہ آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔آپ بھی ایک بکائیہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

گھر سے تابوت چلا قبرِ پیمبر کی طرف
جیسے دریا کی روانی ہو سمندر کی طرف
ماہِ تاباں کا سفر مہرِ منور کی طرف
جیسے پردیس سے آتا ہو کوئی گھر کی طرف

کتنا اچھا ہو گل تر کو چمن مل جائے
اس مسافر کو بھی اے کاش چمن مل جائے

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

عظمتِ فکر ہے انسان کی بالادستی
کوئی سمجھا ہی نہیں کیا ہے مفادِ ہستی
آج دنیا سے یہ کہتی ہے خرد کی بستی
کیا زمانے کی بلندی ہے تو کیسی پستی
یوں زمانے کی سیاست کا خلاصہ دیکھا
شام کے تیروں میں سورج کا کلیجہ دیکھا

اُف یہ تاریخ، حیا سوز جریدوں کی طرح
جس کی تحریر خریدے ہوئے ذہنوں کی طرح
اُف یہ الفاظ کے آئینے صلیبوں کی طرح
فردِ کردار نظر آتی ہے زخموں کی طرح
بات کہتا ہوں تو دُنیائے ادب ہلتی ہے
فکر میں دولتِ شاہی کی چمک ملتی ہے

بزمِ اسلام کی تفریق میں پھیلا گھر گھر
قریہ قریہ میں لٹاتی ہوئی دولت کا اثر
خیمۂ خیر پہ برسانے لگا تیر و تبر
بکنے والوں کی طبیعت میں پنپتا ہوا شر
دل لگایا جو ہر اک فکر نے رُسوائی سے
دیکھتی آنکھ بھی محروم تھی بینائی سے

لاشِ غیرت پہ اُٹھائی گئی دیوارِ فساد
اہلِ انصاف سے اب تک ہے قلم کی فریاد
کیوں چھپائی گئی معصوم لہو کی روداد
نور و ظلمت کی طرح دین و سیاست میں تضاد
لوگ قانونِ ادب توڑ گئے زر کے لئے
روحِ قرآں سے نظر پھیر لی ساغر کے لئے

زرد کرنوں میں ہیں نعماتِ الٰہی کے طبق
زندگی کے لئے سورج ہے توانائی حق
صبح کے نور سے ہے سارے جہاں کی رونق
کم نگاہوں نے بہر طور بھلایا یہ سبق
درسِ عبرت ہے یہ تاریخ بھی ذہنوں کے لئے
آدمی پھر گئے سورج سے اندھیروں کے لئے

۲۷۔ عرفانِ امامت

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عرفانِ امامت'' ۱۹۸۱ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیہ میں عصرِ حاضر میں انسان کی پریشاں خیالی کے اسباب کا کھوج لگایا گیا ہے اور تمام مسائل کے حل کے لیے امامت کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔(۱)

عصرِ حاضر میں انسان طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے اور مزید خرابی یہ ہے کہ وہ ایک مسئلے سے نجات حاصل کرتا ہے تو دوسرا مسئلہ اسے گھیر لیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عہدِ جدید کے انسان کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ اس کے اہداف متعین نہیں ہیں۔ وہ بے سمتی کی جانب سفر کر رہا ہے اور اس کا ہر سانس اس کے لیے زہرِ قاتل بنا ہوا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اس طرزِ احساس کے باعث انسان نے اپنی منزل گم کر دی ہے اور اس کے اندر کی بصیرت و بصارت کم ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی ہے۔

جھوٹی انا کے پردے میں ایمان چھپ گیا
لفظ و بیاں کے رنگ میں انسان چھپ گیا
تحریر خون روتی ہے عنوان چھپ گیا
خاموشیوں میں بولتا قرآن چھپ گیا
بیداریِ شعور کی دولت نہیں رہی
پڑھ لے جو وقت کو وہ بصیرت نہیں رہی

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ بصیرت و بصارت کی کمی کے باعث ذہنِ انسانی میں بغاوت کے آثار ظاہر ہونے لگے اور انسان خدا کا حریف بن گیا۔ خاص طور پر مغرب کی اندھادھند پیروی نے انسانیت کو دستِ جبہ سنگ کر دیا۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ اگر عصرِ حاضر کے انسان کو اس بے سکون معاشرے میں سکون کی تلاش ہے تو اسے ایک رہبرِ اعظم کی ضرورت ہے۔ قیصر بارہوی کے خیال میں نبوت کے خاتمے کے بعد عرفانِ امامت کے بغیر راہِ مستقیم کا پا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ امامؑ کے لیے ضروری ہے کہ وہ رسول کا مزاج

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

شناس ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ امامؑ میں وہ قائدانہ صلاحیتیں ہونا چاہئیں کہ زمین و آسمان کی مخلوقات اس پر اعتماد اور اعتبار کریں۔ شاعر کے نزدیک امامت کے سب سے زیادہ حقدار حضرت علی علیہ السلام ہیں

پوچھیں خدا کے گھر سے محمدؐ کے نام پر — تو ہی بتا کہ تاجِ امامت ہے کس کے سر
یہ زندگی ہو جس کی اطاعت میں بہرہ ور — کس ماں کا نورِ عین ہے کس باپ کا جگر
کعبہ کہے گا بنتِ اسدؑ سرفراز ہے
عمرانؑ کے پسر پہ امامت کو ناز ہے

قیصر بارہوی نے امام المتقین حضرت علیؑ کے بے شمار فضائل پر روشنی ڈالی ہے اور احساس دلایا ہے کہ خدا کی توحید اور محمدؐ کی نبوت کو بامِ عروج پر پہنچانے اور اس کے تحفظ کے لیے جان قربان کرنے والے حضرت علیؑ اور ان کے خانوادے کے افراد ہی تھے، آخر میں شاعر نے حضرت علیؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر پیش کیے ہیں اور اہلبیتؑ کے مصائب کا حال بیان کیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمائیے۔

حق آگہی کا نام رہِ مستقیم ہے — حُسنِ عمل شریعتِ عقلِ سلیم ہے
یہ فیصلہ بہ فکرِ جدید و قدیم ہے — حق جس کے ساتھ ہے وہی رہبر عظیم ہے
رہبر کی ذات جس کے لئے معتبر نہیں
اُس قافلے کے واسطے شب ہے سحر نہیں

فکر و نظر کی تیز شعاعوں کے باوجود — اہلِ نظر سمجھ نہ سکے رازِ ہست و بُود
کیا عالمِ غیوب ہے کیا منزلِ شہود — دونوں جہاں بغیر معلّمؑ ہیں بے نمود
یعنی وجود میں کوئی ایسا بشر بھی ہو
جس کو تمام شہرِ عدم کی خبر بھی ہو

بخشے جو زندگی، وہ سخن لاجواب ہے — روشن ہو جس سے دل وہ نظر آفتاب ہے
دنیا تو ہر قدم پہ ثواب و عذاب ہے — کامل ہو رہنما تو سفر کامیاب ہے

ایسا تو راہِ حق میں کوئی حق شناس ہو
فتحِ مباہلہ کی سند جس کے پاس ہو
وہ بندگی ملا جسے انسانیت کا نام وہ روشنی جو مقصدِ قرآں ہے لاکلام
وہ صبح جس کے نور سے ٹوٹا غرورِ شام وہ سلطنت کہیں جسے اللہ کا نظام
ایسے نظام کے لئے رہبر بھی چاہیے
جب شہرِ علم ہے تو کوئی در بھی چاہیے
لاریب شہرِ علم ہے ختمِ رسلؐ کی ذات محبوبِ کردگار کا صدقہ ہے کائنات
لیکن پکارتا ہے یہ گلزارِ شش جہات بعدِ رسولؐ کون ہے اسلام کی حیات
کیا ہے دلیل، ختمِ نبوّت کے واسطے
کوئی تو مستحق ہو امامت کے واسطے

۲۸۔ نمازِ دل

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نمازِ دل'' ۱۹۸۵ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں کے اس مرثیے میں شاعر نے انسانی زندگی میں دل کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور اس دل کی عظمتیں بیان کی ہیں جو محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ولا سے مالا مال ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ یوں تو اس احسن تخلیق کا ہر عضو بدن اپنی نوعیت کے اعتبار سے اہم اور قابل قدر ہے تاہم دل کی حیثیت اساسی ہے۔ شاعر کے نزدیک دل، زندگی کے چمن کی بہار، آبروئے سکون و قرار، آدمی کے نگاہوں کا پیار، محبت کا ساز اور انسانیت کی نماز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دل سمندر سے زیادہ گہرا ہے اور وہ اپنے اندر بے شمار اوصاف حمیدہ رکھتا ہے۔ دل محض عضو بدن ہی نہیں اس لفظ سے سینکڑوں محاورے وضع کیے گئے اور بقول قیصر بارہوی۔

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

تہذیب کی صدا ہے، رئیسِ ادب ہے دل آوازِ خلق ہے کہ مروّت نسب ہے دل
عقل اس کی پاسبان ہے دیوانہ کب ہے دل رشتوں کے احترام کا واحد سبب ہے دل

پھرنا اسی کا وجہِ عداوت ہے بیر ہے
دل سے ہوا جو دور، تو اپنا بھی غیر ہے

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ ہر انسان کے پیکرِ خاکی میں دل تو موجود ہے لیکن دلوں میں افضل ترین دل وہ ہے جس میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت موجزن ہوتی ہے۔ دنیا کی رونقیں، نیرنگیاں اور چہل پہل اپنی جگہ لیکن جس دل میں گلستانِ کربلا کی نکہتیں بس جاتی ہیں اسے کسی دوسری چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ اگر کوئی شخص عقبیٰ کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی بہتر بنانے کا متمنی ہے تو وہ اپنے دل کو شہدائے کربلا کی یاد سے مالا مال کرے۔
بقول شاعر۔

دل میں بسا لیے ہیں شہیدوں کے تذکرے ممکن نہیں کہ اب کسی محفل میں دل لگے
دنیا کے دل بڑھانے سے کیا خاک دل بڑھے محتاج وہ نہیں جسے زہراؑ کا لال دے

سینے میں درد رکھتا ہوں تاثیر کے لیے
دل جا نماز ہے غمِ شبیرؑ کے لیے

کربلا، حساس دلوں کے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہے۔ امام عالی مقام نے کربلا کے میدان میں اپنی تمام ہستیں جمع کر کے دل والوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ اگر دل میں خدا اور رسولؐ اور آلِ محمدؐ کی محبت ہو تو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا ہے۔ شاعر کے نزدیک کربلا کے ہر شہید نے اپنے دل پر ہر زخم جھیلا مگر اُف تک نہ کی۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ سب کے دلوں میں نورِ خدا کے چراغ جل رہے تھے۔ آخر میں شاعر نے کربلا میں اہلبیتؑ کے المناک مصائب بیان کیے ہیں۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

کہتی ہے فکر دل کا دھڑکنا نہیں فضول دل صاحبِ ملال تو کُل انجمن ملول
لیتا نہیں جو غیر کے دامن کی خاک دُھول دل ہے وہ خود شناس، حیادار، بااصول

جو اصل ہو وہ جوہرِ قابل نہ بن سکا
دُنیا نے دل بنائے مگر دل نہ بن سکا

اہلِ زباں سمجھتے ہیں یہ ندرتِ بیاں
دل ہے محاورات میں اُردو زباں کی جاں
دامانِ مرثیہ میں ہے گنجائشِ جہاں
تہذیبِ غم سے بات کے قابل ہوئی زباں
دل کربلا سے اہلِ قلم نے لگا لیا
ویرانۂ ادب کو گلستاں بنا لیا

دل کے بغیر کچھ بھی نہیں عزتِ قلم
دل کی بلندیوں سے بڑھی رفعتِ قلم
کہتی ہے آج دل کے لئے شہرتِ قلم
قرطاس کو اسی سے ملی دولتِ قلم
دل کو ہے دل سے راہ یہ سچ ہے غلط نہیں
دو دل نہ ہمکلام ہوں جس میں وہ خط نہیں

تہذیب کی صدا ہے رئیس ادب ہے دل
آوازِ خُلق ہے کہ مروت نسب ہے دل
عقل اس کی پاسبان ہے دیوانہ کب ہے دل
رشتوں کے احترام کا واحد سبب ہے دل
پھرنا اسی کا وجہِ عداوت ہے بیر ہے
دل سے ہوا جو دُور تو اپنا بھی غیر ہے

یہ بات بھی سُنی ہے بنامِ مشاہدات
جس وقت دل دُکھانے کی کرتا ہے کوئی بات
ہر لفظ یوں گذرتا ہے دل سے بقدرِ ذات
اک تیر جیسے کاٹ دے گل کی رگِ حیات
کانٹے میں ہو گلاب کی خوشبو کبھی نہیں
کم ظرف دل میں حُرمتِ احساس ہی نہیں

۲۹۔ نظامِ اسلام

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''نظامِ اسلام'' ۱۹۸۲ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مرثیوں کے مجموعے ''منفرد مرثیے'' میں طبع ہوا۔ ستاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں شاعر نے احساس

دلایا ہے کہ ایک مستحکم اور مضبوط سلطنت کے لیے اسلامی طرزِ حیات ناگزیر ہے۔(۱)

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک سب سے معتبر، ہمہ گیر اور لازوال دین اسلام ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیا نے اسی اسلام کی تبلیغ کی اور اس کے زرّیں اصولوں کی روشنی سے پورے عالم کو روشن و تاباں کر دیا۔ اسلام کا آفاقی پیغام جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں پیار و محبت کے گلستان کھلتے چلے گئے۔ اسلام نے امن و سکون اور تحفظ و سلامتی کا ایسا نظام مرتب کیا جو آج بھی اقوامِ عالم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ تاہم یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ عصرِ حاضر کے مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کی اور اسی سبب سے اب وہ اپنا عکس بھی نہیں پہچان پاتے ہیں۔ بقول شاعر ؎

نام اسلام کا اور معنیِ اسلام سے دور　　خواہش امن ہے اور دل میں زمانے کا فتور
علم کا شوق مگر پختہ جہالت پہ غرور　　ہائے یہ زندہ دلی، وائے یہ اندازِ شعور

کیا تماشا ہے کوئی فکر کی میزان نہیں
آئینہ دیکھتے ہیں عکس کی پہچان نہیں

قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ صرف اور صرف اسلام ہی دنیا کے لیے راہِ نجات ہے۔ شاعر احساس دلاتا ہے کہ ہمیں اسلام کے حقیقی پرستاروں سے تمسک رکھنا چاہیے۔ شاعر کے نزدیک اسلام کی حقیقت اور معنویت کو سمجھنے کے لیے پنجتن پاکؑ سے ربط اور مودّت بے حد ضروری ہے۔ اگر کوئی قوم اسلام کا حقیقی نفاذ چاہتی ہے تو اسے اہلبیتؑ کے اقوال و اعمال پر عمل کرنا چاہیے۔ شاعر کے نزدیک یہی طرزِ عمل افراد اور اقوام کے لیے سرخروئی کا موجب ہو سکتا ہے۔

قیصر بارہوی احساس دلاتے ہیں کہ خانوادۂ رسولؐ نے نفاذِ اسلام کے لیے بے شمار قربانیاں دی ہیں اور افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اسی گھر کو تاراج کرنے کے لیے

---

(۱)　قیصر بارہوی　منفرد مرثیے　لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

اپنی ممکنہ صلاحیتیں صرف کر دیں۔ شاعر نے اس مرثیے میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت کے المناک واقعات بیان کیے ہیں اور خاص طور پر حضرت علیؑ نے شہادت سے قبل اہلِ خانہ سے جو گفتگو کی ہے قیصر بارہوی نے بڑے دردناک انداز میں اسے نظم کیا ہے۔ ان کے یہ بکائیہ بند اردو مرثیے میں نادر اضافہ ہیں۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

موج کا زور حبابوں سے نہیں چُھپ سکتا
جو سمندر ہے سرابوں سے نہیں چُھپ سکتا
حق زمانے کی کتابوں سے نہیں چُھپ سکتا
نُور دنیا کے حجابوں سے نہیں چُھپ سکتا
حشر تک مولدِ حیدرؑ کی خبر زندہ ہے
کعبہ زندہ ہے تو دیوار میں در زندہ ہے

باغِ اسلام میں انساں ہے گُلِ تر کی طرح
جس کی خوشبوئے بقا شرعِ پیمبرؐ کی طرح
سانس آتی ہے یہاں مرضیِ داور کی طرح
گُلِ ایماں ہو تو سورج بھی ہے قنبرؓ کی طرح
یوں بھی دنیا کے لئے معجزہ ہو جاتا ہے
اک اشارے میں گیا وقت پلٹ آتا ہے

سچ ہے قرآن کو سینوں میں بسانا ہے ثواب
حُسنِ آیات سے ذہنوں کو سجانا ہے ثواب
رنگِ تعظیم میں آنکھوں سے لگانا ہے ثواب
اس کا سُننا ہے ثواب اس کا سُنانا ہے ثواب
پھر بھی اے اہلِ نظر، بات کھری کہتے ہیں
ساتھ قرآں کے علیؑ ہیں، یہ نبیؐ کہتے ہیں

پوری خلقت بھی تقاضائے مشیّت ہیں رسولؐ
نصِ قرآں ہے کہ سرخیلِ نبوّت ہیں رسولؐ
دین کہتا ہے مری رُوح ہیں عزت ہیں رسولؐ
قولِ ایماں ہے کہ اسلام کی صورت میں رسولؐ
اسی صورت کے یہ الفاظ ہیں گوہر کی طرح
یا علیؑ تم ہو محمدؐ کے لئے سر کی طرح

زیبِ اسلام ہے وہ قوتِ ایماں کا سبق   عقل کہتی ہے جسے دین کا تابندہ ورق
سُوکھی روٹی پہ نمک رکھے ہوئے ضیغمِ حق   یہ وہ منزل ہے جہاں چہرۂ الحاد ہے فق
جس نے اک نانِ جویں کھا کے عبادت کی ہے
اس نے میداں میں پیمبرؐ کی حفاظت کی ہے

۳۰۔ کربلا و نجف

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''کربلا و نجف'' ۱۹۸۳ء میں تخلیق ہوا اور ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں نجف و کربلا کی روئے زمین پر اہمیت و افادیت بیان کی گئی ہے اور اسی نسبت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسینؑ کے فضائل و مصائب بیان کیے گئے ہیں۔(۱)

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے ہر مقام کو کسی نہ کسی فضیلت سے ہم کنار کیا ہے تاہم قیصر بارہوی کے نزدیک نجف اور کربلا دو ایسی جگہیں ہیں جنھیں حق کی جانب سے خصوصی فضیلتیں اور عظمتیں نصیب ہوئی ہیں۔ ان کے خیال میں کربلا اور نجف کمالِ منزلِ انساں، شبِ حیات میں چراغاں اور صداقت بدن کی جاں ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ کربلا و نجف میں انسانی ذہن کی تعمیر ہوتی ہے اور ؎

خرد کے باغ انہیں جنتوں میں کھلتے ہیں
علومِ عظمتِ انساں یہیں سے ملتے ہیں

نجف اشرف میں حضرت علی کرم اللہ مدفون ہیں اور اسی بابِ علم کی نسبت سے یہ شہر علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ علم و ادب کے پرستار اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ادب کے پھولوں کی خوشبو سے ایوانِ حیات مہکتا ہے اور اگر تخلیق کار الفاظ کے وزن سے آگاہ ہیں تو ان کی تخلیقات معاشرے کے لیے سودمند ہو سکتی ہیں۔ حضرت علیؑ نے

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

معاشرے کو علمی شعور عطا کیا۔ بقول قیصر بارہوی۔

وہ ایک لفظ بھی سورج سے کم نہیں ہے حضور دیا ہے نہج بلاغت نے جس کو فکر کا نور
پکارتا ہے زمانے میں عالموں کا غرور علیؑ نے دے دیے دنیا کو معجزاتِ شعور
ہمائے عرش جو خطبوں کے عرش پر آیا
تو پھر مدینۂ علمِ نبیؐ نظر آیا

کربلا امام حسینؑ کا مدفن ہے۔ یہاں کائنات کی وہ عظیم ترین ہستی سو رہی ہے جس نے خوابیدہ ذہنوں کو بیدار کیا اور انسان کے اندر ایک شعور اور احساسِ انقلاب بھر دیا۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں ظالموں نے امام حسینؑ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ تاریخ میں رقم ہے اور ہر دردمند دل رکھنے والا اس عمل سے اظہار نفرت کر رہا ہے اور پوری دنیا کربلا میں زیارت امام حسینؑ کر کے ان سے اپنی محبت کا اظہار کر رہی ہے۔ آخر میں شاعر نے امام حسینؑ کی خیمے سے رخصت کے مناظر انتہائی دردناک انداز میں بیان کیے ہیں۔ ایک بند ملاحظہ فرمایئے۔

کہا حسینؑ نے، بیٹی خدا ہمارا ہے وہی تمہارا نگہباں وہی ہمارا ہے
یہ غم نہیں ہے کہ تشنہ لبی نے مارا ہے خدا کا دین رہے ہر ستم گوارا ہے
اب آؤ گود میں یہ وقت پھر نہ آئے گا
ہمارے بعد زمانہ تمہیں ستائے گا

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

ہر ایک لاشۂ غیرت پہ قہقہوں کی صدا نظر نظر میں شرافت کے خون کا دریا
ہر ایک راہ میں غارتگری کی تیز ہوا بدن بدن پہ سجائے ہوئے ستم کی قبا
عمل تھا نقشۂ ہستی بگاڑنے کے لئے
لبے تھے شہرِ مدینہ اُجاڑنے کے لئے

وہ تاجدارِ مدینہ سے انتقام کی آگ وہ باغ صبح کی جانب ہوائے شام کی آگ
وہ سلطنت کے لئے ظلم کے نظام کی آگ وہ اک تصورِ آئندہ اور خیام کی آگ

شقاوتوں کے نئے حوصلے جوان ہوئے
گلوں پہ تیزی خنجر کے امتحان ہوئے

برنگ تیزی خنجر جوانیِ وحشت   زوالِ نفس کی تحریک نشۂ دولت
لکھا مورخ احساس نے بصد خفت   اُصول چھوڑ کے بدنام ہو گئی اُمت

جو یہ کلنک کا ٹیکہ مٹا نہیں سکتے
وہ اب رسولؐ کو چہرہ دکھا نہیں سکتے

زباں پہ کلمۂ اسلام دل میں بغضِ رسولؐ   جماعتوں کے نمازی طبیعتاً مجہول
تمام باغ پہ قبضے کی خواہشات قبول   مگر یہ فکر کہ باقی رہے نہ باغ میں پھول

منافقت کے نگہبان سامنے آئے
خدا فروش مسلمان سامنے آئے

خُدا فروش مسلمان اور خدا کا نظام   یہ وہ خیال ہے جس پر جہالتوں کا سلام
وہ اقتدار مٹا دے جو اعتمادؔ کا نام   وہی ہے چہرۂ نظم و نسق پہ داغِ جذام

جہاں خزانے طبیعت کو گھیر لیتے ہیں
وہاں فقیہ بھی قانون بیچ دیتے ہیں

۳۱۔ عظمتِ فن

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''عظمتِ فن'' ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہو کر ان کے مجموعۂ مراثی ''منفرد مرثیے'' میں شائع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں اہلِ بصیرت کی علم و ادب سے وابستگی اور خصوصاً نسیم امروہوی کی رثائی خدمات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۱)

شاعری انسانی جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے یہی سبب ہے کہ معاشرے میں شاعر کو ایک اختصاصی مقام حاصل ہوتا ہے۔ قیصر بارہوی کا موقف یہ ہے کہ اہلِ بصیرت شعرا نے عقل و دانش کے ایسے چراغ روشن کیے ہیں کہ بزمِ ادب نور سے جگمگا اٹھی

---

(۱) قیصر بارہوی منفرد مرثیے لاہور : حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۹۰ء

ہے اور جب تک کاروانِ سخن کا نظام جاری ہے، اہل فن کی عطرفشانی میں کمی نہ آئے گی۔ شاعر احساس دلاتا ہے اس کائنات میں شعروادب کے چرچے انہی معتبر تخلیق کاروں کی بدولت ہیں جنھوں نے شب وروز محنت کی اور فن کا کڑا معیار قائم کیا۔ خاص طور پر صنفِ مرثیہ میں شعرا نے اپنے اسلاف کی بیش بہا صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا اور اپنی جدّت طبع کے ایسے جوہر دکھائے کہ اس صنف کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔

پڑھ لیجیے عبارتِ ایوانِ مرثیہ　　تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ　　صورت گرِ ادب ہے دبستانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

ایوانِ مرثیے کی تزئین وآرائش کرنے اور اسے فکری وفنّی طور پر مستحکم کرنے والوں میں حضرت نسیم امروہوی کا نام بھی شامل ہے۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ نسیم امروہوی علمی وادبی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے کم عمری میں مختلف علوم پر مہارت حاصل کرلی اور شاعری میں اپنی جدت طبع کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ اہلِ دانش وبینش عش عش کر اٹھے۔ انھوں نے مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف کو اعتبار بخشا۔ قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے:

عالم، فقیہہ، معتمدِ فکر و آگہی　　آئینہ دل، عمیق نظر، منکسر، ذکی
ایماں سرشت، خلق ادا، عیب سے بری　　بے لوث، وضع دار، آشنا، سخی
یہ سب صفات آئینہ دارِ نسیم ہیں
اس شان کے بشر تو یقیناً عظیم ہیں

اس مرثیے کے آخر میں شاعر نے جناب صغریٰؑ کے مکتوب کا احوال قلمبند کیا ہے۔
جب قاصد بی بی صغراؑ کا خط لے کر امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام نے وہ مکتوب پڑھا تو ان کی آنکھوں سے حسرت ویاس سے آنسو رواں ہوگئے۔ شاعر نے ان غم انگیز کیفیات کو

بڑے سلیقے سے اور دردمندانہ انداز میں اُجاگر کیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

کہتے ہیں نظم نظم تخیل کے آبشار ۔۔۔ فصلِ سخن پہ خوب ہوئی بارشِ بہار
تحریر کے لبوں پہ ہے تقریر بار بار ۔۔۔ موتی لٹا گئے ہیں تکلم کے تاجدار
انسان کو ملیں گے خزینے شعور کے
ہر بحر میں رواں ہیں سفینے شعور کے

چشم نصاب میں وہ بلاغت کے بادشاہ ۔۔۔ چمکے جو آسمانِ فصاحت پہ مثلِ ماہ
نبّاضِ کاروانِ سخن صاحبِ نگاہ ۔۔۔ منزل بنا گئے ہیں جو نقد و نظر کی راہ
اوج و حشم دکھا کے عروضی نشان کا
قانون دے گئے ہیں زبان و بیان کا

قانون کے خلاف جہاں بھی زباں کھلی ۔۔۔ فوراً فسادِ فکر و نظر کی دُکاں کھلی
یہ بات بالعموم دمِ شائگاں کھلی ۔۔۔ بولی زباں صلاحیتِ فن یہاں کھلی
پابندیٔ اصولِ سخن میں کمال ہے
ورنہ بساطِ شوق بساطِ زوال ہے

تعمیر اک خیال ہے سامان کے بغیر ۔۔۔ پھولوں کو کیا سجائیں گے گلدان کے بغیر
کچھ ذکرِ معرفت نہیں عرفان کے بغیر ۔۔۔ سودا جواہرات کا میزان کے بغیر
ثابت ہوا سلیقۂ گفتار چاہیے
باتیں تو سب زباں کی ہیں معیار چاہیے

محفل کی آبرو ہیں نفاست پسند لوگ ۔۔۔ روحِ معاشرہ ہیں شرافت پسند لوگ
تاریخ سے جُدا نہیں جدت پسند لوگ ۔۔۔ تہذیب کے ستوں ہیں نظامت پسند لوگ
انگشتری کے ساتھ نگینے کی بات ہے
علمِ عروض بھی تو مدینے کی بات ہے

۳۲۔ مدح ابوطالبؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''مدح ابوطالبؑ'' ۱۹۷۳ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی ''منتخب مرثیے'' میں طبع ہوا۔ چوہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت ابوطالبؑ کے فضائل اور اُن کے خانوادے کی اسلام کیلئے بے مثال قربانیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔(۱)

حضرت ابوطالبؑ کے بارے میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے منفرد انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ان کا موقف ہے کہ جب یتیم عبداللہ سے تمام لوگوں نے آنکھیں پھیر لی تھیں اور اہلِ ستم حضورؐ کو مختلف طریقوں سے ایذا پہنچانے کی فکر میں تھے اس وقت حضرت ابوطالبؑ نے حضورؐ کی دستگیری کی اور تمام عمر اُنؐ کے محافظ رہے۔ قیصر بارہوی کا خیال ہے کہ اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے حضرت ابوطالبؑ اور ان کی آل نے جو کردار ادا کیا ہے' وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔وہ اپنے پیش کردہ نکات کے ماحصل کے طور پر کہتے ہیں کہ۔

جس کو ابوطالبؑ سے محبت نہیں ہو گی
اس شخص کی محشر میں شفاعت نہیں ہو گی

شاعر کا موقف یہ ہے کہ اہلِ عالم نے اسلام کے لئے حضرت ابوطالبؑ کی دی ہوئی قربانیوں کو فراموش کر دیا ہے۔یہی سبب ہے کہ حضرت ابوطالبؑ اور ان کے خاندان کے بارے میں حاسدین نے طرح طرح کی منفی باتیں مشہور کر دی ہیں اور کربلا کا خونیں سانحہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔تاہم شاعر کا موقف انتہائی واضح ہے کہ جو لوگ حضرت ابوطالبؑ اور حضورؐ اکرم کا دامنِ عصمت تھامے رہیں گے' دنیا اور آخر میں ان کے لئے فلاح ہی فلاح ہے کیونکہ۔

مطلق بھی نہیں خوف قیامت کے سفر کا
مل جائے گا سایہ ابوطالبؑ کے شجر کا

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

سب اہلِ ستم منتظرِ وقتِ ستم تھے جاری ہوئے ہر طرح اذیت کے طریقے
یوں پھیل گئے دامنِ بطحا میں درندے جیسے کوئی طوفانِ بلا شہر میں پھیلے
لیکن کسی تدبیر نہ ارمان بر آئے
جس سمت بھی دیکھا ابوطالبؑ نظر آئے

مائل بہ جوانی وہ نبوت کے مہ و سال اب عرشۂ تبلیغ تھا اور آمنہؑ کا لال
کیا چیز تھے پتھریلے خداؤں کے خدوخال توحید کی ضربت سے ہوئے ذرۂ پامال
کیا خوب تھی وحدت کے پرستار کی دنیا
وہ آگ لگی جل گئی کفار کی دنیا

جس وقت نگہباں نے کلیجے سے لگایا بے سایہ کو قدرت سے میسّر ہوا سایا
دنیائے غم انگیز میں غم خوار جو پایا محبوبِؐ الٰہی نے یہ کعبے کو سُنایا
اے بیتِ حرم چہرۂ مظلوم دکھا دے
تو بھی تو مجھے قوتِ بازو سے ملا دے

ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے توحید کا پرچم عمرانؑ کے سائے میں بڑھا نورِ مجسم
تبلیغ سے ابنائے زمانہ ہوئے برہم ہر گوشۂ بطحا سے نمایاں ہوئے اظلم
بل کھاتے ہوئے کفر کے اژدر نکل آئے
شمشیر و سناں لے کے ستمگر نکل آئے

وحدت کے مبلّغ پہ برسنے لگے پتھر چادر تھی لہو رحمتِؐ عالم کے بدن پر
کہتے تھے زمانے سے ابوجہل کے تیور اب قلبِ محمدؐ سے گزر جائے گا خنجر
اس طرح گھرا نورِ خدا ظلم و جفا میں
جیسے مہِ کامل ہو قیامت کی گھٹا میں

۳۳۔ آیاتِ آمنہؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ ''آیاتِ آمنہؑ'' ۱۹۸۷ء میں تخلیق ہوا اور ''منتخب مرثیے'' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی سیرت کے گراں قدر پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن کے خانوادے کی قربانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔(۱)

راقم الحروف کی درخواست پر حضرت آمنہؑ کے بارے میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے عفت مآب حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی شخصیت اور سیرت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ابتداً شاعر نے انتہائی ملال انگیز لہجے میں اس امر کا اظہار کیا ہے کہ جس شخصیت نے ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا بیٹا عطا کیا' ہم نے اس کی شان میں کوئی مبسوط کتاب یا مرثیہ کیوں نہیں لکھا۔ شاعر کا موقف ہے کہ حضرتِ آمنہؑ نے حضرت عبداللہ کی غیر موجودگی کے باوجود حضورِ اکرمؐ کی جو تربیت فرمائی وہ ہر لحاظ سے قابلِ قدر اور لائقِ توصیف ہے' تاہم کچھ بدباطن لوگ ایسے بھی ہیں جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کے بارے میں اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے رہے ہیں شاعر کا موقف یہ ہے کہ کوئی کچھ بھی کہتا رہے لیکن حضرت آمنہؑ کی شان ہمیشہ سے بلند تھی اور ہمیشہ بلند رہے گی۔

غالب رہے گی تا بہ ابد شانِ آمنہؑ
وحدت کی آبرو ہے گلستانِ آمنہؑ

شاعر کا خیال ہے کہ حضورِ اکرمؐ حضرتِ آمنہؑ کی اعلیٰ تربیت کا حسین نمونہ تھے اور حضورِ اکرمؐ کی تربیت کے بہترین نمونے وہ احباب واصحاب تھے جنھوں نے حق کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کربلا کے میدان میں جانوں کے نذرانے پیش کر دیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت آمنہؑ ہی کے گلستان کے رنگارنگ پھول مسل کر رکھ دیے گئے

---

(۱) (i) شبیہ الحسن' سید' ڈاکٹر (مرتب) آیاتِ آمنہؑ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء
(ii) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

تھے۔ شاعر کا موقف ہے کہ جو کوئی خاندان رسالت کا اجر ادا کرے گا اور اس خاندان کے دکھوں میں شریک ہو گا اسے۔

صدقہ پسر کا آپ بقا دیں گی فاطمہؑ
دنیا و آخرت میں جزا دیں گی فاطمہؑ

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

اعلانِ عام علم کی بارہ دری کا نور
انسان کو ملے گا یہاں جلوۂ شعور
یہ راز بھی زمانے پہ کھل جائے گا ضرور
جاگیرِ آمنہؑ میں ہیں کتنے چراغ طور
موسیٰؑ انہیں چراغوں سے مینارِ نور ہیں
جلتے ہیں وہ جو ان کی تجلی سے دور ہیں

ذوقِ طلب سے یوں بھی دُرِ بے بہا ملا
ہر لفظ کا دماغ ستاروں سے جا ملا
توصیفِ آمنہؑ میں تخیل نیا ملا
زہراؑ کے نام پر بہ حدیثِ کسا ملا
عصمت مآب نورِ مسلسل انہیں کا ہے
آلِ عباؑ کے فرق پہ آنچل انہیں کا ہے

سائے میں آسماں ہیں، وہ رفعت ہیں آمنہؑ
آیات معترف ہیں، وہ آیت ہیں آمنہؑ
مخدومۂ جہانِ سیادت ہیں آمنہؑ
اہلِ درود کیلئے عظمت ہیں آمنہؑ
ملتا جو وقت مظہرِ تکریم کے لئے
اُٹھتے رسولؐ آپ کی تعظیم کے لئے

تائید کبریا سے موید ہیں آمنہؑ
مسند ہے فخرِ زینتِ مسند ہیں آمنہؑ
جملہ فضیلتوں کے لئے حد ہیں آمنہؑ
یعنی مزاج سازِ محمدؐ ہیں آمنہؑ
کہتا ہے بابِ علم حقیقت نواؤں سے
دنیا کو شہرِ علم ملا اُن کی چھاؤں سے

کہتے ہیں ماں کا دودھ ہے وہ کوثرِ شرف
جس سے بشر کا جسم بنا پیکرِ شرف
پھرتا ہے جب رگوں میں یہ گردشِ گرِ شرف
پلتا ہے ماں کی گود میں اک نیّرِ شرف

وہ شخص ہر نماز میں جس پر سلام ہے
صرف آمنہؑ کے دُودھ کی عظمت کا نام ہے

۳۴۔ عروجِ عالمِ نسواں

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عروجِ عالمِ نسواں' ۱۹۸۰ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت فاطمہؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور کرب و بلا کے میدان میں آپؑ کے خاندان کی بے مثال قربانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت فاطمہؑ کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے کا آغاز انتہائی منفرد ہے۔ شاعر کا موقف ہے کہ عصرِ حاضر میں مرثیے کی صنف نے جو کارنامے سرانجام دیے ہیں وہ سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ شاعر کا موقف یہ ہے کہ یہ صنف اس لئے بھی لائقِ توجہ ہے کہ اس میں ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی خوشبو سدا موجزن رہتی ہے اور حضرت فاطمہؑ کے ذکر نے تو گلشنِ مرثیہ نگاری کو مزید سدا بہار بنا دیا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے مختلف تشبیہات و استعارات کی مدد سے حضرت فاطمہؑ کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اس مرثیے کا سب سے دل کش اور لائق توجہ حصہ وہ ہے جہاں شاعر نے حضرت فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی عظمتوں کا موازنہ کیا ہے اور ایسے ایسے نکات پیش کئے ہیں کہ قارئین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ اس موازنے کے بعد شاعر نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس کائنات میں اہلِ بیتؑ ہی وہ منتخب اور پسندیدہ افراد ہیں جو دنیا کے لئے معتبر رہبر و رہنما ثابت ہو سکتے ہیں۔ آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں گلستانِ زہراؑ کے اُجڑنے کی الم ناک داستان بیان کی ہے اور ثانیِ زہراؑ حضرت زینبؑ کے دردناک بین پیش کئے ہیں۔ اس سلسلے میں زیرِ نظر بیت ملاحظہ فرمائیے ۔

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

سحر کا قافلہ اک دن میں نذرِ شام ہوا
بتولؑ خاک اڑاتی ہیں گھر تمام ہوا

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

اڑھا کے لاڈلی بیٹی کو چادرِ تطہیر بنا دی معنیٔ عصمت کی بولتی تصویر
یہ بات کہہ کے عطا کر دیا خود اپنا ضمیر مرا وجود ہے قرآں تو فاطمہؑ تفسیر
تمام آیتیں مرکز کا احترام کریں
یہ سیدہؑ ہے اسے عظمتیں سلام کریں

کہا جو بضعۃٌ منی تو ہو گیا معلوم دلِ رسولؐ کی صورت ہے فاطمہؑ معصوم
کمالِ علم سے ایسا بنا دیا مقسوم نصیب ہو گئے گیارہ اماموں کے نجوم
وقارِ جنتِ نبیؐ میں نہ کچھ کمی آئے
خدا کے گھر میں اسی واسطے علیؑ آئے

علیؑ کے فرق پہ تاجِ امامت اوّل بتولؑ کے لئے عصمت کے نور کی فرغل
علیؑ کے واسطے مشکل کشائی کی مشعل بتولؑ کے لئے رحمت کی آیتیں آنچل
علیؑ کے واسطے گردوں سے ذوالفقار اُتری
لبِ بتولؑ پہ تسبیح کردگار اُتری

علیؑ کے تن پہ سجایا لباسِ نفسِ نبیؐ نقابِ سورۂ کوثر بتولؑ کو بخشی
اگر ولایتِ قرآں کے حکمراں ہیں علیؑ بتولؑ سلطنتِ دو جہاں کی شہزادی
علیؑ پہ علم کی تابانیاں نثار ہوئیں
بتولؑ فکرِ پیمبرؐ کی شاہکار ہوئیں

علیؑ کے واسطے لا سیف ولا فتیٰ کی سند بتولؑ افضلِ نسواں ازل سے تا بہ ابد
علیؑ کے ہاتھ محمدؐ کے قافلوں کی مدد بتولؑ قصرِ نبوّت میں صاحبِ مسند
علیؑ عنایتِ یزداں سے شیرِ یزداں ہیں
بتولؑ باپ کی نظروں میں دین کی ماں ہیں

۳۵۔ عشقِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عشقِ حسینؑ' ۱۹۶۵ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ چون بندوں کے اس مرثیے میں امام حسینؑ کے جانثار حضرت مسلم بن عقیلؑ کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے اور کوفے میں اُن کے دردناک مصائب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔(۱)

حضرت مُسلم بن عقیلؑ کے حال میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جو انسان عشقِ حسینؑ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہے' وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ اس معروضے کی روشنی میں شاعر نے ایک عاشقِ حسینؑ حضرت مسلم بن عقیلؑ کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے کوفے کی سرزمین پر سفیرِ حسینؑ بن کے امام عالی مقام کا پیغامِ اُلفت وصداقت پہنچایا۔ تاہم کوفیوں کے منافقانہ طرزِ عمل کی وجہ سے حضرت مسلم بن عقیل نے جس طرح جامِ شہادت نوش فرمایا' وہ تاریخ کا ایک خونچکاں باب ہے۔ آخر میں شاعر نے حضرت مسلم بن عقیلؑ کی شہادت کا واقعہ نہایت دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔ خاص طور پر شہادت سے قبل یہ بند عاشقانِ حسینؑ کے والہانہ جذبات کی بالکل صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سوکھی زبان پھیر کے ہونٹوں پہ بار بار
مسلمؑ یہ کہہ رہے تھے کہ اے میرے کردگار
پروا نہیں حسینؑ پہ ہو جاؤں میں نثار
تلوار ہو گلے پہ کہ پاؤں مقامِ دار
فرزندِ مصطفےٰؐ کا گزر ہو نہ اس طرف
زہراؑ کی بیٹیوں کا سفر ہو نہ اس طرف

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

عشقِ حسینؑ رحمتِ یزداں کا پھول ہے
عشقِ حسینؑ نکہتِ باغِ اُصول ہے
یہ دردِ کائناتِ علیؑ و بتولؑ ہے
عشقِ حسینؑ اصل میں عشقِ رسولؐ ہے

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

یہ آئینہ ہے فکر و نظر کے شباب کا
عشقِ حسینؑ نام ہے اک انقلاب کا

ہر سانس کو نصیب ہو غربت کی دوپہر
برسائیں دُھوپ درہم و دینار کے شجر
دنیا کی بے رُخی ہو طبیعت کی ہم سفر
محلوں کے بدلے عمر کٹے فرشِ خاک پر
ہر غم گمان و وہم کی منزل کے نام ہے
عشقِ حسینؑ ہے تو زمانہ غلام ہے

دنیا طلسم خانۂ خواب و خیال ہے
ہر ہر قدم فریب کا رنگین جال ہے
چاروں طرف عروسِ گنہ کا جمال ہے
ظلمت کی بجلیوں میں سنبھلنا محال ہے
غالب نہ ہو گا اُس پہ دھواں مشرقین کا
سورج ہو جس کے قلب میں عشقِ حسینؑ کا

بیداریِ حیات ہے عشقِ حسینؑ میں
سرمایۂ نجات ہے عشقِ حسینؑ میں
انسانیت کی بات ہے عشقِ حسینؑ میں
تسخیرِ کائنات ہے عشقِ حسینؑ میں
پایا فروغ رُوح اسی دل کے چین سے
فطرت بلند ہوتی ہے عشقِ حسینؑ سے

سیلابِ ظلم و جور ہو یا بیکسی کی دار
تکلیف کے پہاڑ ہوں یا درد کا غبار
آندھی کی طرح گھیر لیں شعلوں کے آبشار
یا وقت کے ببول سے پیدا ہوں خار زار
میدانِ کربلا پہ نظر ہو تو غم نہیں
عشقِ حسینؑ سینہ پر ہو تو غم نہیں

۳۶۔ عباسِ نامدارؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'عباسِ نامدارؑ' ۱۹۴۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کی کتاب 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔ ستتر بندوں پر کے اس مرثیے میں حضرت عباسؑ علمبردار کی جرأت و

بہادری اور میدانِ کربلا میں اُن کی شہادت کے دردناک واقعات بیان کیے گئے ہیں۔(۱)

حضرت عباسؑ علمبردار کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کے میدان جنگ میں آنے کا نقشہ نہایت جلالی انداز میں کھینچا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ میدانِ کربلا میں امام عالی مقام کے جان نثاروں کی راہِ خدا میں قربانیوں کے بعد حضرت عباسؑ نے جب اذنِ وغا طلب کی تو امام حسین علیہ السلام نے نہایت ملال کے ساتھ فرات سے پانی لانے کی اجازت تو دے دی مگر جنگ نہ کرنے کی تلقین کی۔ اس کے بعد شاعر نے حضرت عباسؑ علمبردار کی میدانِ جنگ میں آمد اور مدافعتی جنگ کا نقشہ روایتی انداز میں کھینچا ہے البتہ تازہ اور جدید تشبیہات و استعارات اور منفرد اسلوبِ بیان نے اس روایتی رنگ میں بھی ایک جدت پیدا کر دی ہے۔ آخر میں شہادتِ حضرت عباسؑ علمبردار انتہائی درد انگیز پیرائے میں بیان کی گئی ہے۔ اس مرثیے کا مطالعہ اس حوالے سے بھی معنی خیز ہے کہ قیصر بارہوی کا یہ پہلا مرثیہ ہے اور خاص طور پر اس مرثیہ کے آخری بند میں انہوں نے صمیم قلب سے جو دُعا مانگی ہے آپ بھی سن لیجیے:

قیصرؔ بہ فیضِ حضرتِ عباسؑ نامدار
یہ ابتدائے مرثیہ گوئی زہے وقار
کیوں ذکرِ کربلا پہ نہ ہو زندگی نثار
یہ ذکر ہے شرافتِ انساں کا اعتبار
اے کاش شہرتِ ابدی حرف حرف ہو
ساری حیات مرثیہ گوئی میں صرف ہو

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمائیے۔

پی لے جو زندگی کا تلاطم یہی تو ہے
ہونٹوں سے چھین لے جو تکلم یہی تو ہے
دوشیزۂ اجل کا تبسم یہی تو ہے
شرعِ جہاد جس کا ترنم یہی تو ہے
کوئی فقیہ اس کی ادا تولتا نہیں
اسلام اس کے رقص پہ کچھ بولتا نہیں

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

پہلوئے تاجدارِ وفا میں ہے اس کا گھر کٹتی ہے اس کے نام سے ہر بے وفا نظر
لکھی ہے حق نے نادِ علیؑ اس کی دھار پر اس پاسبانِ خیر سے جلتے ہیں اہلِ شر
یہ سارے مسئلوں سے مبرّا بہار ہے
کافر کا خون پیتی ہے ایمان دار ہے

مومن شناس ہے تو مودّت نظام ہے اس میں کوئی کلام نہیں لا کلام ہے
کرب و بلا میں ردِّ بلا اس کا نام ہے عباسؑ کا امام ہی اس کا امام ہے
پائے جو اذن بازوئے شاہِ انام سے
لے آئے میرِ شام کا سر تختِ شام سے

دشمن کا خون اس کے لئے بادۂ نشاط مثلِ اجل علیؑ کے مخالف سے ارتباط
کیا حیثیت ہے ظلم کی' کیا جبر کی بساط محتاط ہاتھ میں ہے تو ایماں ہے احتیاط
چلتی ہے جب نگاہِ علمدار دیکھ کر
کرتی ہے قتل صرف گنہ گار دیکھ کر

آئی زمیں پہ فوج کی دیوار بے ثبات جیسے ہوا کا زور گرا دے کھڑی قنات
پائی جو صاف راہ چمکنے لگی حیات منظر میں علقمہ نے دکھایا رُخِ فرات
قبضے سے ہاتھ اٹھایا جو فرّار فوج نے
عباسؑ کو سلام کیا موج موج نے

۳۷۔ سُخنِ لاجواب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'سُخنِ لاجواب' ۱۹۵۰ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں شائع ہوا۔ اُناسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں امامِ حسینؑ کے فرزند حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے نمایاں محاسن پر روشنی ڈالی گئی ہے اور کربلا کے میدان میں اُن کی الم ناک شہادت پیش کی گئی ہے۔(۱)

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

حضرت امام حسینؑ کے فرزند اور شبیہ رسولؐ حضرت علی اکبرؑ کی سیرت و کردار کے حوالے سے لکھے جانے والے اس مرثیے میں قیصر بارہوی نے واضح کر دیا ہے کہ اگر انہیں لاجواب سخن دستیاب ہو تو وہ۔

ایک ایک لفظ منزلِ راہِ خدا لکھوں
کعبہ لکھوں، مدینہ لکھوں، کربلا لکھوں

شاعر کا خیال یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں امام عالی مقام نے دین کی کھیتی کو سرسبز اور شاداب رکھنے کے لئے اپنے اور اپنے جاں نثاروں کے لہو سے اسے سیراب کر دیا ہے۔ یوں تو ہر شہید نے اپنی اپنی سطح اور بساط کے مطابق نہایت گراں قدر کارنامے سرانجام دیے ہیں تاہم حضرتِ علی اکبرؑ کی شہادت کے معیارِ شہادت کو بلند کر دیا ہے۔ شاعر نے حضرت علی اکبرؑ کی جنگ کا نقشہ نہایت موثر پیرائے میں پیش کیا ہے۔ ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

جس پر پڑا حسینؑ کے شیرِ جری کا ہاتھ ممکن تھا اس کے سر پہ کہاں زندگی کا ہاتھ
اکبرؑ نے اس ادا سے دکھایا علیؑ کا ہاتھ جس نے بھی ہاتھ اٹھایا، اڑایا اسی کا ہاتھ
کیا دل کشی تھی دشتِ وغا کی فضاؤں میں
تیریں نہالِ کفر کی شاخیں ہواؤں میں

آخر میں شاعر نے انتہائی دردناک انداز میں حضرت علی اکبرؑ کی شہادت کے منظر کو پیش کیا ہے۔ اس حوالے سے یہ دردناک بند آپ بھی سُن لیجئے۔

برچھی پہ ہاتھ رکھا تو پھٹنے لگا جگر لیکن ہوا یہ نعرۂ تکبیر کا اثر
برچھی کو جب نکال چکے شاہِ بحر و بر آنکھوں کے آگے لختِ جگر کر گیا سفر
نکلا کلیجۂ جامِ اجل نوش کر گئے
شبیرؑ دیکھتے رہے اکبرؑ گزر گئے

شہادتِ علی اکبرؑ کی خبر سن کر اہلِ حرم نے جس طرح بین کیے ہیں۔ شاعر نے انہیں بھی دردناک انداز میں پیش کیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

یہ کہہ کے آسماں کی طرف اک نگاہ کی — فرمایا اے خدا مرے مالک، مرے ولی
شبیرؑ کے لئے ہے مقدم تری خوشی — قربان تجھ پہ میرے بھرے گھر کی زندگی
وہ تابِ صبر دے کہ طبیعت سنبھال لوں
سینے سے اپنے لال کے برچھی نکال لوں

برچھی پہ ہاتھ رکھا، تو پھٹنے لگا جگر — لیکن ہوا یہ نعرۂ تکبیر کا اثر
برچھی کو جب نکال چکے شاہِ بحر و بر — آنکھوں کے آگے لختِ جگر کر گیا سفر
نکلا کلیجہ جامِ اجل نوش کر گئے
شبیرؑ دیکھتے رہے، اکبرؑ گزر گئے

صحرا پکارا فاطمہؑ کے لال مرحبا — چلا اٹھیں یہ نہر کی موجیں بصد بکا
دیکھو اے زمانے یہ ہے دلِ سبطِ مصطفٰےؐ — اکبرؑ سا نوجوان بھی قربان کر دیا
ایسا گلابِ صبر کہیں پہ کھلا نہیں
شکرِ خدا میں یوں کوئی بندہ ملا نہیں

اکبرؑ کی لاش ہاتھوں پہ لے کر اُٹھے حسینؑ — صدقے ہوئے غریب کی ہمت پہ مشرقین
بولی زمیں، اے شہِ مرداں کے نورِ عین — قربان تجھ پہ معرکۂ خیبر و حنین
تو نے دکھا دیا وہ شرف بوتراب کا
زندہ رہے گا نام رسالت مآبؐ کا

اکبرؑ کے دونوں پاؤں جو خط کھینچتے چلے — قائم ہوئے نشان رہِ مستقیم کے
رستے میں تازہ خون کے قطرے جہاں گرے — نوحہ سُنا فلک نے زمیں کی زبان سے
افسوس کاروانِ غریب الوطن لٹا
سینے پہ میرے سبطِ نبیؐ کا چمن لٹا

۳۸۔ یوسف کربلاؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'یوسفِ کربلاؑ' ۱۹۴۹ء میں تخلیق ہو کر 'منتخب مرثیے' میں شائع ہوا۔ پچپن بندوں کے اس مرثیے میں کربلا کے میدان میں شبیہ پیمبرؐ حضرتِ علی اکبرؑ کی شہادت کے دلخراش مناظر کا دردناک بیان کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت علی اکبرؑ کے حال میں لکھا جانے والا یہ مرثیہ آغاز ہی میں اپنے اندر ایک حزنیہ کیفیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں پہلا بند ہی دیکھئے۔

حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں　　نہالِ باغِ پیمبرؐ تلاش کرتے ہیں
بھرے چمن کا گلِ تر تلاش کرتے ہیں　　فلک کا چاند زمیں پر تلاش کرتے ہیں
چھپا ہے نورِ نظر ہر طرف اندھیرا ہے
دلِ بتولؑ کو بربادیوں نے گھیرا ہے

شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرتِ امام حسینؑ کی اس کیفیت کی منظر کشی کی ہے۔ جب وہ اپنے کڑیل جوان بیٹے علی اکبرؑ کے سینے پر برچھی لگ جانے کے بعد اس کی تلاش میں میدانِ جنگ میں جاتے ہیں۔ آخرکار اپنے زخمی بیٹے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ بیٹے کے سینہ کو فگار اور تن داغ داغ دیکھ کر ان کا دل خون اور جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ ضعیف باپ کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھ کر حضرت علی اکبرؑ گویا ہوتے ہیں۔

کہا یہ کانپتے لفظوں میں اے مرے بابا　　فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا　　چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
کھڑے ہیں سیدؑ والا ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

امامِ عالی مقام حضرت علی اکبرؑ کے سینے میں پیوست برچھی نکالتے ہیں اور اسی دوران علی اکبرؑ اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔ امام عالی مقام جوان بیٹے کی لاش اٹھا کر خیمے میں لاتے

---

(۱)　قیصر بارہوی　منتخب مرثیے　لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

ہیں۔ اس تمام صورتِ حال کو بیان کرنے کے بعد شاعر نے خیمے میں اہلِ حرم کی الم ناک کیفیات کی دردناک انداز میں منظر کشی کی ہے۔ اس حوالے سے خاص طور پر حضرت علی اکبرؑ کے جسدِ خاکی کو خیمے سے باہر لے جانے کا منظر شاعر نے جس دردناک انداز میں پیش کیا ہے وہ عزائی شاعری کا اوجِ کمال ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے ۔

نبیؐ کے لال نے آخر اٹھائی لاشِ پسر
چلے جو خیمے سے باہر تو ہو گیا محشر
پھوپھی کی طرح سے بے ہوش ہوگئی مادر
ہر اک زبان پہ تھا الوداع اے اکبرؑ
گئی جو در پہ تو اک آہ بھر کے لوٹ آئی
سکینہؑ بھائی کو تسلیم کر کے لوٹ آئی

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

کہا یہ کانپتے لفظوں میں اے مرے بابا
فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا
چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
گھرے ہیں سیدِ والاؑ ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

مرے لئے جو اٹھائی ہے آپ نے زحمت
بڑھی ہے پیشِ خدا اس غلام کی عزت
حضور کس طرح اٹھوں نہیں رہی طاقت
مرا نصیب، مری بے بسی، مری قسمت
یہ رنج بھی دلِ اکبرؑ نے اب اٹھائے ہیں
حضورؑ آپ یہاں تک اکیلے آئے ہیں

جبیں کو چوم کے شہؑ نے کہا نہیں مرے لال
تم اپنے باپ کی زحمت کا کچھ کرو نہ خیال
جسے سمجھتے ہو تکلیف اے مجسمہ خصال
یہی وہ پیار ہے جس کی نہیں ہے کوئی مثال
خدا سے جو علی اکبرؑ سا لال پائے گا
یہ پیار کیا ہے، وہی آدمی بتائے گا

تمہیں خبر نہیں بیٹا جواں پسر کیا ہے — مرا نہال ابھی واقفِ ثمر کیا ہے
تمہیں پتہ نہیں روحِ دل و جگر کیا ہے — یہ آنکھیں جانتی ہیں دولتِ نظر کیا ہے
سفر سے لوٹ کے جس کا پسر نہیں آتا
وہ دیکھتا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا

جسے نصیب تجلی رخ جمال وہی — خوشی ہو جس کا مقدر سکوں مآل وہی
بہار جس کے چمن میں شگفتہ حال وہی — خدا نے پھول دیئے ہوں جسے نہال وہی
مگر وہ باغ جسے ایک دوپہر لُوٹے
خزاں، گلوں کو جوانی کی شاخ پر لُوٹے

۳۹۔ ھفت اقلیم

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'ہفت اقلیم' ۱۹۷۸ء میں تخلیق ہو کر 'منتخب مرثیے' میں طبع ہوا۔ اُنہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی سیرت اور اُن پر ڈھائے جانے والے مظالم کا حال بیان کیا گیا ہے۔(۱)

حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیے میں شاعر نے اپنے مقدر کو خوب سراہا ہے اور اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ ۔

ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

اس کے بعد شاعر نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کی سیرت و کردار کے محاسن مختلف پیرایوں میں بیان کیے ہیں۔ اس سلسلے میں شاعر نے قرآن و احادیث کی روشنی میں اپنے ممدوح کے کارناموں کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔ اس حوالے سے یہ بیت نہایت اہم ہے ۔

جس طرح جھومتا پانی ہے زراعت کے لئے
اس طرح موسیِٔ کاظمؑ ہیں امامت کے لئے

---

(۱) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور : قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

آخر میں شاعر نے نہایت رقت انگیز انداز میں حضرت موسیٰ کاظمؑ کو پیش آنے والی مشکلات و تکالیف کا بیان کیا ہے۔ خاص طور پر یہ بند اس تمام المیاتی صورت حال کا اظہار کرتا ہے۔

بے وطن لاش اٹھی کانپ گئی روحِ رسولؐ　　خون رونے لگے انسان کی حرمت کے اُصول
کیا بھلائے گی یہ غم کوئی نگاہِ معقول　　لاش ہے پیار کریں حلقۂ زنجیر کے پھول
دیدۂ غم نے عجب رنگِ اجل دیکھے ہیں
زیرِ زنجیر بھی زخموں کے کنول دیکھے ہیں

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

موجِ وحدت کی قسم ایک روانی کی قسم　　بحرِ الحمد میں تفسیر کے پانی کی قسم
ایک ہی رنگ میں آیات بیانی کی قسم　　ایک مضموں کی قسم ایک کہانی کی قسم
علم کے آئینے میں ایک ہی مقصد دیکھا
حق نمائی کے لئے سب کو محمدؐ دیکھا

آندھیوں سے نہ بجھیں گے یہ محمدؐ کے چراغ　　تا قیامت نظر آئیں گے مشیت کے ایاغ
اب وہ شدّاد کی جنت ہے نہ فرعون کا باغ　　فخرِ موسیٰؑ ہے فقط موسیٔ کاظمؑ کا دماغ
جس طرح جھومتا پانی ہے زراعت کیلئے
اس طرح موسیٔ کاظمؑ ہیں امامت کیلئے

دیکھتی آنکھیں، امامت کا یہ پیکر دیکھیں　　چشمِ انصاف سے ماضی کے ورق پر دیکھیں
ابنِ جعفرؑ کے لئے مسندِ جعفرؑ دیکھیں　　حُسنِ قدرت نظر آئے گا گلِ تر دیکھیں
جب رُخِ موسیٔ کاظمؑ پہ تلاوت ہو گی
میرا دعویٰ ہے محمدؐ کی زیارت ہو گی

اس زیارت میں کھلے گا کہ امامت کیا ہے　　وقت کے ساتھ جو قائم ہے وہ حجت کیا ہے
دین کے واسطے معصوم قیادت کیا ہے　　آیتیں آپ بتائیں گی تلاوت کیا ہے
جب خیالات، عقیدت کی جگہ پائیں گے
معنیِ ہفت میں ذہن میں آ جائیں گے

ذہن میں سات مہینوں کا تبسم لے کر　　قلب میں سازِ مودّت کا ترنم لے کر
جعفری بحر سے اندازِ تلاطم لے کر　　کاظمی علم سے معراجِ تکلّم لے کر
آدمی وقت کے شعلوں پہ سنبھل سکتا ہے
یاعلیؑ کہہ کے زمانے کو بدل سکتا ہے

۴۰۔ آبروئے فکر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'آبروئے فکر' ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'منتخب مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا گیا ہے اور میدانِ کربلا میں حضرت علی اکبرؑ کی اذانِ صبح کا منظر بیان کیا گیا ہے۔(۱)

راقم الحروف کی درخواست پر قیصر بارہوی صاحب نے صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی سیرت و کردار کے حوالے سے زیرِ مطالعہ مرثیہ تخلیق کیا اور راقم کے غریب خانے پر سینکڑوں اہلِ علم و ادب کے سامنے اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا۔ حضرت بلالؓ کی مدح میں لکھے جانے والے اس منفرد مرثیے میں شاعر نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں ایک اور انسان پوشیدہ ہوتا ہے اور جب انسان اس پوشیدہ شخص کو دریافت کر لیتا ہے تو اس کی زندگی انتہائی کامیاب و کامران ہو جاتی ہے۔ شاعر کا خیال یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں نیکی، سچائی اور خیر کی قوتیں موجزن ہوتی ہیں۔ لہٰذا انسان اگر ان قوتوں کی موجودگی کا احساس کر کے انہیں بروئے کار لے آئے تو دنیا کا کوئی ظلم یا جبر اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ س سلسلے میں شاعر نے مشہور صحابیِ رسولؐ حضرت بلالؓ کی مثال پیش کی ہے جنہوں نے غلامی کی چٹائی پر عشقِ محمدؐ کی نماز ادا کی۔ حضرت بلالؓ کے دل میں جو شمعِ صداقت روشن ہو گئی تھی بنو اُمیہ کی تیز آندھیاں بھی اس کی لَو کو مدھم نہ کر سکیں۔ یہی سبب ہے کہ عشقِ محمدؐ کو دل میں بسا لینے کے نتیجے میں حضرت

(۱)　قیصر بارہوی　منتخب مرثیے　لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، ۱۹۹۱ء

مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ ۹۶ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت جبریلؑ کے وقیع کارناموں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔(۱)

شاہد محضر حضرت جبریل علیہ السلام کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیہ میں شاعر نے ایک منفرد موضوع کو اپنے مرثیے کی زینت بنایا ہے۔ غالبًا اسی موضوعاتی انفرادیت کی وجہ سے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ۔

دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہوں
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں جبریلؑ سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجرِ دل پہ جڑے ہیں
تخئیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

شاعر کا موقف یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کی تخلیق رمزِ مشیّت ہے' لہٰذا اس کے بارے میں کوئی انسان قیافہ شناسی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ شاعر نے حضرت جبریلؑ کو حرمت کا محافظ' قانونِ شریعت کا پاسبان' تہذیب کا رکھوالا' عفت کا نگہبان' انبیاؑ کا مددگار اور رسولوں کا معاون قرار دیا ہے۔

منظر ہے انہیں رونقِ بازارِ نبوت یہ جانتے ہیں منصب و معیارِ نبوت
یہ قصرِ نبوت میں مددگارِ نبوت کہتے ہیں انہیں واقفِ اسرارِ نبوت
آنکھوں میں ہیں اندازِ رئیسانِ وفا کے
جبریلؑ حدی خواں ہیں سفیرانِ خدا کے

حضرت جبریلؑ کے مناقب بیان کرنے کے بعد آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت جبریلؑ کی موجودگی کا احساس دلایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح کربلا کے میدان میں گلستانِ محمدؐ کو ویران ہوتے ہوئے دیکھا کیے۔ اس سلسلے میں یہ بند سن لیجیے۔

---

(۱) (i) آغا قمر حسنین (مرتب) لہو لہو کہکشاں کراچی: ادارہ تقدیس قلم' ۱۹۸۹ء
(ii) قیصر بارہوی منتخب مرثیے لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

بزمِ ہستی میں غرورِ نیک نامی ہے بلالؓ
اعتبارِ عالمِ شائستہ کامی ہے بلالؓ
جذبۂ تسلیم کا اسمِ گرامی ہے بلالؓ
مصطفےٰؐ کو پہلے دستے کی سلامی ہے بلالؓ
صورتِ عمارؓ چشمِ احمدؐ مرسل میں ہے
یہ سپاہی فوجِ وحدت کی صفِ اوّل میں ہے

ضبط کی قوت سے وحشت کی تباہی ہے بلالؓ
بے نوائی میں شکستِ کج کلاہی ہے بلالؓ
شام کی زد پر نویدِ صبح گاہی ہے بلالؓ
کس نے حمزہؓ کا جگر کھایا گواہی ہے بلالؓ
غزوۂ بدر و احد کے غازیوں میں نام ہے
یہ مجاہد بھی جوازِ قوتِ اسلام ہے

تا قیامت نصرتِ حق ہے تقاضائے بلالؓ
عشق کی تحریر زندہ ہے بہ انشائے بلالؓ
گلشنوں میں شہدِ ایماں ہیں سخن ہائے بلالؓ
مسکراتی ہے اذانوں میں تمنائے بلالؓ
اس کے لہجے سے جہاں، دنیا کو دلچسپی نہیں
رات رہتی ہے وہاں سورج نکلتا ہی نہیں

یاد ہے وہ فتحِ مکہ کی صداقت کا نشاں
کافروں پر قوتِ اسلام کی ضربِ گراں
پوری خلقت کیلئے پروانۂ امن و اماں
وہ بلالؓ خوش نوا، وہ بامِ کعبہ پر اذاں
حکم ایسے میں جو ہو جاتا بہ اندازِ بلالؓ
آسماں پر دیکھتے جبریلؑ پروازِ بلالؓ

آج بھی قولِ بلالؓ اپنی صداقت کا امیں
سورۂ یونس کے سائے میں وہ تصویرِ حسیں
جتنے عادل ہیں وہ اس منزل پہ رکھتے ہیں یقیں
خلق سے اسلام کی تشہیر ہے جبراً نہیں
کلمہ پڑھتے وقت اگر کوئی بشر مجبور ہے
فرقِ نیت کی طرح وہ روشنی سے دور ہے

۴۱۔ شاہدِ محضر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'شاہدِ محضر' ۱۹۸۸ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعے 'منتخب

مرثیے' میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ پچھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت جبریلؑ کے وقیع کارناموں اور محمدؐ و آلِ محمدؐ سے اُن کی والہانہ عقیدت کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں۔(۱)

شاید محضر حضرت جبریل علیہ السلام کی مدح میں لکھے جانے والے اس مرثیہ میں شاعر نے ایک منفرد موضوع کو اپنے مرثیے کی زینت بنایا ہے۔ غالباً اسی موضوعاتی انفرادیت کی وجہ سے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ۔

دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں　　حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہوں
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں　　جبریلؑ سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجرِ دل پہ جڑے ہیں
تخئیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

شاعر کا موقف یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کی تخلیق رمزِ مشیّت ہے' لہٰذا اس کے بارے میں کوئی انسان قیافہ شناسی بھی نہیں کر سکتا ہے۔ شاعر نے حضرت جبریلؑ کو حرمت کا محافظ' قانونِ شریعت کا پاسبان' تہذیب کا رکھوالا' عفّت کا نگہبان' انبیاً کا مددگار اور رسولوں کا معاون قرار دیا ہے۔

منظر ہے انہیں رونقِ بازارِ نبوت　　یہ جانتے ہیں منصب و معیارِ نبوت
یہ قصرِ نبوت میں مددگارِ نبوت　　کہتے ہیں انہیں واقفِ اسرارِ نبوت
آنکھوں میں ہیں اندازِ رئیسانِ وفا کے
جبریلؑ حدی خواں ہیں سفیرانِ خدا کے

حضرت جبریلؑ کے مناقب بیان کرنے کے بعد آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں حضرت جبریلؑ کی موجودگی کا احساس دلایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ کس طرح کربلا کے میدان میں گلستانِ محمدؐ کو ویران ہوتے ہوئے دیکھا کیے۔ اس سلسلے میں یہ بند سن لیجیے۔

---

(۱)　(i) آغا قر حسنین (مرتب) لہو لہو کہکشاں　کراچی: ادارہ تقدیس قلم' ۱۹۸۹ء
(ii) قیصر بارہوی　منتخب مرثیے　لاہور: قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

وہ عصر کا سجدہ وہ تن و سر میں جدائی   مجبور بہن خاک پہ اور نیزے پہ بھائی
جبریلؑ کا وہ ضبط وہ فضہؑ کی دہائی   خیموں کی جگہ شامِ غریباں نظر آئی
زینبؑ کے قریں دیکھ کے زہراؑ و علیؑ کو
جبریلؑ نے پرسہ دیا مقتل میں نبیؐ کو

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

جبریلؑ کے ممنون ہیں دنیا کے اُجالے   لائے ہیں نبیوں کی فضیلت کے قبالے
اسرارِ خدا کر کے سلیمانؑ کے حوالے   یہ بھی ہیں سلیمانؑ کی ہوا باندھنے والے
دلچسپ جو کچھ آمدِ خوشبوئے صبا ہے
جبریلؑ کے ہونٹوں سے خدا بول رہا ہے

جبریلؑ وہ کارندۂ دربارِ الٰہی   مقدور جسے عالمِ افلاک پہ شاہی
خود کہتی ہے موسیٰؑ کی کمالات نگاہی   جبریلؑ ہیں توریت کی عظمت پہ گواہی
اے اہلِ نظر کیوں نہ کہوں بات کھلی ہے
جبریلؑ کی محنت یدِ بیضا میں چھپی ہے

کیا رنگ چڑھے چادرِ گردوں کی دھنک پر   حاوی نہیں کانٹے کی خلش گُل کی مہک پر
دنیا رہی مغرور صلیبوں کی چمک پر   جبریلؑ امیں لے گئے عیسیٰؑ کو فلک پر
پیغامِ بقا وقتِ فنا لائے ہیں جبریلؑ
واللہ مسیحاؑ کے بھی کام آئے ہیں جبریلؑ

تعلیمِ زبور آئینہ برداریِ تورات   انجیل کی تحریر تو قرآن کی آیات
بنیادِ مذاہب ہے بہر طور یہ اک بات   گلدستۂ تقدیس ہیں جبریلؑ کے حالات
ہر مصحفِ وحدت کا خلاصہ یہ سبق ہے
جو منکرِ جبریلؑ ہے وہ منکرِ حق ہے

کس شان سے شدّاد نے جنت بھی بنائی   ہر شاخِ شجر لعل و جواہر سے سجائی

جبریلؑ کہاں سنتے ہیں دعوائے خدائی
ہر چیز ہوا ہو گئی وہ ضرب لگائی

شداد کی جنت ہے نہ آشفتہ سری ہے
جبریلؑ کے شہپر کی صدا گونج رہی ہے

۴۲۔ وحدتِ مذہب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'وحدتِ مذہب' ۱۹۸۹ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ چوراسی بندوں کے اس مرثیے میں عصرِ حاضر میں مذہب کی ضرورت اور مذہب کی حفاظت کیلئے امامِ عالی مقامؑ کی بے مثال قربانیوں کا تذکرہ ہے۔(۱)

یہ مرثیہ قیصر بارہوی کی فکر اور عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس مرثیے میں شاعر نے مذہب کی حقیقت اور اس کے صحیح خدوخال کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ مذہبی اقدار کیا ہیں۔ شاعر کے نزدیک مذہب شناسی 'اسلام شناسی کے مترادف ہے۔ مذہب ایک راستہ ہے جس پر چل کر ہم اصول دین کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان عقل و ادراک سے کام لے اور اپنے قلب میں وسعت اور ذہن میں آزادیٔ فکر کی شمع روشن کرے۔ فرقہ کوئی بھی ہو اگر وہ فکری طور پر آزاد ہے اور عقلِ سلیم رکھتا ہے تو آپس میں جنگ و جدل اور بحث و مباحثہ سے گریز کرتا ہے۔ شاعر کے نزدیک تفرقہ باز تعلیمِ اسلام سے بے بہرہ ہے۔ خدا نے تو ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی کہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حکم پر عمل پیرا نہیں تو وہ خدا کا باغی ہے اور اسے حبل متیں کے معنی ہی نہیں آتے۔ اگر اتفاق اور اتحاد مقصدِ زندگی نہیں تو لامحالہ نفرت اور بغض جنم لیں گے جن سے معاشرہ کیا پوری دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ مذہب تو ایک ایسا گلاب ہے جس کی خوشبو سے شرافت اور نجابت معطر ہوتی ہے اس سے اخلاق و مروت کے بادل کشتِ عمل پر برستے ہیں اور باغِ اُلفت و محبت کو سیراب کرتے ہیں اگر تعصب اور منافرت نہ ہو تو یہ شجر سایہ دار بھی ہوتا ہے اور ثمر دار بھی۔

باغِ اُلفت کو تعصب سے سروکار نہیں

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

مثلِ مذہب تو کوئی نخل ثمردار نہیں

شاعر نے مذہب کا تعارف کرانے کے بعد اس کے محاسن بیان کئے ہیں اس سلسلے میں تشبیہات و استعارات کا بڑی خوبی سے استعمال ہوا ہے۔ شاعر کے خیال میں مذہب ایک دوشیزہ عصمت ہے جس کی اداؤں سے خیال کی تطہیر ہوتی ہے۔ مذہب اخوت و مساوات کا ازلی پیغام ہے جس سے نفس کی منزل پر ہر شخص کو یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں شاعر کے نزدیک مذہب کا مفہوم بہت وسیع ہے حمد الٰہی ہو یا توحید کی نشر و اشاعت، ذات وحدت کا تعارف ہو یا تخلیقِ عالم کی منزل، کنزِ مخفی کی صدا ہو یا تسلیم و رضا کا میدان، مذہب کا ایقان خود مشیّت الٰہی کی ضرورت ہے اگر کسی شخص نے تسلیم و رضا کے معنی سمجھ لئے تو اس نے خدا کو سمجھ لیا۔

چشم مذہب سے جو تسلیم و رضا کو سمجھا
درحقیقت وہی انسان خدا کو سمجھا

شاعر نے قصۂ آدمؑ و ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے بڑے اختصار سے یہ بتایا ہے کہ ابلیس کو جو سجدے کا حکم تھا وہ مذہب ہی کی معرفت تھی کیونکہ دین یا مذہب انسانی نہیں خدائی تخلیق ہے۔ ابلیس نے انکار سجدہ کر کے دین کی توہین کی اور راندۂ درگاہ ہوا۔ اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ ہم مذہب کی حرمت پر جان دے کر عبادتِ خداوندی کا اجر حاصل کریں۔

شاعر نے اپنے نظریے کو مستحکم کرنے کے لئے جناب نوحؑ، جناب ابراہیمؑ اور جناب موسیٰؑ کے واقعات سے استدلال فراہم کیا ہے۔ نوحؑ کا سفینہ، نمرود کی آگ کا گلزار ہونا اور طور پر شجر سے آواز کا نکلنا مذہب ہی کے کارنامے تھے۔ شاعر کی نظر میں سورۂ الحمد میں جن انعام یافتہ لوگوں کا رستہ بتایا گیا ہے وہی مذہب کا راستہ ہے جو لوگ اس راہ پر گامزن ہوں گے انہیں صراطِ مستقیم مل جائے گی اور جو اس راہ سے بھٹک جائیں گے وہ گمراہ اور مغضوب ہوں گے۔ شاعر نے نہایت خوش اسلوبی سے بتایا ہے کہ صراطِ مستقیم پنجتن پاکؑ کا راستہ ہے اگر کوئی ان سے تمسک کرلے تو راہِ نجات مل سکتی ہے۔

پنجتن پاک جنہیں خلق خدا کہتی ہے

ان کو اللہ نے دستارِ فضیلت دی ہے

پنجتن پاکؑ کے آخری فرد حسینؑ ابن علیؑ ہیں اسی مقام سے شاعر گریز کی منزل پار کر کے کربلا میں داخل ہو جاتا ہے۔

حرمتِ کلمہٗ اسلام ہے اسلام کا نام اسی حرمت کا تحفظ ہے حسینیؑ پیغام
کربلا رکھتی ہے وہ درسِ بقا فکرِ دوام جس کی تنویر پہ ہر دور میں سورج کا سلام
زندگی مصطفویؐ نور سے تابندہ ہے
کربلا روشنیِ مذہب پائندہ ہے

مذہب کی حفاظت اور کلمہ اسلام بچانے کے لئے امام حسینؑ اور ان کے گھرانے نے جو تکالیف اٹھائیں اور جو ظلم و ستم برداشت کئے شاعر نے نہایت تفصیل سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ خصوصیت سے امام حسینؑ کی بہن جناب زینبؑ نے دربارِ یزید میں یزید کی گفتگو کا جو ارتجالاً جواب دیا ہے وہ جناب زینبؑ کا نہیں بلکہ دینِ اسلام کی قوت کا جواب ہے۔ شاعر نے اس موقع پر ایک بھرپور انداز کی بیت کہی ہے:

دین کی زندگی دربار میں تقریر سے ہے
عزمِ شبیرؑ میں دمِ خواہرِ شبیرؑ سے ہے

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

دوستو آؤ ذرا معنیِ مذہب سمجھیں طبعِ انصاف لئے نور کی دنیا میں چلیں
جس میں کیفِ مدنیت ہے وہ آواز سنیں جہاں کعبے کی فضائیں ہیں وہ منظر دیکھیں
کربلا کیا ہے نجف کیا ہے مدینہ کیا ہے
بحرِ مذہب جسے چومے وہ سفینہ کیا ہے
زندگی ایک مسافت ہے تو اے اہلِ نظر اس مسافت کے لئے چاہیے اِک راہ گذر

صاف رستہ ہو تو آرام سے کٹتا ہے سفر کوئی اندیشۂ آئندہ نہ کچھ خوف و خطر
جس نے ذریّتِ آدمؑ کو مودّب رکھا
نام اس راز کا اللہ نے مذہب رکھا

باغِ ہستی میں ازل سے ہے بہارِ مذہب بزمِ انساں کا مقدّر ہے وقارِ مذہب
کس زمانے میں نہیں نقش و نگارِ مذہب وقت ہر وقت رہا آئینہ دارِ مذہب
جلوۂ کن فیکون سے یہ خبر ملتی ہے
شیشۂ فجر میں مذہب کی سحر ملتی ہے

حمد کا لہجۂ آغاز بیانِ مذہب نثرِ توحید مسلسل بہ زبانِ مذہب
محورِ نام و نشاں نام و نشانِ مذہب گلشنِ ظاہر و باطن ہے جہانِ مذہب
عقل کی آبرو مذہب کے قلمدان سے ہے
ذاتِ وحدت کا تعارف اسی عنوان سے ہے

حُسنِ تخلیق حقیقت میں ہے نورِ مذہب نورِ اوّل کی تجلّی ہے ظہورِ مذہب
کنزِ مخفی سے ملاتا ہے شعورِ مذہب خود مشیّت کی ضرورت ہے سرورِ مذہب
وقت کا پھول کھلا ہے اسی خوشبو کے لئے
یہی پیمانۂ برحق ہے من و تو کے لئے

۴۳۔ تربیت

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'تربیت' ۱۹۹۱ء میں تخلیق ہوا اور سب سے پہلے کراچی میں آغا قمر حسنین نے 'لہو لہو کہکشاں' میں شائع کیا۔ اس کے بعد یہ مرثیہ قیصر بارہوی کے مرثیوں کے مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ بیاسی بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت ابو طالبؑ کے طریقۂ تربیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں حضرت زینبؑ کی حضرات عونؑ و محمدؑ کی بے

مثال تربیت کے رُخوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔(۱)

تربیت کا تعلق معاشرتی اور نفسیاتی مسائل سے ہے۔ بچہ کس گھرانے اور کس خاندان میں پرورش پاتا ہے۔ماں باپ اسے کس نہج پر پروان چڑھاتے ہیں اس کی تعلیم و تربیت اور اہل خانہ، اہل محلہ اور اہل زمانہ سے تعلقات کی ساری کاوشیں معاشرت سے متعلق ہیں لیکن اس کے رجحانات کو دیکھنا اور پرکھنا اس کے احساسات کا خیال رکھنا اور اس کی پسند و ناپسند پر غور کرنا نفسیات کے زمرے میں آتا ہے۔

قیصر بارہوی نے اپنے مرمیے کی ابتدا فلسفیانہ انداز میں کی ہے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ تربیت ہے کیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے۔ان کے نزدیک تربیت انسان کے ذہن کی تعمیر ہے یہ زندگی کے آئینے کی جلا اور خواہش دل کے پنپنے کی ادا ہے۔اگر تربیت اچھی ہو تو انسان ہر شے کو مسخر کر سکتا ہے۔عمدہ تربیت سے خاندان اور نسلیں عروج پاتی ہیں اسی سے معیشت اور کاروبار میں بہار آتی ہے اور انسان تربیت کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔

یہ امور زندگی میں وقت کی میزان ہے
تربیت انسان کے اوصاف کی پہچان ہے

انسانی زندگی میں حسن نظم اور اس کے دماغ میں جستجو کی خواہش تربیت ہی کی وجہ سے ہوتی ہے اگر انسان کے افکار بکھر جائیں اور ذہن میں انتشار پیدا ہو تو تربیت ان پراگندہ افکار کی ترتیب درست کر دیتے ہیں۔دنیا میں جتنے مدرسے، ادارے اور دانش کدے موجود ہیں ان کا کام تعلیم و تربیت دینا ہے لیکن اگر کوئی اس مقصد کو پورا نہیں کرتا اور تعصب کا اندھیرا پھیلانا چاہتا ہے تو وہ تربیت کا نہیں انسانیت کا خون کر رہا ہے۔

تربیت تو جلوۂ رب ہے یہ ماحول کو خراب ہونے سے روکتی ہے اور شریعت کی حفاظت کرتی ہے اگر تربیت صحیح ہو تو بڑے سے بڑا یزید اور ابنِ زیاد اس کی شمشیر سے کٹ جاتا

---

(۱) (i) آغا قمر حسنین (مرتب) لہو لہو کہکشاں کراچی: ادارہ تقدیس قلم، ۱۹۹۰ء
(ii) قیصر بارہوی معتبر مرمیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہے۔ صحیح تربیت تو شیر خوار بچوں کو سپاہی بنا دیتی ہے۔

حرمتِ گلشن پہ غنچوں کو گواہی کر دیا
تربیت نے شیر خواروں کو سپاہی کر دیا

شاعر نے مثالوں کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ اچھی تربیت کیا رنگ لاتی ہے۔ جناب ابوطالبؑ نے حضورؐ کی تربیت کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور حضورؐ کی آغوشِ تربیت میں پلنے والا بچہ علی ابن ابی طالبؑ دنیا کا بہترین شمشیر زن اور علم کے میدان میں نابغۂ روزگار ثابت ہوا۔ اس علیؑ کے ذریعے رسولؐ خدا نے دین کی تبلیغ کی اور جب یہ جوان ہوا تو اسی زورِ بازوئے پیغمبرؐ نے خیبر کا در اکھاڑا اور جنگ خندق میں عرب کے مشہور ترین سورما کا سر کاٹ کر اسلام کے سر پر فتح کا تاج رکھا۔ یہ ابوطالبؑ کی تربیت کا اثر تھا کہ شب ہجرت علیؑ رسولؐ کے بستر پر سو گئے حالانکہ گھر کے چاروں طرف تلواروں اور شمشیروں کا ہجوم تھا۔ پھر جب علیؑ کا وقت آخر آیا تو آپ نے اپنے بڑے بیٹے حسنؑ کو وصیت کی کہ جب لوگ تمہارے دشمن ہو جائیں تو صبر و ضبط سے کام لینا اگر باطل سر اٹھائے تو صلح کی تلوار سے اس کا سر کاٹ دینا:

اپنے دشمن کو ہرانا ضربتِ کردار سے
کاٹنا باطل کی گردن صلح کی تلوار سے

اسی طرح اپنے چھوٹے بیٹے حسینؑ کو سمجھایا کہ تمہارا دور بہت پر آشوب ہوگا۔ تمہارے سامنے کئی محاذ جنگ ہوں گے لیکن صبر و شکر کرنا۔ دشمن تم سے بدر و احد کا بدلہ لے گا تمہارا گھر لٹ جائے گا، تمہارے بچے بھوکے پیاسے قتل کر دیے جائیں گے لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا تم نبیؐ کے نواسے ہو نبیؐ کے دین کی حفاظت کرنا۔

مرثیے کے اختتامی بندوں میں شاعر نے شب عاشور کا منظر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح مائیں اپنے بچوں اور امام حسینؑ اپنے انصار کی تربیت کر رہے تھے۔ جناب زینبؑ اپنے بچوں کو سمجھا رہی تھیں کہ تم دونوں جعفر طیارؓ کے پوتے اور علیؑ کے نواسے ہو خبردار کوئی ایسا عمل نہ کرنا کہ خاندان کی عزت پر بٹہ لگے۔ میں نے تمہیں حسینؑ کے بیٹے علی اکبرؑ کا صدقہ قرار

دیا ہے کل جنگ ہو تو اپنے ماموں امام حسینؑ پر سب سے پہلے اپنی جانیں نچھاور کر دینا ۔

گلشنِ ایماں شہادت سے نکھارا جائے گا

کل مرے ماں جائے کا صدقہ اُتارا جائے گا

اور جب بچے شہید ہو گئے تو جنابِ ابوطالبؑ' جناب جعفر طیارؑ اور جناب فاطمہ زہراؑ کی روحوں نے عالم بالا سے جناب زینبؑ کو ان کی تربیت اولاد پر تہنیت کے پیغام بھیجے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

تربیت سے عرشِ عظمت ہے مقام زندگی　　تربیت سے ہم نے پایا احترامِ زندگی
تربیت نسلوں کی بیداری بنامِ زندگی　　حرفِ زرّیں لکھ گئے شائستہ کام زندگی

اس ہوائے عطر باراں سے چمن آباد ہے

تربیت ہر عہد میں اقدار کی بنیاد ہے

تربیت صحن معیشت میں ہوائے خوشگوار　　تربیت کی جلوہ فرمائی فروغِ کاروبار
تربیت مزدور کی آنکھوں میں اُجرت کا خمار　　سچے جذبے کی امانت' سچی محنت کا وقار

یہ امورِ زندگی میں وقت کی میزان ہے

تربیت انسان کے اوصاف کی پہچان ہے

دردِ ناکامی حصول تربیت سے معذرت　　تربیت ہے بازوؤں میں کامیابی کی سکت
علم سونا ہے تو سونے پر سہاگہ تربیت　　دولتِ اہلِ ادب ہے یہ جوازِ منفعت

قدر انساں یوں بڑھی ہے تربیت پانے کے بعد

جیسے ہیرا آبرو پائے تراش جانے کے بعد

تربیت اپنی طبیعت کو بھی دیتا ہے بشر　　آگے بڑھنے کے لئے فکر و نظر کی راہ پر
تربیت کی روشنی ہے تربیت کا اِک سفر　　روز و شب تحقیق حرف و لفظ پر دامِ نظر

ذہن و دل کے ساتھ حُسنِ نظم کی ترغیب ہے

تربیت بکھرے ہوئے افکار کی ترتیب ہے

بدخصالی دور میں پاکیزہ خصلت کی قسم	منفی نظروں سے اظہارِ مروّت کی قسم
غصّہ پینے میں کسی معصوم عادت کی قسم	ایک ہستی میں کمالِ آدمیت کی قسم

عزّت آغاز ہے جس میں یہ وہ انجام ہے
تربیت اچھی تو پورے خانداں کا نام ہے

۴۴۔ آئینہ انقلاب

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'آئینہ انقلاب' ۱۹۹۳ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ چہتّر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں غمِ حسینؑ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور کربلا میں امام عالی مقامؑ کی جنگ اور شہادت کا بیان ہے۔(۱)

شاعر نے ماہِ محرم کو آئینۂ انقلاب کہا ہے اور یہ بتایا ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا کی زمین پر جو نصاب مرتب کیا ہے اس کی رو سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زمینِ شعور پر سورج بچھے ہوئے ہیں۔ اگر چہ رسولؐ کا خاندان تباہ کر دیا گیا اور باغِ رسولؐ کا ایک ایک نخل کاٹ دیا گیا اس کے باوجود وہ کٹے ہوئے درخت بڑے سایہ دار ہیں۔

پامال پھول باعثِ فصلِ بہار ہیں
کاٹے ہوئے درخت بڑے سایہ دار ہیں

شاعر نے غمِ حسینؑ میں گریے کی فضیلت اور فوائد بتاتے ہوئے کہا ہے کہ رونا پست ہمتی کی دلیل نہیں ہے اشکوں سے شعور کی آنکھ دھلتی ہے اور جس آنکھ سے یہ آنسو ٹپکتا ہے اس میں خدا کا نور ہوتا ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ اجرِ رسالتؐ ادا کرو ہم غمِ حسینؑ میں رو کر اجرِ رسالتؐ ادا کرتے ہیں اگر انسان کا دل پتھر نہیں تو اپنے اٹھارہ بھائی بیٹوں کی لاشیں اٹھا کر اس کی آنکھ سے آنسوؤں کی برسات کیونکر جاری نہ ہوگی۔

شاعر عصرِ حاضر کی مجالس کے طور طریقوں پر تنقید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آج کل اپنی نمود و نمائش کے لئے مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ مرثیے میں رثا اور مصائب کا پہلو تقریباً ختم کر

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

دیا گیا ہے۔ مجلسوں میں جھوٹی واہ واہ کا اس طرح شور ہوتا ہے جیسے یہ مجلس نہیں مشاعرہ ہے۔

بزمِ عزا ہے درد کو تشکیل کیجئے
اس کو مشاعرے میں نہ تبدیل کیجئے

مجلسوں میں امام حسینؑ کی ماں کو حسینؑ کا پرسہ دینے کے لئے شرکت کی جاتی ہے۔ شاعر مرثیہ شناسوں سے سوال کرتا ہے کہ کیا تعزیت کے موقع پر تبسم ریزی مناسب ہے؟ جب مرثیے کی مجلس ہوتی ہے تو اس میں جناب سیدہؑ شریک ہوتی ہیں۔ ایسی مجالس میں چراغ تصنع جلانا اچھی بات نہیں۔ اس قسم کا عمل وہ لوگ کرتے ہیں جو غم شناس نہیں ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مجالس سے گریے کی صدا بلند نہ ہو۔ مرثیے کا وقار کبھی گھٹ نہیں سکتا کیونکہ مرثیہ نگاروں کی صف میں علیؑ کی بیٹی اُم کلثومؑ بھی شامل ہیں۔ ایسے مرثیہ نگار جو ذہنی تعیشات کے قائل ہیں وہ اپنے کو مرثیہ نگار نہ لکھیں کیونکہ مرثیہ تو اشکوں کی کہانی ہے اور اشکوں کا قافلہ کسی کے روکنے سے رک نہیں سکتا۔ شاعر نے اگلے بندوں میں فلسفۂ غم پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعر کے نظریے کے مطابق غم سے شعور بیدار اور وفا جاگتی ہے اس سے قلب کی روشنی اور آدمی کو انصاف کی منزل ملتی ہے۔ غم ہی کی وجہ سے آدمی ہر دل عزیز ہو جاتا ہے اگر انسان غم سے آشنا نہیں تو اسے آدمی نہیں وحشت کا پیکر کہنا چاہئے۔ جب حرمتِ انساں پاش پاش ہو جائے اور انسان کی روح ظلم شناس ہو جائے ایسے موقع پر حسینؑ کا ماتم عین زندگی ہے جس نے اپنی لوح دل پر حسینؑ کا نام لکھ لیا۔ اسے فضیلتِ کردار کی سحر مل گئی۔ حسینؑ کی قبر کی زیارت کرنے والوں کو خود رسولؐ خدا گلے سے لگائیں گے۔

آخر کے بندوں میں شاعر قتل گاہ کے مناظر کا نقشہ کھینچ کر یہ بتا رہا ہے کہ جب حضرت علی اصغرؑ بھی شہید ہو گئے تو حسینؑ آخری رخصت کے لئے خیمہ گاہ میں گئے۔ شاعر کو حیرت ہے کہ اتنے زخم کھا کر حسینؑ کس طرح رخصت ہوئے ہوں گے۔ ممکن ہے حسینؑ نے کربلا سے بھی سوال کیا ہو کہ تو نے میرے تمام ستاروں کو اپنی گود میں لے لیا۔ مقتل میں آ کر امام حسینؑ نے کبھی اپنے جوان بیٹے کی لاش پر نگاہ کی کبھی اپنے علمدار کو نہر کے کنارے دیکھا اور پھر خود ہی سوال کیا کہ اے عباسؑ تم تو وفا کی سیج پر آرام سے سو رہے ہو مگر تمام مصیبتیں دلبرِ زہراؑ

کے لئے چھوڑ گئے۔ امام حسینؑ کو ان شہیدانِ وفا سے جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ نے یادگار جنگ کی اور اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے یہ بتایا کہ حسینؑ کسی حالت میں مجبور نہیں۔ آخرکار عصر کے وقت امام حسینؑ نے شہادت پائی۔ خیامِ حسینیؑ میں تہلکہ مچ گیا۔ حسینؑ کی بہن نے بھائی کا سر نوکِ نیزہ پر دیکھا۔ دوسری جانب جناب ربابؑ نے خدا سے دعا کی کہ میرے پروردگار مجھے اس غم کو برداشت کرنے کا حوصلہ دے۔ جناب زینبؑ نے امام حسینؑ کے سر کی طرف رخ کر کے کہا اے میرے بھائی میں تنہا ربابؑ کو سمجھاؤں یا عباسؑ کی بیوہ کو حوصلہ دوں سکینہؑ کو سمجھاؤں یا علی اکبرؑ کی والدہ اُم لیلیٰ اور قاسمؑ کی والدہ اُمِ فروہؑ کی ڈھارس بنوں۔ ابھی یہ بین جاری تھے کہ خیموں میں آگ لگ گئی۔ جناب زینبؑ فوراً عابدِ بیمارؑ کے خیمے میں گئیں اور پوچھا کہ ہم لوگ آگ میں جل جائیں یا باہر نکل جائیں۔ امامؑ نے فرمایا پھوپھی اماں سب کو لے کر باہر چلی جائیں اور جانوں کی حفاظت کریں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ گھبرائیں نہیں ابھی کوفہ وشام کا سفر باقی ہے اور زنجیر پہن کر میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ چلوں گا۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

اظہارِ حق نہیں ہے تو کردار کچھ نہیں — کردار کچھ نہیں ہے تو گفتار کچھ نہیں
غفلت بھری حیات کے آثار کچھ نہیں — سچ ہے کہ بے شعور کا معیار کچھ نہیں
فرشِ عزا پہ خواہشِ دنیا لئے ہوئے
بیٹھا ہے روشنی میں اندھیرا کئے ہوئے

دیکھا ہے اس ادا سے بھی احساس پر شباب — وہ شخص جس کا سنگ دلی میں نہ تھا جواب
مجلس میں سن کے دسویں محرم کا انقلاب — بے ساختہ پکار اٹھا یوں بہ اضطراب
سارا غرور توڑ دیا اس خیال نے
گھر کس طرح لٹا دیا زہراؑ کے لال نے

جو صاحبِ قلم ہیں صداقت کے ترجماں — تائید حرف حرف کریں گے بیک زباں
حظِ نشاط ہی تو نہیں مقصدِ بیاں — لازم ہے کربلا ہو کمالِ سخنوراں
محرومِ شانِ عدل کوئی تجزیہ نہیں
جس میں رثا کی بات نہیں مرثیہ نہیں

مقصد ہو جب ستائشِ ذاتی سے ہمکنار — انسان مرثیے کو بناتا ہے اشتہار
مجلس میں واہ واہ کا بڑھتا ہوا خمار — شاعر کے قلب و ذہن پہ لاتا ہے یہ غبار
پہلو رثائیت کا نہیں ہے تو کیا ہوا
تائید فکرِ غیر کا حق تو ادا ہوا

کہنے کو کربلا سے تعلق مگر کہاں — آنکھوں میں رنگِ فن ہے شہیدوں کا درد کہاں
طوفانِ اضطراب محیطِ نظر کہاں — کس طرح روئے اہلِ حرم یہ خبر کہاں
یوں بھی تخیلات کا گلشن ہرا ہوا
پرسے کی بات میں ہے تبسم بھرا ہوا

۴۵۔ معراجِ نفس

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'معراجِ نفس' ۱۹۷۲ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ اُنہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں روزے کی فضیلت کا بیان اور حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

معراجِ نفس حقیقت میں حضرت علیؑ کا مرثیہ ہے جنہیں نفس اللہ اور نفسِ رسولؐ کہا جاتا ہے چونکہ شہادتِ حضرت علیؑ ماہِ رمضان میں ہوئی اور یہی روزے کا بھی مہینہ ہے اس رعایت سے اس مرثیے میں روزے کی فضیلت بھی بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ شاعر نے اسی قول کی روشنی میں اپنے

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

مرثیے کی ابتدا اللہ کے شہر مکہ سے کی ہے۔ اللہ کے شہر کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ اگر کوئی اس شہر میں قدم رکھے تو اسے ہر ہر مقام پر نور برستا دکھائی دے گا۔ ہر طرف معرفت کی دوکانیں کھلی ہوئی ہیں ہر چہار جانب رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے جو نعمتیں اس شہر میں نظر آتی ہیں کسی دوسرے شہر میں نہیں ہیں۔ یہاں روحانیت کی محفلیں بھی ہوئی ہیں۔ عارفین ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔ زمین و آسمان نور سے معمور ہیں اس شہر میں آنے والا سکون کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اس کی نظر تیز اور اس کی روح شاداب ہو جاتی ہے۔ یہاں آ کر قرآن کی تلاوت میں جو سرور ملتا ہے وہ کہیں نہیں ملتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بستی رحمتوں سے بھری ہوئی ہے۔

ہر اک خیال سے پاکیزگی برستی ہے
جو رحمتوں سے بھری ہے یہی وہ بستی ہے

شہر خدا کا ذکر کرنے کے بعد شاعر روزے کی فضیلتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ روزہ عقل کے باغ میں خوشبو اور ہر برائی کے لئے زہر ہے۔ روزے سے پارسائی آتی ہے اور دلوں کا مکدر آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ روزہ خدا کی حکمت اور ہدایت کی سبیل ہے۔ یہ نمازیوں کے لئے پیغامِ رحمت ہے اور نفس کا جہاد ہے۔ روزہ غم جہاں کا علاج ہے اور دل و دماغ میں اسی سے روشنی آتی ہے۔ اسی سے معاشرے میں مساوات اور زندگی میں ہمدردی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ روزہ حقیقت میں قناعت' محبت اور مروت کی آبرو ہے۔ روزہ ایسا پانی ہے جس سے دل کا غبار دُھل جاتا ہے۔ اسی سے معاشرہ سکون اور انسانیت کو آرام ملتا ہے۔ روزہ ایک جہاد ہے اور اسی سے نفس انسانی کو معراج ملتی ہے۔ روزہ ہوش و حواس کا معالج ہے اسی سے عقل تیز ہوتی ہے۔ شک اور گمان کی کیفیت ختم ہو کر یقین کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص روزہ رکھتا ہے اور نماز سے غافل ہے تو سمجھ لیں کہ وہ شخص فقط تکلم کر رہا ہے لیکن اس کا شعور پختہ نہیں ہے۔

روزے کی فضیلت بیان کرنے کے بعد شاعر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی ادائے صوم کا حال بیان کرتا ہے۔ حضورؐ کے گھرانے میں نہ عمدہ سحری نہ اعلیٰ افطار کا انتظام ہوتا تھا۔ جناب فاطمہؑ چکی بھی پیستی تھیں اور روزہ بھی رکھتی تھیں۔ جب حسنینؑ بیمار ہوئے تو جناب فاطمہؑ نے یہ منت

مانی تھی کہ اگر بچے صحت مند ہو جائیں گے تو تین روزے رکھوں گی۔ بچے صحت مند ہوئے۔ اہل خانہ نے روزے رکھے۔ تین دن عین افطار کے وقت تین سائلوں نے روٹیوں کا سوال کیا۔ اہل خانہ نے روٹیاں سائلوں کو دے دیں اور خود سادہ پانی سے افطار کیا۔ خدا کو اس گھرانے کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس نے سورۂ دہر میں ان حضرات کا شکریہ ادا کیا۔ اس واقعے سے شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر خلوصِ دل سے روزہ رکھا جائے تو خدا خود نعمتیں دیتا ہے۔

انیسویں شب کو ایک ظالم نے حالتِ سجدہ میں حضرت علیؑ پر خنجر سے حملہ کیا' نمازیوں نے قاتل کو پکڑ لیا اس کی گھبرائی اور پریشان حالت دیکھ کر حضرت علیؑ نے اسے دودھ کا شربت پیش کیا۔ شاعر کہتا ہے کہ جو شخص اتنا رحیم و کریم تھا دنیا والوں نے اسے بھی شہید کر دیا۔ باپ کا سایا سروں سے اٹھتے ہی نہ صرف گھر بلکہ پوری کائنات میں تہلکہ مچ گیا اور کہا گیا کہ یہ علیؑ کا قتل نہیں علم کا قتل ہے' عدالت اور امامت کا قتل ہے' یہ شجاعت اور استقامت کا قتل ہے۔ امام حسنؑ اور حسینؑ یتیم ہو گئے' زینبؑ و کلثومؑ بے وارث ہو گئیں۔ سینکڑوں یتامیٰ لاوارث اور بیوائیں بے سہارا ہو گئیں۔ اہلِ خانہ کی گریہ و بکا سن کر حضرت علیؑ نے انہیں واقعاتِ کربلا کے حالات بتائے اور یہ کہہ کر تسلی دی کہ مجھے تو صرف ایک زخم لگا ہے مگر میرے حسینؑ کے جسم پر ہزاروں زخم لگیں گے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

وفا کی روح' اطاعت کی شان ہے روزہ — شرافت بنی آدمؑ کی جان ہے روزہ
خدائے عشقِ بشر کا بیان ہے روزہ — عبادتیں ہیں تکلم زبان ہے روزہ
اسی شعور سے تکمیلِ آدمیت ہے
یہی شرف تو بلاواسطہ عبادت ہے

ریاضِ عقل میں خوشبو کی لہر ہے روزہ — کفِ وجود پہ جلووں کی نہر ہے روزہ
برائیوں کے لئے جامِ زہر ہے روزہ — سرِ گناہ پہ اک ضربِ قہر ہے روزہ
جنم لیا اسی گلشن میں پارسائی نے
اسی میں نور بنے ہیں دلوں کے آئینے

تمام حکمتِ ربِّ جلیل ہے روزہ　　ہداتیوں کی مکمل سبیل ہے روزہ
جہانِ قلب و جگر کی فصیل ہے روزہ　　ادائے فرض کی روشن دلیل ہے روزہ
پیامِ راحتِ جاں ہے نمازیوں کے لئے
جہادِ نفس ہے وحدت کے غازیوں کے لئے

غمِ جہاں کا مناسب علاج ہے روزہ　　اصولِ صبر و رضا کا رواج ہے روزہ
ضمیرِ عبد کو عزت کا تاج ہے روزہ　　کمالِ خیر ہے خیرالمزاج ہے روزہ
اسی سے قوم اخوت جمال ہوتی ہے
اسی نہال سے فطرت نہال ہوتی ہے

نگار خانۂ ہستی کی روشنی روزہ　　دل ونگاہ کے پھولوں کی تازگی روزہ
جہانِ روح میں اندازِ دلکشی روزہ　　بہ ہر کتاب طریقِ پیمبری روزہ
اماموں میں اسی معرفت کے جوہر ہیں
رسالتیں بھی اسی عطر سے معطر ہیں

۴۶۔ قرآن کی کہانی

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'قرآن کی کہانی' ۱۹۶۹ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ باون بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں قرآن کی فضیلت، پیکرِ رسولؐ میں اُس کا نزول اور کربلا میں حسینؑ کی آواز بن کر اُس کا جلوہ گر ہونا قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

شاعر نے قرآن کو مشخص کر کے اسی کی زبانی تمام واقعات کو بیان کیا ہے۔ ابتدائی بندوں میں قرآن نے ان مظالم کا تذکرہ کیا ہے جو نسل انسانی نے اس کے ساتھ روا رکھا۔ کبھی اس کے جگر پر تیر برسائے گئے کبھی نیزہ وخنجر مارے گئے کبھی اس کی آیات کا دل چھلنی کر دیا گیا اور کبھی اسے نیزوں پر بلند کیا گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ میں خدائے ذوالجلال کا بنایا ہوا دستور تھا

---

(۱)　قیصر بارہوی　معتبر مرثیے　لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

جسے جبریلِ امین نے قلب رسولؐ خدا پر اتارا۔ یہ سچ ہے کہ عہد رسالتؐ میں میری بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ لوگوں نے میری آیتوں کو پڑھا اور حفظ کیا لیکن جس مقصد کے لئے مجھے نازل کیا گیا تھا اسے مسلمانوں نے بھلا دیا ۔

کہنے کو تو دنیا نے پڑھا' پڑھ کے سنایا
لیکن مرے مقصد کی طرف کوئی نہ آیا

قرآن کہتا ہے کہ میری حکمتوں پر عمل کر کے اسلامی لشکر کی تشکیل ہوئی۔ کلمہ وحدت کی تشہیر ہوئی۔ ممالک فتح ہوئے مگر امت نے میرے احکام پس پشت ڈال کر فساد پھیلایا۔ انسانوں کے دکھ اور درد بھلا کر دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی۔ انتہا یہ ہے کہ مسلمان میرے دوست اور دشمن میں فرق نہ کر سکے آج لاکھوں مسلمان حج کرتے ہیں' احرام باندھتے ہیں' طواف کرتے ہیں مگر ان کی نظر مقصدِ حج سے دور ہے۔ خدا کے گھر میں بھی جا کر ان پر دنیا غالب رہتی ہے ان کی حالت یہ ہے کہ ۔

کعبے کی جو قسمت ہے وہ منظر نہیں دیکھا
دیوار کو بوسے تو دیے در نہیں دیکھا

قرآن کہتا ہے کہ میں صامت ہوں لیکن تمام انبیا اور رسل میرے پیکر ہیں۔ آدم سے لے کر ختمی مرتبتؐ تک میں ہر نبیؑ کے ساتھ رہا اور میں نے ہر نبیؑ کی کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی کی۔ آدمؑ و حوا کی جو بھی تگ و تاز ہوئی میں ان کے ساتھ رہا۔ حضرت نوحؑ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت یونسؑ' داؤدؑ و سلیمانؑ غرض ہر پیغمبر نے معجزے یا مصائب میں مجھے ہی پکارا۔ جناب ایوبؑ جن مصائب سے گزرے الفاظ میں طاقت نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ انہوں نے میری آیات کا مطالعہ کیا انہیں حرزِ جاں بنایا۔ آخر کار صبر کی تلوار سے انہوں نے حزن و بلا کا گلا کاٹ دیا۔ کوئی نبی ایسا نہ تھا کہ میں نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ یہاں تک کہ میں تجسیم ہو کر پیغمبر آخرؐ کے پیکر میں آ گیا۔ شاعر نے اس مقام پر قرآن کے حوالے سے حضورؐ کے زمانے کا بڑی خوبی سے نقشہ کھینچا ہے جب حضورؐ مکے میں پیدا ہوئے تو ہر طرف الحاد اور شرک کے بادل چھائے ہوئے

تھے۔ پتھر کے خداؤں کا راج تھا لیکن جونہی قرآنی آیات اُترنا شروع ہوئیں تو۔

بطحا کی زمیں گونج اٹھی میری صدا سے
بجھنے لگے باطل کے دیئے حق کی ہوا سے

حضورؐ نے جونہی نبوت کا اعلان کیا مکے کے تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے اور آپؐ کو قتل کرنے کی سازشیں ہونے لگیں کبھی آپؐ کے جسم اطہر پر کوڑا پھینکا گیا کبھی نازک بدن سنگسار کیا گیا۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ مکے میں فقط ابو طالبؑ کا گھر تھا جہاں مجھے پناہ ملی کچھ عرصے بعد ابو طالبؑ تو دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے بیٹے علیؑ نے ہر جگہ اور ہر موقع پر میری حفاظت کی۔ علیؑ کی شہادت کے بعد ان کے دونوں بیٹوں نے آیاتِ قرآنی کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا جب حسنؑ زہر سے شہید ہو گئے تو رسولؐ خدا کا نواسا جو میرا بھی نواسا تھا میدان عمل میں نکل آیا۔

محنت کو مری دے کے دلاسا نکل آیا
میداں میں مرا چھوٹا نواسا نکل آیا

امام حسینؑ نے میدان کربلا میں آ کر قرآن کی حرمت و عزت کو بچایا۔ یزید کا خیال تھا کہ وہ گرداب بن کر قرآن اور قرآن والوں کو بہا لے جائے گا مگر حسینؑ نے مری آیات کو ساحل سے ہمکنار کر دیا اور پھر تو جو ہاتھ بھی مجھے مٹانے کے لئے اٹھا پنجۂ حسینیؑ میں آ کر ٹوٹ گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ظالم نے علی اکبرؑ کے سینے پر جو برچھی ماری تھی وہ حقیقت میں میرے سینے پر لگی تھی اور حرملہ نے جو تیر گلوئے اصغرؑ کو مارا وہ میرے گلے پر لگا تھا۔ عاشور کو عصر کے وقت حسینؑ نے جو آخری سجدہ کیا تھا اس سجدے سے قرآن کو تا ابد زندگی مل گئی اگرچہ حسینؑ کا سر کٹ کر نیزے پر چڑھ گیا لیکن قرآنی آیات کی توقیر اور اسلام کی عظمت زائل ہونے سے بچ گئی۔

سر کٹ گیا مقتول کا مقتل میں ہوئی شام
زندہ رہیں آیات بقا پا گیا اسلام

حسینؑ کا سر نیزے پر جا کر تلاوت کرتا رہا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حسینؑ قرآن سے ہے اور قرآن حسینؑ سے ہے۔

انصاف اگر ہو گا تو کہہ دیں گے مسلمان
قرآن سے شبیرؑ ہے شبیرؑ سے قرآن

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

کعبے میں تو کثرت سے نظر آتے ہیں حجاج — آنکھوں سے مگر دور عبادات کی معراج
اے کاش کبھی سوچتے یہ عقل کے محتاج — کیوں لٹ گیا میں کیوں مرا گھر ہو گیا تاراج
کیا مجھ پہ گزرتی ہے یہ سوچا نہ کسی نے
دشمن ہیں مرے کون یہ دیکھا نہ کسی نے

تحریم حرم کے لئے احرام تو باندھا — قائم رہا احساس پہ غفلت کا اندھیرا
سوچا ہی نہیں کیا ہے عدالت کا تقاضا — ہر طرح سے کردار پہ غالب رہی دنیا
کعبے کی جو قسمت ہے وہ منظر نہیں دیکھا
دیوار کو بوسے تو دیئے در نہیں دیکھا

میں پردۂ توحید سے آیا ہوا اعجاز — سینے میں لئے قدرت معبود کا انداز
پہلے تو بنا آدمؑ و حوا کی تگ و تاز — بعد ان کے کبھی شیثؑ کبھی نوحؑ کی آواز
جب نوحؑ نے کچھ نام سفینے پہ لکھے تھے
دنیا کو مری شرح کے عنوان ملے تھے

عنوان پڑھے رُک گئی طغیانیِ طوفاں — پانی پہ فدا ہو گئی بیداریِ انساں
پھر بھی نہ یہ سوچا کہ ہوئے کون نگہباں — احسان فراموش بنے پیرو شیطاں
جو اپنے پیمبرؐ کی محبت سے جدا تھے
لاریب وہی خمسۂ وحدت سے جدا تھے

پڑھتا کوئی گذرے ہوئے طوفان کی تحریر عبرت کا صحیفہ تھا کہ ایمان کی تحریر
صحراؤں کے سینے پہ بڑی شان کی تحریر سمجھا گئی یہ بات وہ ایقان کی تحریر
جو لوگ پیمبرؐ کے سفینے میں نہیں ہیں
وہ رحمتِ یزداں کے مدینے میں نہیں ہیں

۴۷۔ جنابِ سیدہؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'جنابِ سیدہؑ' ۱۹۹۳ء میں تخلیق ہوا اور اُن مرثیوں کے مجموعے 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ باسٹھ بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں جناب فاطمہؑ کی زندگی کے حالات اور رسولؐ خدا کی وفات کے بعد اُن پر ہونے والے مظالم کا حال قلمبند کیا گیا ہے۔(۱)

قیصر بارہوی نے مرثیے کی ابتدا میں رسولؐ خدا کی تعریف و توصیف کی ہے اور بتایا ہے کہ حضورؐ اس کائنات کا مقصد عظیم ہیں اور روئے زمین پہ سب کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی نورِ وحدت کی روشنی اور آپ کا گھر مشیت الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اس گھر کے تمام افراد وحدت کی روشنی ہیں انہوں نے سجدے کر کے بتایا کہ کعبہ خدا کا گھر ہے۔ جناب سیدہ فاطمہؑ باغ رسالتؐ کی ایک کلی ہیں جو عصمت مآب اور شرم و حیا کا مرکز ہیں۔ باغ رسالتؐ سے جو خوشبو نکل رہی ہے اس خوشبو کا نام زہراؑ ہے۔

کیا حلقۂ اصول کا زریں نظام ہے
خوشبو ہے جس کا نام وہ زہراؑ کے نام ہے

حضورؐ نور اولیں ہیں آپ نے بیٹی کی اس طرح تربیت کی کہ اس میں باپ کی مکمل سیرت کے پہلو نظر آنے لگے۔ کمسنی میں اس بچی کا جھولا سلطان انبیا جھلاتے تھے اور سبحان ربنا کی لوریاں دے کر اسے اپنی آغوش میں سلاتے تھے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جناب فاطمہ محمد مزاج ہو گئیں خدا نے جناب فاطمہؑ کو ماں بھی ایسی دبدبے اور جلال والی دی تھی کہ ماں کی سیرت و کردار جناب

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

فاطمہؑ کی زندگی کا نصب العین بن گیا۔ جناب فاطمہؑ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے شاعر نے استعاروں میں بات کی ہے۔ جناب فاطمہؑ اس دنیا میں صرف اٹھارہ سال زندہ رہیں لیکن انہوں نے اپنے طرز زندگی سے ثابت کر دیا کہ عورت میں بھی قیادت کی شان ہوتی ہے۔ شاعر نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا کی عورتوں سے کہا ہے کہ اگر وہ بھی سیرتِ زہراؑ پر عمل کریں تو ان کا معیارِ زندگی بلند ہو سکتا ہے۔ ان کی زبانوں پر گیتوں کی جگہ قرآنی آیات ہوں اگرچہ بعد رسول فاطمہؑ کی زندگی اجیرن ہو گئی لیکن انہوں نے صبر و شکر کا مظاہرہ کیا اور خندہ پیشانی سے ہر ظلم کا مقابلہ کیا۔

شاعر نے جناب سیدہؑ اور حضرت علیؑ کی ازدواجی زندگی کا بھی نقشہ کھینچتے ہوئے بتایا ہے کہ چھوٹے سے گھر میں میاں بیوی کی رفاقت کی وجہ سے اسلامی ماحول پھل پھول رہا تھا۔ زوجین ہم خیال، ہم فکر اور ہم آواز تھے۔ جب گھر کی رونق میں اضافہ ہوا اور بچے پیدا ہوئے تو ماں باپ نے ان کی تربیت اس انداز میں کی کہ وہ زمانے کے آلام اور دشمنوں کے ظلم و ستم کا مقابلہ کر سکیں۔ حسنؑ حسینؑ جیسے بیٹے اور زینبؑ وکلثومؑ جیسی بیٹیاں اس نہج پر پروان چڑھیں کہ ایک طرف تو انہوں نے حفاظتِ اسلام کا فریضہ ادا کیا اور دوسری طرف دشمنانِ اسلام کا دندان شکن جواب دیا۔ شاعر نے جناب فاطمہؑ کی کنیز خاص جناب فضہؓ کا ذکر بھی بڑی آب و تاب سے کیا ہے۔ خانہ جناب سیدہؑ میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے کنیز کی ایسی تربیت ہوئی کہ وہ مدتوں سوالات کے جوابات قرآن کی آیتوں سے دیتی تھیں۔

یوں بھی نوازشات کی برسات ہو گئی
ان کی کنیز شاملِ آیات ہو گئی

جناب سیدہؑ نے بڑی غربت میں زندگی بسر کی وہ گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھیں۔ چکی پیسنا، گھر کی صفائی کرنا، کھانا پکانا، بچوں کی نگہداشت معصومہؑ کے روزانہ کے کام تھے۔ ان تمام تکالیف و آلام کے باوجود وہ ہمیشہ شکر خدا کرتی تھیں۔

اختتامی بندوں میں شاعر نے جناب سیدہؑ کی وفات کا تذکرہ نہایت درد انگیز لہجے میں کیا ہے۔ مرنے سے قبل آپ نے اپنے جانثار شوہر سے کچھ وصیتیں کیں پھر اپنی کنیز خاص

فضہؓ سے کہا کہ کربلا کے واقعے میں تو ہوگی میرے بچوں اور بچیوں کا خیال رکھنا۔ جب میری بیٹیوں پر مصیبت آئے تو ان کی سپر بن جانا۔ وصیت کر کے معصومہؑ انتقال کر گئیں۔ رات کی تاریکی میں آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور اہلِ مدینہ نے جنازے میں شرکت نہ کی۔ شاعر نے اس موقع پر نہایت افسوس کے ساتھ کہا ہے کہ پیغمبرؐ کی بیٹی کے ساتھ اہلِ دنیا کا یہ سلوک ناقابلِ فہم ہے۔ پہلے تو اسے باپ پر رونے نہ دیا گیا اس کے بعد اس کی خواہش کے مطابق اس کی قبر باپ کے پہلو میں بنانے کی اجازت نہ ملی۔

خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مِل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مِل سکا

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

کرتی رہی سوال محمدؐ کی لاڈلی — کیوں اہلِ شہر کچھ بھی نہیں فرقتِ نبیؐ
دیکھا کسی رسولؐ کی امت میں یہ کبھی — پرسہ بھی تم نہ دے سکے اللہ ری بے حسی
لازم ہے کچھ تو شرم خدا و رسولؐ سے
رونے کا حق بھی چھین رہے ہو بتولؑ سے

چھایا حیاتِ بنتِ نبی پر وہ اضطرار — تڑپے جو مزار بھی محبوب کردگار
دربار میں کھڑی رہی عصمت کی تاجدار — اس واقعہ پہ آج بھی انساں ہیں اشکبار
اتنی تو بات کھل گئی قتلِ شعور سے
آذر مزاج پھر گئے قرآں کے نور سے

دربار کے دیے ہوئے زخموں نے کہہ دیا — دنیا میں چند روز کی مہماں ہے فاطمہؑ
وقت آ گیا تو بنتِ پیمبرؐ نے دی صدا — فضہ مری شریکِ ریاضت قریب آ
تیری سرشت میں ہے وفا جانتی ہوں میں
فضہؓ تجھے بہن کی طرح مانتی ہوں میں

فضہؑ ترے سپرد ہے اب میرا گلستاں　　تو میرے بعد ہے مرے بچوں کی پاسباں
بچے تجھے سمجھتے ہیں میری طرح سے ماں　　اب میرا پیار تیری محبت سے ہو عیاں
احساسِ رنج ہو نہ کسی نور عین کو
رکھنا سکوں سے میرے حسنؑ اور حسینؑ کو

فضہؑ یہ میرے لال ہیں معصوم کم سخن　　میں نے ہزاروں ناز سے پالا ہے اے بہن
رکھنا خیال ان میں ہو جب کوئی بے وطن　　میں جانتی ہوں زہر پیئے گا مرا حسنؑ
ہوش و حواس ضبط کے سانچے میں ڈھالنا
فضہؑ مرے حسنؑ کا کلیجہ سنبھالنا

۴۸۔ جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ' ۱۹۹۵ء میں تخلیق ہوا اور 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں حضرت فاطمہؑ بنت اسد کی سیرت و کردار کا حال قلمبند کیا گیا ہے اور آخر میں جنابِ زینبؑ کی شہادت بیان کی گئی ہے۔ (۱)

اسد جناب ہاشمؑ کے بیٹے تھے۔ فاطمہؑ ان کی صاحبزادی تھیں۔ اسد کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی فاطمہؑ کی شادی حضرت ابوطالبؑ سے ہوئی اور فاطمہؑ کے بطن سے چار بیٹے پیدا ہوئے جن میں حضرت علیؑ سب سے چھوٹے تھے۔ فاطمہ بنتؑ اسد حضورؐ کی چچی تھیں اور جناب آمنہؑ کی وفات کے بعد فاطمہ بنتِ اسدؑ نے ہی حضورؐ کی پرورش کا بار اپنے نازک کاندھوں پر اٹھایا۔

مرثیے کے ابتدائی بندوں میں شاعر نے جنابِ اسدؑ ابن ہاشم کا تعارف پیش کیا ہے۔ اسدؑ کے بارے میں یہی کہنا کافی ہے کہ انہوں نے اصنام پرستی سے کبھی تعلق نہ رکھا اور تاعمر توحید ہی کے پرستار رہے۔ شاعر نے جنابِ آمنہؑ اور جنابِ فاطمہؑ بنت اسد کا موازنہ

---

(۱)　قیصر بارہوی　معتبر مرثیے　لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آمنہ کی گود رسالت کے نور سے روشن ہوئی اور فاطمہ کی گود امامت کی تجلی سے ضوفشاں ہوئی۔ فاطمہ بنتِ اسدؑ کی توصیف بیان کرتے ہوئے شاعر نے کہا ہے کہ وہ اک پیکر تسلیم تھیں۔ اگر آمنہ فخر دو جہاں کی ماں ہیں تو فاطمہ بھی بولتے قرآن (علیؑ) کی ماں ہیں۔ جبریلؑ امیں ان کی عزت کرتے تھے کیونکہ فاطمہؑ جبریلؑ کے استاد علیؑ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ رسول اکرمؐ کے ساتھ ان کا سلوک بیٹوں سے بڑھ کر تھا وہ اپنے چاروں بیٹوں کو ہمیشہ یہی نصیحت فرماتی تھیں کہ محمدؐ کی دل و جان سے حفاظت کرنا اگر محمدؐ پر کبھی برا وقت آئے تو سب کے سب سینہ سپر ہو جانا۔ جب ابو طالبؑ خدیجہؑ کا سامان تجارت لے کر شام جاتے تھے تو حضورؐ بھی ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔ حضورؐ کی محنت اور صداقت کی وجہ سے خدیجہؑ کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ آخر کار حضورؐ کا عقد خدیجہؑ سے ہو گیا اور خطبہ ابو طالبؑ نے پڑھا۔ نزول قرآن سے قبل جو الفاظ ابو طالبؑ نے ادا کیے وہی قرآن کی آیات بن کر قلبِ رسولؐ پر نازل ہوئے۔

شاعر نے کئی بندوں میں فاطمہ بنت اسد کا کعبے میں جانا اور ولادت حضرت علیؑ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دیگر تلمیحات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ماں کی دعاؤں اور اس کے دودھ کی تاثیر کے اثر سے حضرت علیؑ نے مافوق الفطرت کارنامے بچپن میں سرانجام دیئے۔ شبِ ہجرت حضرت علیؑ کا تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ پیغمبرؐ پر سونا فاطمہ بنت اسد کی تربیت کے سبب تھا۔ فاطمہ بنت اسد نے صرف علیؑ ہی کی تربیت پر نظر نہ رکھی بلکہ جناب خدیجہؑ کی بیٹی زہراؑ کی تربیت میں بھی ہاتھ بٹایا وہ زہراؑ کا منہ دھلاتیں، بال سنوارتیں اور ان کے خورونوش کا بھی انتظام کرتی تھیں ان کی دوربین آنکھوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ معصومہؑ دو جہاں کے لئے حیدرؑ سے بہتر کفو کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ فاطمہ بنت اسدؑ کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو گی کہ اللہ کے رسولؐ نے بنت اسد کے انتقال پر خود ان کی قبر کھودی، اپنی پوشاک کا انہیں کفن دیا خود قبر میں اتارا اور چچی کے لئے دعائے تلقین پڑھی۔ دفن و کفن کے بعد حضورؐ گھر میں آ کر لوگوں سے اپنی چچی کی وفات کا پرسہ لیتے رہے اور جب تک زندہ رہے اپنی والدہ سے زیادہ اپنی محسنہ چچی کو یاد کرتے رہے۔ شاعر اس مقام پر ایک غیبی آواز کا سہارا لیتا

ہے جو حضورؐ سے کہہ رہی تھی کہ آج آپ جسے کفن پہنا کر اور دفنا کر بیٹھے ہیں کل روز عاشورہ اسی کے پوتے خاک کربلا پر بے گور و کفن پڑے رہیں گے اور اس کی پوتیاں سر برہنہ کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں در در پھرائی جائیں گی۔ نوجوانوں کے جگر نیزے سے چھلنی ہوں گے اور بچوں کے گلے تیر اجل کا نشانہ بنیں گے۔ حد یہ ہے کہ کوئی بی بی اپنے وارث کی لاش پر رونے نہ پائے گی۔

قیصر بارہوی نے بیان مصائب کے لئے فاطمہ بنت اسد کی پوتی جناب زینبؑ کی مظلومیت اور ان کی وفات حسرت آیات کا ذکر منتخب کیا ہے۔ اس بی بی نے کربلا، کوفہ اور شام میں سخت ایذائیں برداشت کیں۔ زندان شام میں شب و روز گزارنے کے بعد پھر کربلا آئیں اور اپنے ماں جائے امام حسینؑ کی قبر پر اپنی دردناک کہانی سنائی۔ مدینے میں صفِ عزائے حسینؑ بچھا کر یزید کے ظلم و ستم کو آشکارا کیا جب دوبارہ امام زین العابدینؑ کی دربار شام میں طلبی ہوئی تو ان کے ہمراہ جناب زینبؑ اور کنیز فضہؑ بھی تھیں۔ اثنائے سفر میں اس باغ میں قیام ہوا جہاں امام حسینؑ کا سرِ اقدس ایک درخت سے لٹکایا گیا تھا۔ ابھی بہن اپنے بھائی کے مصائب پر گریہ کناں تھی کہ ایک بدبخت نے بیلچے سے جناب زینبؑ کو شہید کر دیا۔ اگرچہ درد و الم کے اس مرقع کا خاتمہ ہو گیا مگر ساری دنیا آج جناب زینبؑ کی وفا، بہادری اور استقامتِ فکر و نظر کی داد دے رہی ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

سب جانتے ہیں کس کے لئے تھا یہ نیا در در ہوتے ہوئے کس لئے اک اور بنا در
کیوں اور کسی کے لئے پہلے نہ کھلا در خاموش رہا شہر مگر بول اٹھا در
زوجِ ابوطالبؑ تمہیں کس بات کا ڈر ہے
سب کے لئے کعبہ ہے تمہارے لئے گھر ہے

یہ مرحمۂ بنتِ اسدؑ افضلِ عالم بے مثل سرِ ارضِ جہاں شانِ مکرم
کیوں فکر کریں اس شرف ذات پہ مریمؑ اللہ کرے جس کو معظم وہ معظم

مطلق یہاں گنجائشِ جذبات نہیں ہے
حق دار نے حق پایا ہے خیرات نہیں ہے

برسا ہے عجب ابرِ کرم بنتِ اسدؑ پر یہ تارِ نفس بن گیا رحمت کا سمندر
قربان ہوا اک مہ نو پر شہِ خاور حاصل ہوا سرمایۂ تبلیغِ پیمبرؐ
مسرور کیا قوتِ بازو سے نبیؐ کو
اللہ نے کعبے میں اُتارا ہے علیؑ کو

کعبے میں علیؑ آئے تو کعبے نے پکارا اب دیکھے زمانہ مری قسمت کا ستارا
روکے تو کوئی چشمۂ توحید کا دھارا اب طولِ ابد کو ہے یہ قدرت کا اشارا
اسلام سے وابستگیاں عام ہوئی ہیں
اب بنتِ اسدؑ مادرِ اسلام ہوئی ہیں

اب آ گیا کعبے کے لبوں پر یہ ترانا زیرِ قدم بنتِ اسدؑ اب ہے زمانا
مٹ جائے گا اب کفر کا بے رنگ فسانا کعبے کی بقا ہے ابوطالبؑ کا گھرانا
ایمان کی ہر بات بصد شان رہے گی
اب تیرہ رجب دین کی پہچان رہے گی

۴۹۔ عزاداریِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ "عزاداریِ حسینؑ" ۱۹۶۱ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ بہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں عزاداری کی اہمیت، عزاداروں کے مصائب اور واقعۂ کربلا کے بعد حضرت زینبؑ کے بین قلمبند کیے گئے ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی نے اس مرثیے میں فلسفۂ عزاداری پر روشنی ڈالی ہے۔ عزاداری اہلِ اسلام کا ایک طریقۂ زندگی ہے جس میں مظلوم کی حمایت اور ظالم سے نفرت کا اعلان کیا جاتا

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

ہے۔عزاداری توحید الٰہی کو بچانے، رسالت و امامت کی حفاظت کرنے اور قرآن و کعبہ کی حرمت کو برقرار رکھنے کا نام ہے چونکہ اسلام کا مدعی یزید ان عقائد سے منحرف ہوگیا تھا اس لئے امام حسینؑ نے یزیدی اسلام کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے لئے اپنی اور اپنے اعزہ کی قربانی دے دی اور حقیقی اسلام کو بچا لیا یہی احتجاج عزاداری کا مقصد ہے۔شاعر نے مرثیے کے ابتدائی بندوں میں عزاداری کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے تشبیہات اور استعارات کے ذریعے یہ بتایا ہے کہ عزاداری اصل میں انسان کی آبرو اور خیر العمل کی تجلی ہے۔اس سے انسانی آنکھ بیدار ہوتی ہے اور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے۔عزاداری وفا کا حسن اور اللہ کی رضا کا نام ہے یہ ایک ایسا نصاب ہے جس پر عمل کرنے سے ظلمت کا خاتمہ ہوتا ہے اور حق کی روشنی ابھرتی ہے۔اگر انسان عزاداری کی روح کو سمجھ لے تو اس کی روح عروج پاتی ہے اور قرآن و حدیث کے اصل مفاہیم سے واقفیت ہو جاتی ہے۔آلِ پیمبرؐ نے اپنا خون دے کر اہلِ ستم کے جنون کا خاتمہ کر دیا۔اہلِ ستم نے روشنی کا باغ لوٹ لیا اور کوشش کی کہ عالم میں اندھیرے کا راج ہو جائے۔

ایک وقت آیا کہ یزید تو دنیا سے چلا گیا لیکن یزیدیت نے پر پرزے نکالے۔بعد کے آنے والے حاکموں نے مدینے کی حرمت گھٹانے اور بغداد کی عظمت بڑھانے کے لئے عزاداروں پر شدید قسم کے حملے کئے۔عزاداران امام مظلوم کو پابند طوق و سلاسل کیا اور ان کے سر کاٹ کر بغداد میں ان کے خون کے گاروں سے محل بنائے گئے۔جو کوئی کربلا کا نام لیتا اسے تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا۔ستم اس قدر بڑھ گیا کہ مقتولین کی لاشوں پر قہقہے لگائے جاتے تھے۔ان مصائب کے باوجود عزاداروں نے عزائے حسینؑ کا فریضہ ترک نہیں کیا۔ماؤں کے سامنے ان کے بچوں کو قتل کیا گیا۔ان کے گھروں میں آگ لگا دی گئی۔عزاداروں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے مگر عزائے حسینؑ بند نہ ہوئی۔قوم کے نوجوان علی اکبرؑ کے غم میں قوم کے بچے عون و محمدؑ کے غم میں اور قوم کی مستورات جناب زینبؑ کے غم میں آگے بڑھتی گئیں۔حسینؑ کا نعرہ صرف عرب ممالک تک محصور نہ رہا بلکہ تمام دنیا نے اس نعرے کو اپنی حیات کا مقصد بنا لیا۔انسان نے

صرف زبان سے حسینیؑ اقدام کی تائید نہ کی بلکہ ہر زبان کی تحریر میں بھی خونِ حسینؑ کی سرخی نظر آنے لگی۔ یہ اسی عزاداری کا اثر تھا کہ طلسمی کہانیاں پڑھنے والے بچوں نے کتابِ کربلا کے اقتباس پڑھنا شروع کر دیے۔ عزاداری کا سب سے اہم کمال یہ نظر آیا کہ محکوم قوموں نے حسینیؑ انقلاب کا نعرہ لگا کر اپنی اپنی ظالم حکومتوں کو رخصت کر دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ نامِ حسینؑ اور حسینیتؑ نام انقلاب ہے۔

شاعر نے اس مقام پر چند بند رسوم عزاداری پر کہہ کر بتایا ہے کہ محرم کا چاند نظر آتے ہی عزاخانے سج جاتے ہیں۔ مجلسوں کا اہتمام ہوتا ہے سوز و مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ اہلِ دل اشک بار ہوتے ہیں۔ اہل ہمت ماتم کرتے ہیں۔ جلوس عزا برآمد ہوتے ہیں۔ حضرت عباسؑ کا علم نشان فتح کے طور پر اٹھایا جاتا ہے۔ دراصل عزاداری سبطِ رسول کا ایک تحفہ ہے جو انہوں نے رسولِ اسلام کو پیش کیا۔ عزادار جو رسوم عزاداری ادا کرتے ہیں ان کا قرآن حکیم میں شعار اللہ کی صورت میں جواز موجود ہے۔

یہاں سے شاعر نے روزِ عاشورہ کا ذکر شروع کر دیا کہ کس طرح محمدؐ کی آل نے محمدؐ کے دین کے لئے قربانی دی۔ بچوں کا قتل امام کی شہادت خیموں میں آگ لگنا' مستورات کا سر برہنہ ہونا' امام زین العابدینؑ کا طوق و سلاسل میں گرفتار ہونا پھر آلِ اطہار کا کوفہ و شام کے بازاروں میں پھرایا جانا اسی قسم کے دیگر مصائب کا ذکر کیا گیا ہے۔ دربارِ شام کی صعوبت اور قید خانے کی مصیبت جھیلنے کے بعد اہلِ حرم جب لوٹ کر کربلا پہنچے ہیں تو جناب زینبؑ نے بھائی کی قبر سے لپٹ کر جو اندوہناک اور درد انگیز بین کئے ہیں شاعر نے پوری تفصیل سے بیان کر کے مرثیے کا اختتام کیا ہے۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

حسنِ رُخِ وفا ہے عزاداریِ حسینؑ   روحِ گلِ بقا ہے عزاداریِ حسینؑ
میں کیا بتاؤں کیا ہے عزاداریِ حسینؑ   اللہ کی رضا ہے عزاداریِ حسینؑ

صدیوں کے ہے سفر کا احاطہ کئے ہوئے
یہ سلسلہ ہے طولِ قیامت لئے ہوئے

روحِ صدِ انقلاب عزاداریِ حسینؑ اک رہنما نصاب عزاداریِ حسینؑ
ظلمت کا سدباب عزاداریِ حسینؑ ہر ظلم کا جواب عزاداریِ حسینؑ
اس کا وجود خاتمۂ ہر فساد ہے
یہ داستانِ صبرؑ شبابِ جہاد ہے
درسِ عروجِ ذاتؑ عزاداریِ حسینؑ موجِ یمِ صفات عزاداریِ حسینؑ
اک لازوال بات عزاداریِ حسینؑ قرآن کی حیات عزاداریِ حسینؑ
مجلس نہیں ہے صرف روایات کے لئے
سامان ہے تحفظِ آیات کے لئے
اے دوستو تحفظِ آیات کی قسم بزمِ شعور فرشِ عزا سے ہوئی بہم
تقدیسِ فکر سے ہے قلم کار محترم صدقہ غمِ حسینؑ کا ہے دولتِ قلم
لفظوں کو آبروئے صداقت عطا ہوئی
قرآں ہو مطمئن وہ عبارت عطا ہوئی
اک ایسی داستاں ہے عزاداریِ حسینؑ جس کے سفر پہ دنگ ہے تاریخِ مشرقین
شعلے تھے فرشِ راہ تو خنجر تھے جانبین ایسے میں کس طرح بڑھی آوازِ قبلتین
ٹوٹا ہے جال اہلِ ستم کے جنوں کا
یہ معجزہ ہے آلِ پیمبرؐ کے خون کا

۵۰۔ شاعرِ دربارِ حسینؑ

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'شاعرِ دربارِ حسینؑ' ۱۹۵۵ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں شائع ہوا۔ اکہتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں دربارِ حسینؑ کے شاعر کے منصب و مرتبے پر روشنی ڈالی گئی ہے اور دربارِ یزید میں جناب زینبؑ اور سیّد سجادؑ کے خطبات پیش کیے گئے ہیں۔(۱)

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء

یہ مرثیہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں قیصر بارہوی نے تعلّی سے کام لیا ہے لیکن تعلّی بے جا نہیں کیونکہ شاعر اپنی نسبت دربارِ امام حسینؑ سے دے رہا ہے اس نے اپنے کلام کو اس لئے اعلیٰ اور برتر کہا ہے کہ یہ کلام اس کی شخصیت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ رسولؐ کے نواسے امام حسینؑ کے بارے میں ہے۔ شاعر نے کہا ہے کہ میں اس لئے ولی ہوں کہ کربلا کے بہتر شہیدوں کی ولایت مجھے حاصل ہے جب میرے تصور میں علی اکبرؑ کا چہرہ آتا ہے تو میرے لفظوں سے جمالِ پیغمبرؐ کی روشنی نکلتی ہے اور جب میں عباسِ دلاورؑ کو یاد کرتا ہوں تو میرے مصرعوں سے جلال حیدریؑ ٹپکنے لگتا ہے۔ مجھے اُلفتِ شبیرؑ کے آئینے میں طور کا جلوہ نظر آتا ہے جب میں قاسمؑ کا عمل اور اکبرؑ کی اذان صبح عاشورہ پر غور کرتا ہوں تو میرے دل میں اللہ کی توحید اور مستحکم ہو جاتی ہے۔ میں جب ذکرِ عبادت تحریر کرتا ہوں تو فوراً میرے ذہن میں نیزے پر تلاوت قرآن کرتا ہوا سر نظر آ جاتا ہے۔

شاعر اپنی غمگیں طبیعت کا راز بتاتا ہے وہ کہتا ہے کہ مظلوم سے رغبت اور ظالم سے نفرت فطرتِ انسانی ہے۔ میں حسینؑ اور حسینؑ والوں سے اس لئے محبت کرتا ہوں کہ وہ لوگ مظلوم تھے اور بے گناہ قتل کیے گئے۔ میں اس شخص کو انسان ہی تسلیم نہیں کرتا جو ظالم کا ساتھ دے۔ شاعر پھر کربلا کے مناظر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قافلہ حجاز اترا تھا ایک بد بخت اور بدکار شخص نے امامؑ سے بیعت کا تقاضا کیا۔ یہ تقاضا اس لئے کیا گیا کہ دشمن کے پاس اس وقت زمانے کا لشکر تھا۔ دولت کی فراوانی تھی خدام درباروں میں حاضری دیتے تھے۔ اس کے مقابلے میں حسینؑ کے بہتر سپاہی تھے لیکن ان میں حیدریؑ طاقت تھی۔ یزید قرآن کی صداقت اور محمدؐ کی رسالت کا منکر تھا وہ نہ کعبے کی عظمت کا قائل تھا نہ امامت کے منصب کو تسلیم کرتا تھا۔ وہ اپنے فرمان کے آگے اسلام کے فرمانوں کو ماننے کو تیار نہ تھا۔ امامؑ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر یزید دینِ نبیؐ کو برباد کرے گا تو میں ہم شکل نبیؐ کا خون دے کر دین نبیؐ کی حفاظت کروں گا اور حسینؑ نے جو کہا تھا کر کے دکھا دیا۔ تاریخ میں ایک گھر سے اتنے زیادہ جنازے نہیں نکلے جتنے عاشور کے دن حسینؑ کے گھر سے نکلے۔

کب گزرا یہ عالم کسی بے کس کی نظر سے
اس طرح جنازے نہیں نکلے کسی گھر سے

شاعر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قرآن لٹ رہا تھا اور حافظ قرآن کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ رسولؐ کی نواسی سر برہنہ ہوگئی اور مسلمان دیکھا کیے۔ ایک زمانہ تھا کہ زینبؑ وکلثومؑ کوفے کی شہزادیاں تھیں لیکن ایک وہ وقت بھی آیا کہ یہی شہزادیاں رسن بستہ ابن زیاد کے دربار میں کھڑی تھیں۔ کوفے ہی میں یہ کہا گیا کہ مدینے کے ایک باغی نے بغاوت کی تھی جس کی سزا اس کے کنبے والوں کو دی گئی ہے۔ لفظ بغاوت پر جنابِ زینبؑ نے ایک اہم خطبہ دیا اور کہا کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آیہ تطہیر نازل ہوئی۔ ہم نبیؐ کے خاندان والے ہیں وہی نبیؐ جس نے عرب کے بدوؤں کو مسلمان کیا ہم نے نہ کسی کو مارا نہ قتل کیا اگر یزید یہ سمجھتا ہے کہ ہمیں اسیر کر کے اور ہماری تذلیل کر کے وہ اپنی حکومت مضبوط کر لے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے تم لوگ دیکھ لینا کہ آج نہیں تو کل یزید کی حکومت کا تختہ الٹ جائے گا۔ جناب زینبؑ کے خطبے سے حاکم کے ہوش بجا نہ رہے اور اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ ان مستورات پر مزید ظلم کرے۔ اسی اثنا میں جنابِ زینبؑ نے جو اپنا سر اٹھا کر نیزے پر بھائی کے سر کی طرف دیکھا تو یہ اشارہ ملا کہ اے بہن تمہیں شام بھی جانا ہے تقریر ختم کردو کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن زین العابدینؑ کی جان ہی لے لیں۔ جناب زینب نے تقریر ختم کی مگر عہد کیا کہ میں حسینیتؑ کے لئے ہر غم کا سامنا کروں گی دربار یزید میں بھی جاؤں گی اور سب کو بتاؤں گی کہ تلواروں اور تیروں سے حق والوں کی تحریک کو دبایا نہیں جا سکتا۔

جب یزید نے حسینؑ کا کٹا ہوا سر دیکھا تو آلِ اطہار سے مخاطب ہو کر کہا کہ اب بتاؤ فتح کس کی ہوئی؟ تم بتاؤ وہ عرش سے اتری ہوئی تلوار کہاں گئی؟ اور جس توقیر ومنزلت کے تم لوگ مدعی تھے وہ کہاں گئی؟ یزید کی ان باتوں کو سن کر جنابِ زینبؑ اور جنابِ سجادؑ نے الگ الگ خطبوں میں یزید کی باتوں کا مدلل اور قرآن سے جواب دیا۔ ان جوابات سے دربار یزید

میں کھلبلی مچ گئی۔ آخرکار یزید نے گھبرا کر اہلِ بیت محمدؐ کو قید خانے میں مقید کر دیا۔ یزید کا ہزاروں درباریوں کے سامنے گھبرانا حسینیتؑ کی کھلی ہوئی فتح تھی۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

فرماتے تھے شبیرؑ کہ آنے دے وہ ہنگام　　کیا چیز ہے ظالم تری قوت ترے احکام
بیعت کا بہانہ ہے تری موت کا پیغام　　مٹتی ہے مٹائے سے کہیں شوکتِ اسلام
جس وقت زوال آئے گا نانا کے شجر کو
قربان کروں گا علی اکبرؑ سے پسر کو

واللہ کہا تھا جو وہی کر کے دکھایا　　وقت آیا تو اسلام پہ گھر بار لٹایا
غم کون سا تھا جو نہ کلیجے پہ اٹھایا　　دوزخ سے مگر نانا کی امت کو بچایا
حیرت ہے اگر کوئی مسلمان نہ مانے
کافر ہے جو شبیرؑ کا احسان نہ مانے

اللہ رے یہ فاطمہؑ کے دودھ کی تاثیر　　تلواریں تھیں پہلو پہ تو سینے پہ کبھی تیر
پیاسے رہے غربت میں پھری حلق پہ شمشیر　　لیکن یہ زمانے کو سبق دے گئے شبیرؑ
وقت آئے تو مرنے سے کنارا نہیں کرتے
لیکن کبھی توہین گوارا نہیں کرتے

لائے تو کوئی دہر میں اس طرح کا ایثار　　پیدا تو کرے فاطمہؑ کے لال کا کردار
ڈھونڈے تو کوئی کیفیتِ نفس کا مختار　　آخر لبِ تاریخ سے ہو جائے گا اظہار
کہتی ہیں مسلسل یہ حدیں ارض و سما کی
شبیرؑ کی وحدت ہے خدائی میں خدا کی

میدان میں یوں برچھیاں کھاتے نہیں دیکھا　　یوں پیاس میں تلوار چلاتے نہیں دیکھا
یوں سر رہِ خالق میں جھکاتے نہیں دیکھا　　یوں دولتِ اولاد لٹاتے نہیں دیکھا

کب گذرا یہ عالم کس بیکس کی نظر سے
اس طرح جنازے نہیں نکلے کسی گھر سے

۵۱۔ فریاد

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'فریاد' ۱۹۶۸ء میں تخلیق ہوا اور اُن کے مجموعہ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ چھیاسٹھ بندوں کے اس مرثیے میں شاعر کا رسولؐ خدا سے فریاد کرنا، آلِ رسولؐ کے مصائب اور جنابِ فاطمہؑ کی پریشانیاں قلمبند کی گئی ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی کا یہ مرثیہ رسولِ خداؐ کے مزار پر فریاد ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے آج فقط میں ہی نہیں اسلام بھی اشکبار ہے۔ شاعر کو اس بات کا شدید غم ہے کہ حضورؐ کے انتقال سے آلِ محمدؐ تو غم و اندوہ کی فضا میں مغموم بیٹھے تھے لیکن اہلِ دنیا دنیا کے مسائل میں پھنس گئے۔ یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ سردارِ کائنات کے جنازے میں اکابرِ مدینہ شریک نہ ہو سکے۔ حضرت بلالؓ کے آنسو ان کے دل کی کیفیت بیان کر رہے تھے۔ مسجد نبوی کو یہ غم تھا کہ بہار رخصت ہوگئی اور اب دور خزاں آ گیا ہے۔ حضورؐ کے رخصت ہوتے ہی اخلاق و اعمال کا زوال شروع ہو گیا۔ دین کی قوت بڑھانے کے بجائے لوگوں نے ملک کی حدیں بڑھانا شروع کر دیں۔

دنیا کا باغ تیغ تعصب سے کٹ گیا
لشکر بہت بڑھے مگر اسلام گھٹ گیا

زمانے کی ہوا ایسی بدلی کہ سفیانیت نے فرشِ کائنات پر اپنے پاؤں بڑھانے شروع کر دیے۔ شرعِ نبیؐ میں مداخلت ہونے لگی۔ خدا نے جن چیزوں کی ممانعت کی تھی وہ پھر جاری ہوگئیں اور مذہب میں مصلحت کا دخل ہو گیا۔ حد ہے کہ دنیا کی سازشوں سے اصحابِ پیغمبرؐ بھی نہ بچ سکے۔ ابوذرؓ جیسے اولوالعزم صحابی کو شہر بدر کر دیا گیا۔ مقام ربذہ پر عالم تنہائی میں ان کا انتقال ہو گیا اور انہیں سپردِ خاک کرنے کے لئے کوئی نہ آیا۔ اس سے زیادہ برا وقت جنابِ فاطمہ بنتِ رسولؐ پر آیا۔ فاطمہؑ پیغمبرؐ اسلام کے جگر کا ٹکڑا تھیں۔ مریمؑ کے مقابلے میں ان کا مرتبہ زیادہ تھا۔ انہیں

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور: قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

خاتون عرش وفرش کا خطاب ملا تھا وہ جنت کی عورتوں کی سردار تھیں لیکن اپنے حق کے لئے انہیں دربار میں جانا پڑا اور ان کی گواہی تسلیم نہیں کی گئی۔ جناب فاطمہؑ کو اس واقعے سے شدید اذیت پہنچی۔ اس پر طرّہ یہ کہ ابوالحسنؑ کو بلاوجہ گرفتار کیا گیا اور جس دروازے پر حضورؐ سلام کے لئے آتے جاتے تھے اسے آگ لگا کر گرا دیا گیا جس سے پہلوئے فاطمہؑ شکستہ ہو گیا اور رسولؐ کے انتقال کے نوے دن بعد فاطمہؑ دنیا سے چل بسیں۔ حضرت علیؑ نے معصومہؑ کا جنازہ رکھ کر تمام اعزہ اور احباب سے کہا کہ آ کر دیدار کر لیں۔ سب نے دیدار کیا لیکن حسینؑ نہ آئے جب حضرت علیؑ نے دیدار نہ کرنے کا سبب دریافت کیا تو امام حسینؑ نے کہا۔

اتنا کہا کہ میں یہیں آنسو بہاؤں گا
اماں اگر بلائیں گی مجھ کو تو آؤں گا

شاعر نے مستند روایت کے حوالے سے بیان کیا کہ حسینؑ کے اس جواب کو سن کر جناب فاطمہؑ کی میت تھرتھرانے لگی، بند کفن ٹوٹ گیا، معصومہ کے دونوں ہاتھ بلند ہوئے۔ امام حسینؑ ابھی میت سے لپٹے ہی تھے کہ حضرت علیؑ نے ماں سے بیٹے کو جدا کر دیا اور رات کی تاریکی میں معصومہؑ کی وصیت کے مطابق حضورؐ کی قبر مطہر کی طرف جنازہ روانہ ہوا لیکن حکومتِ وقت نے بیٹی کو باپ کے پہلو میں دفن نہ ہونے دیا۔

خوشبو تڑپ کے رہ گئی گلشن نہ مل سکا
بیٹی کو اپنے باپ کا دامن نہ مل سکا

جنابِ فاطمہؑ کو جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا اور اہلِ بیتؑ صبر و شکر کر کے خاموش ہو کر آنے والے زمانے کا انتظار کرنے لگے۔

اب شاعر حضورؐ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ کی بیٹی جناب فاطمہؑ آپؐ کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ انہی سے آپ اپنی اُمت کی سرکشی اور اہلِ بیت سے دشمنی کا حال معلوم کر لیں۔ اس کے علاوہ معصومہ کی وفات کے بعد ظلم کی حد کربلا میں نظر آتی ہے جہاں فاطمہ زہراؑ کا ہرا بھرا باغ پامال ہو گیا۔ جناب زینبؑ جنہیں ثانی زہراؑ کہا جاتا ہے دربارِ شام میں سر ننگے رسن

بستہ یزیدیت کا تنہا مقابلہ کر رہی تھیں۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمایئے۔

فضہ لگا کے پاؤں کے تلووں سے اپنا سر   چلا رہی تھی ہائے دلِ سیدالبشرؐ
بالیں پہ مرتضیٰؑ تھے جھکائے ہوئے نظر   لپٹے ہوئے کفن سے حسنؑ تھے بچشم تر
میت کے آس پاس سبھی سوگوار تھے
لیکن حسینؑ ایک طرف اشکبار تھے

پلٹیں اُدھر علیؑ کی نگاہیں جو ایک بار   لختِ جگر کے حال پہ دل ہو گیا فگار
آواز دی، حسینؑ یہاں آؤ میں نثار   کیا بات اتنی دور ہو کیوں میرے گلعذار
اس غم کا کچھ تو جذبۂ اظہار چاہیے
تم کو بھی ماں کا آخری دیدار چاہیے

اس دم لبِ حسینؑ سے نکلا ہوا جواب   تھا آنسوؤں کے واسطے طوفانِ اضطراب
ایسا جواب رو دیے جس پر ابوترابؑ   جس نے کیا تھا فکر کی دنیا میں انقلاب
اتنا کہا کہ میں یہیں آنسو بہاؤں گا
اماں اگر بلائیں گی مجھ کو تو آؤں گا

پھر اس کے بعد کیا کہوں سرکار کیا ہوا   مولاؑ کی لاڈلی کا بدن تھرتھرا گیا
ابھرا کفن تو بند کفن ٹوٹنے لگا   آئی یہ فاطمہؑ کی صدا آ حسینؑ آ
تو سب کا لاڈلا ہے ہر اک ناز اٹھاؤں گی
آ میرے لال تجھ کو گلے سے لگاؤں گی

دوڑے حسینؑ ماں کی محبت کو دیکھ کر   پھر مامتا کی چھاؤں تھی اور غمزدہ پسر
دنیا سے کہہ رہی تھی یہ تقدیر کی نظر   آئے گی فاطمہؑ اسی بیٹے کی لاش پر
بستی لٹے گی عالمِ ویراں کی گود میں
کٹ جائیگا حسینؑ کا سر ماں کی گود میں

۵۲۔ مولانا محمد مصطفیٰ جوہر

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'مولانا محمد مصطفیٰ جوہر' ۱۹۹۴ء میں تخلیق ہو کر اُن کے مجموعۂ مراثی 'معتبر مرثیے' میں طبع ہوا۔ اٹھتر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں معروف عالم دین مولانا محمد مصطفیٰ جوہر کے سوانحی کوائف اور اُن کی سیرت کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور عاشورۂ محرم کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں۔ (۱)

اردو زبان میں تقریباً دو سو برس سے شخصی مرثیے لکھے جا رہے ہیں۔ پہلا باقاعدہ شخصی مرثیہ آل غفراں مآب کا تحریر ہوا اس کے بعد مختلف اہم شعراء نے مختلف علماء کے اس لئے مرثیے کہے کہ علما نائبین امام میں شمار ہوتے ہیں۔ قیصر بارہوی نے اس مرثیے سے قبل نسیم امروہوی مرحوم کا مرثیہ لکھا۔ مولانا جوہر متقی' پارسا' عالم' فلسفی اور صاحب عدل وانصاف تھے۔ شاعر نے مرحوم کو ایک پھول سے تشبیہ دی ہے اگر چہ ان کی ذات تنہا تھی مگر باطن میں وہ ایک گلدستہ تھے جس نے عقول کی دنیا میں خوشبو تقسیم کر دی اور زمانے میں اپنا رنگ بھر دیا۔

خوشبو جہانِ فکر میں تقسیم کر گیا
وہ پھول اپنا رنگ زمانے میں بھر گیا

مولانا جوہر خواہشات نفسانی سے دور رہے اور انہوں نے ہمیشہ اپنے جسم پر خیر عمل کا لباس پہنا۔ ان کے دل میں اُلفت آل نبی بھری ہوئی تھی اور ساری زندگی ابوذرانہ بسر کر دی۔

شاعر نے چند بندوں میں مولانا مصطفیٰ جوہر کے حالات بیان کئے ہیں۔ مولانا حسین گنج بہار کے رہنے والے تھے۔ یہ شہر علم وعمل کے لئے پورے متحدہ ہندوستان میں مشہور تھا۔ اپنے شہر میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنو آئے اور لکھنو کے کامل اساتذہ سے فیض حاصل کیا۔ جناب باقر العلوم سے فقہ اور علامہ رضا فلسفی سے علم فلسفہ سیکھا۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی شہر کو اپنا مستقر بنایا۔ کراچی میں درس وتدریس کا سلسلہ قائم کیا اور سینکڑوں تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ اللہ نے انہیں اولاد سے نوازا اور طالب جوہری کی شکل میں ایک دریائے

---

(۱) قیصر بارہوی معتبر مرثیے لاہور : قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

بے بہا مل گیا۔ ناسازگار حالات کے باوجود انہوں نے نہ کسی رئیس کی آستاں بوسی کی نہ اپنے عزیزوں سے کبھی کسی شے کے طالب ہوئے۔ لوگ غربا اور فقرا کی امداد کے لئے انہیں جو رقوم دیتے تھے جب تک وہ ادا نہیں ہو جاتی تھی انہیں بستر پر نیند نہیں آتی تھی۔

مولانا مرحوم نہایت محتاط قسم کے انسان تھے۔ ان کی روشن ضمیری اور غیرت مندی کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اپنا سر اہل بیتؑ کے در پر جھکا لیا تھا۔ حقیقت میں ان کے لئے فقیر عترت کا خطاب بہت موزوں تھا۔ وہ آخری حجت خدا کے منتظر رہتے تھے اور ہمیشہ عمل عاشورہ کرتے رہے۔ عمل عاشورہ کی رعایت سے شاعر نے اپنے تخیل کو کربلا کے میدان میں پہنچا دیا جہاں امام حسینؑ کا ننھا بچہ پیاس کی شدت سے بے جان تھا۔ اس کے جھولے کے قریب اس کی ماں حسرت بھری نگاہ سے اپنے نورِ عین کو دیکھ رہی تھی۔ ماں اپنے کمسن بچے سے کہہ رہی ہے کہ گھبرانا نہیں امام آئیں گے اور تمہیں بھی جہادِ اکبرؑ کے لئے اپنے ہاتھوں پر لے جائیں گے۔ ماں کہتی ہے کہ اے میرے لال کاش تم بھی جوان ہوتے تو عونؑ و محمدؑ اور قاسمؑ ابن حسنؑ کی طرح امام پر قربان ہو جاتے۔ ابھی ماں اپنے بچے سے یہ گفتگو کر رہی تھی کہ امام حسینؑ خیمے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے مادر سے کہا کہ اب اصغرؑ بھی میدان جنگ میں جانے والے ہیں اس لئے تم صبر و تحمل سے کام لو۔ امام حسینؑ نے بچے کو اپنے ہاتھوں پہ لیا اور اس سے کہا اے بیٹا اگرچہ تم بہت کمسن ہو مگر حجت خدا کے پسر ہو۔ میدان قتال میں اس طرح جنگ کرنا کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ بچے کو تیر لگا' بچہ تو اس دنیا سے رخصت ہو گیا لیکن اپنے خون سے اپنے باپ کی فتح کو یقینی بنا گیا۔ امام نے بچے کا لہو اپنے چہرے پر مل لیا۔ لاش لے کر خیمے کے قریب گئے اور بچے کی لاش زمین میں دفن کر دی۔ جب شام کا وقت آیا اور نیزوں پر شہیدوں کے سر چڑھائے گئے تو ماں نے دیکھا کہ اس کے ننھے سے پسر کا سر بھی نیزے کی نوک پر تھا۔

شہادت علی اصغرؑ کا ذکر قیصر بارہوی نے بڑے درد و الم اور سوز و گداز سے کیا ہے۔ الفاظ بھی اس قدر موزوں استعمال ہوئے کہ فوراً دل پر اثر انداز ہو جاتے ہیں اور شاعر کا مقصد بھی یہی تھا۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے پانچ بند ملاحظہ فرمائیے۔

ماں کے لبوں پہ رہ گیا حسرت بھرا کلام لے آئے اپنے چاند کو رن میں شہِ انام
ہاتھوں پہ تھا جو صورتِ قرآں وہ لالہ فام کون و مکاں پہ چھا گئی مظلومیِ امامؑ
جیتا نبیؐ کا لال یہ پیغام آ گیا
اصغرؑ کے مسکرانے کا ہنگام آ گیا

اصغرؑ کا مسکرانا ابد گیر زندگی جس نے نظامِ جبر کی گردن مروڑ دی
ننھے گلے پہ تیر کی رفتار روک لی ماں کی دعا تو باپ کی ہمت پکار اٹھی
اے بے زباں مجاہدِ اسلام مرحبا
زندہ رکھا رسولؐ کا پیغام مرحبا

غنچہ دہن کے خون کی تلوار دیکھ کر ابرِ شکست چھا گیا دشمن سپاہ پر
پتھر تھے جن کے دل، وہ پکارے بچشمِ تر اس واقعہ پہ روئے گا دنیا کا ہر بشر
مستقبلِ حیات میں احساس ہو گیا
صبرِ حسینؑ فاتحِ تاریخ ہو گیا

چلّو میں لے کے خونِ پسر ابنِ بوترابؑ صحرا کی گرم خاک سے کرنے لگا خطاب
کیوں اے زمیں قبول ہے یہ دولتِ ربابؑ آواز دی زمیں نے کہ اے آسماں جناب
مجھ سے یہ بارِ درد اٹھایا نہ جائے گا
اصغرؑ کا خوں گلے سے لگایا نہ جائے گا

چاہا فلک کی سمت اُچھالیں تو ایک بار آئی صدا فلک سے کہ اے عرش افتخار
بھاری ہے عرش و فرش سے یہ خونِ شیر خوار کیسے اسے امانتِ محبوبؐ کردگار
جس وقت کبریا کی عدالت میں جائیں گی
زہراؑ اسی کو لے کے قیامت میں آئیں گی

۵۳۔ روشنیِ فکر و عمل

قیصر بارہوی کا مرثیہ 'روشنیِ فکر و عمل' ۱۹۹۷ء میں تخلیق ہوا اور اُن کی رحلت کے بعد ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ بہتّر بندوں پر مشتمل اس مرثیے میں خانۂ کعبہ کی عظمت، حضرت علیؑ کے وقیع کارنامے اور شہادتِ حضرت علیؑ کے واقعات قلمبند کئے گئے ہیں۔(۱)

قیصر بارہوی کے انتقال پر ملال کے بعد سیّد رونق رضا نے ان کا یہ مرثیہ ۱۹۹۷ء میں شائع کیا۔ چوبیس صفحات پر مشتمل اس کتابچے میں ابتدا ٔظہور حیدر جارچوی 'نیساں اکبر آبادی کے قطعات تاریخ شامل کیے گئے ہیں۔ آخری صفحات میں شاہد نقوی کا قیصر بارہوی کی رحلت پر لکھا گیا قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آخر میں ظفر شارب کی ایک نظم بھی شامل کی گئی ہے جو انہوں نے قیصر بارہوی کی مدح میں لکھی ہے۔ کتاب کے اوائل میں سیّد وحیدالحسن ہاشمی کا مختصر مضمون ''قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک'' شامل ہے۔ اسی طرح سیّد ظہور حیدر جارچوی کی ایک طویل نظم قیصر بارہوی کی مدح و ستائش میں شامل ہے جس کا آخری شعر یہ ہے :

قیصر کو قصرِ خلد میں راحت سوا ملے
پسماندگاں کو رحمتِ ربِ علیؑ ملے

اس مرثیے کے آغاز میں قیصر بارہوی نے خانۂ معبود پر لکھی تحریر کو اہمیت دی ہے۔ ان کے خیال میں اس تحریر کے ذریعہ قافلۂ لوح و قلم آگے بڑھا۔ اس تحریر کے ذریعہ مولودِ کعبہ حضرت علیؑ کی فضیلت کے کئی رُخ اُجاگر ہوئے۔ ان کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے :

آنے والے کے تعارف میں ہے کعبہ کا بیاں — وہ بیاں جس پہ رسولوں کے صحیفے نازاں
صحنِ تاریخ دکھائے کوئی ایسا انساں — لامکاں جس کے لیے وقف کرے اپنا مکاں

کتنے دلچسپ سوالات ہیں اس منظر میں
ایک بچے کی ولادت ہے خدا کے گھر میں

---

(۱) قیصر بارہوی مرثیہ لاہور: رضا سنز پرنٹرز ۱۹۹۷ء

قیصر بارہوی نے حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کو مدلل انداز میں پیش کیا ہے اور ان تمام سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں جو انسان کے ذہن میں خلفشار پیدا کر سکتے ہیں۔ شاعر نے حضرت علیؑ کے محامد و محاسن گنوانے کے بعد ان پریشانیوں کا ذکر کیا ہے جو حضرت علیؑ اور خانوادۂ علیؑ کو برداشت کرنا پڑیں۔ آخر میں شاعر نے کربلا کے میدان میں امام حسینؑ کی بے مثال قربانیوں کے چند مناظر پیش کیے ہیں۔

اب ذیل میں اس مرثیے کے **پانچ بند** ملاحظہ فرمایئے۔

آمدِ بنتِ اسد خانۂ یزداں کی طرف ۔۔۔ اک مسافر کی مسافت ہے نگہباں کی طرف
اُم ایماں کے قدم جنت ایماں کی طرف ۔۔۔ جیسے خوشبو کا سفر اپنے گلستاں کی طرف
بیت شوہر سے جو معبود کے گھر آتی ہیں
یہ بُلائی ہوئی مہمان نظر آتی ہیں

کس نے دیکھا کسی انسان کا یہ استقبال ۔۔۔ جس کو تسلیم کریں حشمت و جاہ و اجلال
کلمہ پڑھتی ہے زمانے کی تمنائے کمال ۔۔۔ محوِ حیرت ہے یہاں حضرتِ مریمؑ کی مثال
وہاں انکار چلی جائیں تاسّف نہ کریں
یہاں اصرار کہ آ جائیں تکلف نہ کریں

اس سے بڑھ کر نہیں اظہار فضیلت کوئی ۔۔۔ کب ہے اس شان سے مطلوب مشیت کوئی
لائے اس طرح سے گلدستۂ رحمت کوئی ۔۔۔ یہ شرف پائے بعنوان ولادت کوئی
اُس کی ہستی بخدا سب سے جداگانہ ہے
جس کے اعزاز میں کعبہ بھی زچہ خانہ ہے

معترض کہتے ہیں دیوار سے کیسے آئیں ۔۔۔ ناز ہے خانۂ معبود کو ایسے آئیں
یا علیؑ کی جو صدائیں رگ و پے سے آئیں ۔۔۔ کوئی آیا ہے نہ آئے گا یہ جیسے آئیں
اس حقیقت سے کسی شخص کو انکار نہیں
اسم اعظم کے لئے کوئی بھی دیوار نہیں

اسمِ اعظم لئے داخل ہوئیں زوجِ عمرانؑ بولی دیوار اس آمد پہ دو عالم قرباں

ڈالیاں لے کے اترنے لگیں حورانِ جناں عرش سے آئی صدا آج سجا میرا مکاں

آمدِ نور سے ظلمت کے ستوں ہلتے ہیں

آج انسان کو معنیِ سحر ملتے ہیں

◆◆◆

maablib.org

باب سوم

جدید اُردو مرثیہ اور قیصر بارہوی کا اختصاص

بیسویں صدی کا سورج نئے نظریات و میلانات لے کر طلوع ہوا اور خصوصاً مغربی اصناف کے حوالے سے اُردو اصناف میں جدید افکار و نظریات کی ضرورت کا احساس پیدا ہونے لگا۔(۱) مغربی تہذیب نے اپنی رنگارنگی کی وجہ سے اہلِ مشرق کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ سوچ اور فکر کے مروجہ معیارات تبدیل ہونے لگے۔ پرانے پیمانے بوسیدہ قرار دیے گئے اور اب نئے شعری پیمانوں میں جدید شراب کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ شعر و ادب کا تعلق فرد سے زیادہ معاشرے سے جوڑا جانے لگا اور اجتماعی لب و لہجہ کو اہمیت ملی۔(۲) نتیجتاً قومی اور ملی شاعری کو عروج حاصل ہوا اور مذہبی مرثیوں کی جگہ قومی اور شخصی مرثیوں نے لے لی۔ اقبالؔ، نظم طباطبائی، صفی لکھنوی، ریاض خیرآبادی، اثر لکھنوی اور چکبست لکھنوی وغیرہ نے قومی اور ملی مرثیوں کے ذریعے ملت کو بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی۔(۳) اس طرح مرثیے کا رشتہ قومی شاعری سے جڑ گیا۔ بعض ناقدین نے اس منظرنامے

---

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر اُردو مرثیہ میر انیس کے بعد دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۵

(۲) احراز نقوی، ڈاکٹر، جدید فنِ مرثیہ نگاری، مرتبہ: وحید الحسن ہاشمی، لاہور، مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۲

(۳) محمد رضا کاظمی، جدید اُردو مرثیہ، کراچی، مکتبہ ادب ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۔

کے حوالے سے سطحی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے کہ اس عہد میں "مذہبی مرثیہ" کو زوال آ گیا تھا(۱) مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔(۲) اگر آپ بنظر غائر دیکھیں تو قومی اور ملی مرثیے بھی دراصل اسی روایتی مرثیے کا ایک جدید رُوپ ہیں۔ اب اس حوالے سے صرف دو بند ملاحظہ فرمایئے اور مذہبی مرثیے کا اثر شخصی اور ملی مرثیہ پر ملاحظہ کیجیے۔

علم کی سنجیدہ گفتاری' بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت' جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم
صحبت مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں' فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

(علامہ اقبال)

یہ جوش پاک زمانہ دبا نہیں سکتا   رگوں میں خوں کی حرارت مٹا نہیں سکتا
یہ آگ وہ ہے جو پانی بجھا نہیں سکتا   دلوں میں آ کے یہ ارمان جا نہیں سکتا
طلب فضول ہے کانٹے کی پھول کے بدلے
نہ لیں بہشت بھی ہم "ہوم رول" کے بدلے

(چکبست لکھنوی)

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں پوری دنیا میں عموماً اور مختلف اسباب کی بناء پر ہندوستان میں خصوصاً اجتماعی شعور بیدار ہو رہا تھا۔ ایسے لائحہ عمل مرتب کیے جا رہے تھے' جن سے معاشرتی سطح پر انقلابی تبدیلیاں لائی جا سکیں۔(۳) اس حوالے سے مظلوم دیسی عوام کے

---

(۱) شجاعت علی سندیلوی' تعارف مرثیہ' الہ آباد' ادارہ انیس اردو' ۱۹۵۹ء' ص ۰۷

(۲) اسد اریب' ڈاکٹر' اردو مرثیے کی سرگزشت' لاہور: کاروانِ ادب' ۱۹۸۹ء' ص ۸۴۔۸۹

(۳) حامد حسن قادری' پروفیسر' مختصر تاریخ مرثیہ گوئی' کراچی' اردو اکیڈمی سندھ' ۱۹۶۴ء' ص ۱۰۰

اوپر کیے گئے مظالم کو مختلف سطحوں پر پیش کر کے سامراجی استبداد اور ظالمانہ حیثیت کو خوب اُبھارا جا رہا تھا۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز کے بعد عوام الناس میں ایک انقلابی رجحان پیدا کرنے کے لئے واقعہ کربلا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا جانے لگا تھا۔(۱) اس رویے کو مرثیہ گو شعراء بھی محسوس کر رہے تھے۔(۲) دولہا صاحب عروج کے مرثیے کا یہ شعر اس عہد کے بدلتے ہوئے رجحانات و میلانات کی نمائندگی کرتا ہے۔

ظلمت کدے میں ہوں پہ تجلی پسند ہوں
میں ہوں عروجؔ کیوں نہ ترقی پسند ہوں

اس سیاسی، سماجی اور معاشرتی صورتِ حال کا اُردو مرثیے کی ہیئت پر تو زیادہ اثر نہ ہو سکا لیکن موضوعات اور مواد کے اعتبار سے اس میں دُور رس تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ خاص طور پر شہادتِ امام حسین علیہ السلام کے بعد کے حالات و واقعات کو بطورِ خاص مرثیوں میں جگہ دی جانے لگی اور پیغامِ امام عالی مقام کی تشہیر ہی اس کا بنیادی موضوع قرار پایا۔(۳) اس سلسلے میں آلِ رضا، نجم آفندی، نسیم امروہوی، جمیل مظہری، علی سردار جعفری اور جوش ملیح آبادی نے جس طرح مرثیے کو مقصدی لے عطا کی اور اس صنف کو جدید عصری تقاضوں کے عین مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، اس کی جتنی بھی مدح کی جائے کم ہے۔ آلِ رضا اور جمیل مظہری نے مرثیے کے مزاج و مذاق میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوششیں کیں۔(۴) جوش نے انفرادی طور پر مرثیے کو رلانے کے بجائے جگانے کا ہتھیار بنایا۔(۵) نسیم امروہوی نے زبان و بیان کی نزاکتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مرثیے میں ہیئت کے کامیاب تجربے کئے۔(۶) اس طرح

---

(۱) شجاعت علی سندیلوی، تعارفِ مرثیہ، الٰہ آباد: ادارۂ انیس اُردو، ۱۹۵۹ء، ص ۸۶

(۲) محمد رضا کاظمی، جدید اُردو مرثیہ کراچی: مکتبۂ ادب ۱۹۸۱ء ص ۸۶

(۳) ضمیر اختر نقوی (مرتب) 'جوش کے مرثیے' کراچی، ادارۂ فیضِ ادب، ۱۹۸۰ء، ص ۲۲

(۴) کرار حسین، پروفیسر (پیش لفظ) 'مراثی آلِ رضا' کراچی، خراسان اسلامک ریسرچ سنٹر، ۱۹۸۱ء، ص م

(۵) عاشور کاظمی، سید اُردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۴۵۴

(۶) اسد اریب، ڈاکٹر، اُردو مرثیے کی سرگزشت، لاہور، کاروانِ ادب، ۱۹۸۹ء، ص ۱۰۱

ان قدآور مرثیہ نگاروں کی کاوشوں کے نتیجے میں مرثیے کو ایک مرتبہ پھر عروج حاصل ہوا اور فنی و فکری ہر لحاظ سے یہ صنف دوسرے وقیع اصناف کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ ان معروف مرثیہ نگاروں کے درج ذیل بندوں کا مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ اس زمانے میں مرثیہ کس طرح اپنے اندر عصری شعور کے سبب تبدیلی پیدا کر رہا تھا۔

اہلِ زمیں کی چاند ستاروں پہ ہے نظر　　ممکن ہے کامیاب رہے چاند کا سفر
ہیں اپنی اپنی فکر میں ہر قوم کے بشر　　مردانِ حق پرست کا جانا ہوا اگر
عباسؑ نامور کا علم لے کے جائیں گے
ہم چاند پر حسینؑ کا غم لے کے جائیں گے

(نجم آفندی)

اے قوم وہی پھر ہے تباہی کا زمانہ　　اسلام ہے پھر تیر حوادث کا نشانہ
کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ　　تاریخ میں رہ جائے گا مردوں کا فسانہ
مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسینؑ ابنِ علیؑ ہو

(جوشؔ ملیح آبادی)

حضرت نے کہا کہ رونے والو!　　اب چپ رہو دل ذرا سنبھالو
اشکوں کا وفور ہو تو ٹالو　　ہمت سے یہ بارِ غم اُٹھا لو
پیغامِ مشیت آ گیا ہے
ہنگامِ وصیت آ گیا ہے

(نسیمؔ امروہوی)

ان جدید مرثیہ نگاروں کا لگایا ہوا تخم ثمردار ہوا اور بہت سے ایسے مرثیہ نگار ظاہر ہوئے جنہوں نے اپنے افکارِ جمیل کے ذریعے اس صنف کو مالا مال کیا۔ یہی سبب ہے کہ اس دور میں ہر قابلِ قدر شاعر نے صنفِ مرثیہ میں طبع آزمائی کی۔ ان شعراء میں قمرؔ جلالوی، شوکت

تھانوی، علامہ محسن اعظم گڑھی، ڈاکٹر یاور عباس، راجہ صاحب محمود آباد، عزم جونپوری، رئیس امروہوی، راغب مرادآبادی، ڈاکٹر صفدر حسین، کرار نوری اور فیض احمد فیض کے اسمائے گرامی بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

موجودہ دور ذہنی و فکری انتشار کا دور ہے۔ جب معاشرے میں منتشر قوتیں فروغ پا رہی ہوں تو انسان اپنے اندر سمٹنا شروع کر دیتا ہے۔ چیزوں میں اختصار کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے اور اصناف شعر بھی مختصر سے مختصر ترین ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ معاشی مسائل، سماجی حالات اور اندرونی بے چینیاں بھی انسان کو بے کل کر دیتی ہیں۔ اب قارئین ان اصناف ادب و شعر کو اہمیت دیتے ہیں، جو ان کے عصری مسائل سے ہم آہنگ ہوں اور ان کے مسائل کا تسلی بخش حل پیش کر سکیں۔ مرثیہ بھی ان عمرانی حالات سے دوچار ہوا مگر اپنے مزاج کے سبب اس صنف نے جلد ہی عمرانی تقاضوں کو سمجھا اور اپنے اندر تبدیلیوں کی اجازت دے دی۔ (۱) نتیجتاً موجودہ مرثیہ نگاروں نے مرثیے میں جدید نفسیاتی، سماجی اور سیاسی مسائل کو نہ صرف یہ کہ پیش کیا بلکہ ان کے حل کے لئے نسخے بھی تجویز فرمائے۔ موجودہ دور میں صبا اکبر آبادی، شاہد نقوی، سہیل بناری، شائق زیدی، سردار نقوی، ظہور جارچوی، وحید الحسن ہاشمی، سیف زلفی، عبدالرؤف عروج، افسر عباس زیدی، ظفر شارب، اثر ترابی، حسن عسکری کاظمی، اثر جلیلی، سید فیضی، ہلال نقوی، امید فاضلی، نسیم امروہوی، اسیر فیض آبادی، شیدا حسن زیدی، میر رضی میر، عارف امام، احمد نوید، کوثر امروہوی، عرفی ہاشمی وغیرہ کے مرثیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ان شعراء نے فنی اور فکری سطح پر مرثیے کو عہد جدید سے پیوست کر دیا ہے۔ (۲) بیسویں صدی کے آخر میں جس شاعر نے مرثیے میں فکر انگیز اور اجتہادی تبدیلیاں کیں اور اسے مقبول خاص و عام بنایا (۳) وہ قیصر بارہوی تھے۔ انہوں نے مرثیے کو

---

(۱) صفدر حسین، سید، ڈاکٹر، مرثیہ بعد انیس، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۱ء، ص ۱۷۴

(۲) اسد اریب، ڈاکٹر، اردو مرثیے کی سرگزشت، لاہور: کاروان ادب، ۱۹۸۹ء، ص ۸۵

(۳) ہلال نقوی، ڈاکٹر (مقدمہ) "لہو لہو کہکشاں"، کراچی، ادارہ تقدیس قلم، ۱۹۸۹ء، ص ۲۹

واقعۂ کربلا کی خیرہ کر دینے والی روشنی میں ایک عالی شان فتح کا نقارہ بنا دیا ہے۔

کربلا جس کی بلندی ہے وہ منارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقارہ ہے

قیصرؔ بارھوی مختلف النوع اصناف پر دسترس رکھنے والے شاعر ہیں۔ انہوں نے مروجہ معروف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی اور اپنی جدتِ طبع کے رنگا رنگ جوہر دکھائے۔ ان کی غزلوں، قصیدوں اور منقبتوں کے مطالعے سے ان کی ذہنی کشادگی، حساس طبیعت اور الفاظ پر ان کی قدرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(۱) ان کے نوحوں، سلاموں اور مرثیوں کے مطالعے سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ وہ داخلی کیفیات کے اظہار کے ساتھ ساتھ خارجی معاملات کے بیان میں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ کربلا کے تاریخی واقعہ کو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے دیکھنا اور محسوس کرنا اور پھر ان محسوسات کو مختلف النوع صورتوں میں پیش کرنا دراصل اک پھول کے مضمون کو سو رنگ سے باندھنے کا عمل ہے۔ قیصرؔ بارھوی کی یوں تو تمام شاعری ان کے جذبات و احساسات کی آئینہ دار ہے۔ تاہم ان کے مرثیوں میں داخلی اور خارجی دونوں کرب ٹھاٹھیں مار رہے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں غزل کی داخلی اور حزنیہ کیفیات بھی اُبھرتی ہیں اور قصیدے کا ظاہری شان و شکوہ بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔(۲)

قیصرؔ بارھوی نے ۱۹۴۲ء میں دیارِ سخن میں قدم رکھا۔ ابتداً مشقِ سخن کے لئے غزل کو منتخب کیا۔(۳) کچھ عرصہ طبع آزمائی کرنے کے بعد سلام اور قصائد کی صنف کی طرف متوجہ ہوئے اور اس گلستان میں رنگا رنگ پھول کھلائے۔ جب کلام میں فنی پختگی آ گئی تو صنفِ مرثیہ

---

(۱) آغا سہیل، ڈاکٹر بارگاہ (قیصر بارھوی) لاہور: قیصر بارھوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن، لاہور ۱۹۹۳ء ص فلیپ

(۲) اجمل نیازی، ڈاکٹر 'غزل اور مرثیے کا امتزاج'، ماہنامہ شام و سحر لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۳۰

(۳) قیصر بارھوی۔ امتزاج (غزلیں) لاہور، الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص

کی جانب متوجہ ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت عباسؑ علم بردار کی شان میں ۷۷ بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ لکھنؤ کی فضائے شاعری سے متاثر ہوکر' خوب بنا سنوار کر کہا۔ اہلِ علم اور صاحبانِ فن نے اس کی خوب قدر کی اور انہیں مسلسل مرثیہ گوئی کا مشورہ دیا۔ صنفِ مرثیہ کا لگایا ہوا یہ تخم ایسا بارآور ثابت ہوا کہ ایک چھتناور شجر کی صورت اختیار کر گیا اور اب تو مرثیہ قیصر بارہوی کی شناخت بن چکا ہے۔ (۱)

حضرت قیصر بارہوی کی حیات میں راقم الحروف نے پروفیسر ہارون قادر کی معاونت سے موصوف کے مرثیوں کی ایک فہرست مرتب کی تھی جو ایک سو دو مرثیوں پر مشتمل تھی۔ راقم الحروف کی مرتبہ یہ فہرست کئی مضامین و مقالات میں طبع ہوئی۔ (۲) مقام افسوس و حیرت ہے کہ راقم کو کوشش کے باوجود قیصر بارہوی کے ایک سو دو مرثیے دستیاب نہیں ہوسکے۔ راقم الحروف کو سرِ دست تلاش و بسیار کے بعد اُن کے ترپن مرثیے دستیاب ہوسکے ہیں جنہیں ''قیصر بارہوی کے مرثیے'' کے عنوان سے شائع کر دیا گیا ہے اور آئندہ صفحات میں اس کے بارے میں تفصیلات پیش کی جارہی ہیں۔ اب ذیل میں قیصر بارہوی کے مطبوعہ مرثیوں کے مجموعوں کا خاکہ پیش خدمت ہے۔

(۱) شبابِ فطرت

(مطبوعہ: سرگودھا مکتبۂ تمکین ۱۹۶۹ء)

مشمولہ مرثیے

۱) تو اعتبارِ نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ

---

(۱) عاصی کرنالی' (تاثرات) عظیم مرثیے' لاہور' حلقۂ شعرائے اہلِ بیت' ۱۹۷۷ء' ص ۱۶

(۲) (i) شبیہ الحسن' ڈاکٹر' ترجیحات' لاہور' اظہار سنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۰۳

(ii) قیصر بارہوی' معتبر مرثیے' لاہور' قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء

(iii) قیصر بارہوی' منتخب مرثیے' لاہور' قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء

(iv) شبیہ الحسن (مدیر)' ماہنامہ' شام و سحر' لاہور' مئی جون ۱۹۹۰ء

۲) کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج

۳) انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر

۴) پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے

۵) معراجِ عقل وفکر ہے سودائے کربلا

۶) شبیر کائنات کی عظمت کا نام ہے

۷) دل والو، سنو واقعۂ اشک فشانی

اس کتاب کے بارے میں پروفیسر شاہین ہارون رقمطراز ہیں:۔

''......شبابِ فطرت کے مطالعہ سے چند خاص باتیں مترشح ہوتی ہیں۔ شبابِ فطرت کے تمام مرثیے بظاہر تو اسی مسدس کے سانچے میں ہیں جو میر انیس کے اسلوبِ اظہار کی معروف روایتی حیثیت رکھتے ہیں لیکن مرثیوں کا موضوعاتی مواد میر انیس کے مرثیوں کی نقل محض نہیں ہے...... قیصر بارہوی جس عنوان کے تحت مرثیہ تصنیف کرتے ہیں مرثیے کی پوری فضا میں اسی کا معنوی تاثر قائم کرنے میں کامیاب بھی نظر آتے ہیں''۔(۱)

(۲) عظیم مرثیے

(مطبوعہ: لاہور حلقۂ شعرائے اہلبیتؑ ۱۹۷۷ء)

مشمولہ مرثیے

۱) پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اٹھا

۲) لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے

۳) انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے

۴) رازِ بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ میں

---

(۱) شاہین ہارون پروفیسر، شبابِ فطرت ایک مطالعہ، ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، (قیصر بارہوی نمبر)، ص ۹۳

۵) میری زباں پہ علمِ علی کا بیان ہے

۶) زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو

۷) شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں

۸) نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

۹) زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ

۱۰) دشتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں

۱۱) فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں

۱۲) حیراں ہوں کیا فضائلِ زینبؑ رقم کروں

''عظیم مرثیے'' کے حوالے سے پروفیسر عبدالکریم خالد رقم طراز ہیں:

''...... قیصر بارہوی کی کتاب ''عظیم مرثیے'' میں شامل مراثی کا مطالعہ قیصر بارہوی کی اس شعری کائنات کو منکشف کرتا ہے جس کی تخلیق انسانی شریانوں کے اندر دوڑنے پھرنے والے اس لہو سے ہوتی ہے جو لفظوں کی صورت میں آنکھ کے کناروں سے جلوہ گر ہوتا ہے اور جس چیز سے مس ہوتا ہے اسے خون کر دیتا ہے۔ یہ مرثیے جس خوبصورت انداز میں انسانی جذبوں، انسانی رشتوں اور مختلف کیفیتوں کی تجسیم کر کے اسے نگاہوں کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں وہ صاحبِ نظر کو مبتلائے حیرت کرنے کے لیے کافی ہے''۔(۱)

(۳) منفرد مرثیے

(مطبوعہ لاہور حلقہ شعرائے اہلبیتؑ پاکستان ۱۹۹۰ء)

مشمولہ مرثیے

۱) ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے

---

(۱) عبدالکریم خالد، ڈاکٹر عظیم مرثیے۔ایک مطالعہ ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور (قیصر بارہوی نمبر) جون ۱۹۹۰ء ص ۹۷

۲) مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے

۳) انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا

۴) عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن

۵) اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو

۶) مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ

۷) شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے

۸) کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے

۹) دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے

۱۰) امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام

۱۱) جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں

۱۲) کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے

''منفرد مرثیے'' کے حوالے سے سید نقاش ہاشمی رقم طراز ہیں:۔

''...... قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کو پڑھ جایئے۔ ایک بات آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ قیصر صاحب ''ادب برائے مقصدیت'' کے قائل ہیں۔ ان کے ہاں حضرت امام حسینؑ ایک فرد نہیں بلکہ ایک تحریک ہیں۔ یہ تحریک خیر کی تحریک ہے۔ قیصر صاحب نے ہر جگہ کوشش کی ہے کہ خیر کی تحریک کا سبق کربلا سے لیا جائے اور عصر حاضر میں اسے دہرایا جائے۔''(۱)

(۴) منتخب مرثیے (مرتبہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

(مطبوعہ لاہور قیصر بارہوی گولڈن جوبلی ۱۹۹۱ء)

مشمولہ مرثیے

۱) مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور

---

(۱) نقاش ہاشمی 'منفرد مرثیے۔ ایک مطالعہ' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور' (قیصر بارہوی نمبر)' جون ۱۹۹۰ء' ص ۱۰۲

۲) ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

۳) عروجِ عالم نسواں ہے ماجرائے سخن

۴) عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو

۵) عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے

۶) یارب مری زباں کو سخن لاجواب دے

۷) حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۸) ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا

۹) دوستو! انسان کے اندر بھی اک انسان ہے

۱۰) دنیا میں نیا باب سخن کھول رہا ہوں

''منتخب مرثیے'' کے حوالے سے پروفیسر حسن عسکری کاظمی رقم طراز ہیں:

''......شاعرِ حسینیت جناب قیصر بارہوی ان خوش نصیب مرثیہ نگاروں میں شامل ہیں جنہیں زندگی میں صاحبانِ علم و فضل نے مسندِ عزت پر بٹھایا' ادبی حلقوں میں پذیرائی ملی اور ان کی تخلیقی کاوشوں پر ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں''۔(۱)

(۵) معتبر مرثیے (مرتبہ: ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

(مطبوعہ لاہور قیصر بارہوی پبلی کیشنز ۱۹۹۸ء)

مشمولہ مرثیے

۱) فکر مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو

۲) تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے

۳) ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے

---

(۲۳) حسن عسکری کاظمی' پروفیسر 'منتخب مرثیے' (حرف سپاس' لاہور' قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن' ۱۹۹۱ء' ص ۷

۴) خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال

۵) قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سن لو

۶) رکھیئے کتابِ سیرتِ زہرؑا نگاہ میں

۷) زوجِ ابو طالبؑ کا شرف حسنِ شرف ہے

۸) انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ

۹) میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علی ہوں

۱۰) اے جبرئیلِ فکر مدینہ دکھا مجھے

۱۱) منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے

''معتبر مرثیے'' کے بارے میں ڈاکٹر مظفر عباس رقم طراز ہیں:۔

''......قیصر بارہوی اردو کے رثائی ادب میں روایت انیس کے امین ہیں۔ روایت انیس اپنے اندر دو پہلو رکھتی ہے۔ مرثیہ نگاری اور مرثیہ خوانی۔ قیصر بارہوی نے ان دونوں پہلوؤں کو ہمارے دور میں زندہ رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور وہ اس میں یقیناً کامیاب رہے ہیں۔ انہوں نے روحِ عصر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہاں مرثیہ نگاری کی روایت میں جدت کی راہیں نکالیں وہاں مرثیہ خوانی کی روایت کو بھی جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق زندہ رکھا۔ اس لیے وہ ہمارے دور کے مرثیہ نگاروں کی صف اول میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔''(۱)

(۶) معراج بشر

(مطبوعہ: لاہور امدادی اکیڈمی ۱۹۷۵ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) نماز سے بشریت عروج پاتی ہے

---

(۲۴) مظفر عباس 'معتبر مرثیے' (فلیپ) لاہور 'قیصر بارہوی پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء ص فلیپ

''معراج بشر'' کے بارے میں پروفیسر شمیم انوار الحق رقمطراز ہیں:

''......معراج بشر کو قیصر بارہوی کے فکر و فن کا نقطۂ عروج قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہ کہنا بھی درست لگتا ہے کہ عقیدت اور ارادت کے خانوں میں ان کے جذبوں کی تمام سچائیاں بھی اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی نظر آتی ہیں۔ وہ جس کیفیت میں ڈوب کر معراج بشر جیسا مرثیہ تصنیف کر گئے اس میں ان کی یہ دلی تمنا بھی بروئے کار دکھائی دیتی ہے کہ ملت اسلامیہ نماز کی حقیقت سے آشنا ہو کر سنتِ حسینؑ کی اس روایت پر کاربند ہو جو انقطاعِ روح و بدن کے وقت بھی عظمت بندگی کے اظہار کا وسیلہ جان کر سجدۂ حسینؑ کی تقلید کا وہ منصب اپنائے جسے ہم استقرارِ حق کے سوا کچھ اور نہیں کہہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ ''معراج بشر'' جہاں اپنے مصنف کو حسنِ قبول کے ہار پہنائے گی وہیں ملت اسلامیہ کی جسدِ بے روح کو بھی روح آشنا کر دے گی۔''(۱)

(۷) آیاتِ آمنہؑ (مرتبہ: ڈاکٹر سید شبیہ الحسن)

(مطبوعہ: لاہور سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام

''آیاتِ آمنہ'' کے بارے میں مظہر نیازی رقمطراز ہیں:۔

''......آیاتِ آمنہ کی علمی و ادبی منزلت خواہ کچھ بھی ہو اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ حضرت قیصر بارہوی نے نہایت خوش عقیدتی سے اپنے خونِ جگر میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر یہ کارنامہ سرانجام دے کر اہل حق و انصاف طبقہ سے بے پناہ داد و تحسین سمیٹنے کا اہتمام کیا ہے اور نہایت عجز و انکساری سے اپنی عقیدتوں کے نوشگفتہ پھول قارئین کی جھولیوں میں ڈال کر اپنی روحانی

(۱) شمیم انوار الحق ''معراج بشر۔ ایک مطالعہ'' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۹۹

تسکین کا سدا بہار گلشن لٹایا ہے۔ قیصر بارہوی کا یہ شاہکار مرثیہ دل و دماغ اور قلب و روح کو تا ابد تازگی دیتا رہے گا۔"(۱)

(۸) مرثیہ

(مطبوعہ: لاہور رضا سنز پرنٹرز' جنوری ۱۹۹۷ء)

مشمولہ مرثیہ

۱) آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں

زیر مطالعہ مرثیہ کے حوالے سے سید وحید الحسن ہاشمی رقمطراز ہیں:

"......قیصر مرحوم اپنی مرثیہ گوئی کو کلام انیس کا صدقہ قرار دیتے تھے لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ان کے کلام پر مرزا دبیر اور جوش ملیح آبادی کے طرز کی چھاپ ہے"۔(۲)

جدید اردو مرثیے کے معتبر شاعر حضرت قیصر بارہوی ۲۵ دسمبر ۱۹۹۶ء کو راہی ملک بقا ہوئے۔ ان کی المناک رحلت سے صنف مرثیہ کا ایک روشن آفتاب غروب ہو گیا۔ قیصر بارہوی نے زندگی بھر اپنے خون جگر سے مرثیے کا چراغ روشن رکھا اور اس کی لو مدہم نہ ہونے دی۔ وہ جب تک زندہ رہے انہوں نے مرثیے کے فروغ کے لئے اپنی جملہ صلاحیتیں صرف کیں اور مرثیے کو دوسری معروف اصناف کے مقابل لا کھڑا کیا۔ انہوں نے اس صنف کو جدید رجحانات و میلانات کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور اسے میدان کربلا کی فتح کا نقارہ بنا دیا۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی رحلت سے جہاں پورا پاکستان اشک فشاں ہے وہاں صنف مرثیہ کا چہرہ بھی اداس ہو گیا ہے۔(۳)

---

(۱) مظہر نیازی' "آیات آمنہ۔ ایک مطالعہ" ماہنامہ "شام و سحر" لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۹۹

(۲) وحید الحسن ہاشمی سید' "قیصر بارہوی" "ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک" مرثیہ' لاہور' رضا سنز پرنٹرز' ۱۹۹۷' ص ۴

(۳) محمد ہارون قادر' قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری' لاہور' الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء' ص ۱۰۰

(یاد رہے کہ قیصر بارہوی کے وہ مراثی اس فہرست میں شامل نہیں
جو انتخاب مراثی میں شائع ہوئے ہیں۔)

(۹) قیصر بارہوی کے مرثیے

(مطبوعہ: لاہور جولائی ۲۰۰۶ء)

قیصر بارہوی کی رحلت کے بعد ناقدین نے انہیں یکسر فراموش کر دیا۔ اِدھر اُدھر چھپنے والی تعزیتی تحریروں کو چھوڑ کر ان پر کوئی مبسوط تحقیقی کام نہیں ہو سکا۔ راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ قیصر بارہوی کے تمام مرثیے یکجا ہو جائیں اور اعزاز کے ساتھ طبع ہوں۔ راقم الحروف کا یہ خواب تعبیر کی منزل میں داخل ہو چکا ہے کہ "قیصر بارہوی کے مرثیے" کے عنوان سے راقم الحروف نے قیصر بارہوی کے درج ذیل ترپن مرثیے یکجا کر کے شائع کر دیے ہیں:

مشمولہ مرثیہ

۱) دُرِّ یتیم (انسان رہنمائے حقیقت تلاش کر)
۲) شہرِ معلیٰ (معراج عقل و فکر ہے سودائے کربلا)
۳) عزّتِ وجود (شبیرؑ کائنات کی عزت کا نام ہے)
۴) پیکرِ عظمت (تو اعتبار نفس کا جوہر ہے اے حسینؑ)
۵) معراجِ وفا (کس باوفا کے نام سے نامِ وفا ہے آج)
۶) جہادِ زینبؑ (پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے)
۷) یتیمانِ مسلمؑ (دل والو سنو واقعۂ اشک فشانی)
۸) شامِ غریباں (پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اُٹھا)
۹) نوائے احساس (لطفِ حیات میری پریشانیوں میں ہے)
۱۰) حسینؑ اور انتخاب (انسان کی نگاہ میں آبِ حیات ہے)
۱۱) صبحِ مودّت (راز بقا ہے خدمتِ آلِ رسولؐ ہیں)

۱۲) علمِ علی (میری زباں پہ علمِ علی کا بیان ہے)

۱۳) اعجازِ تخیل (زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو)

۱۴) اُجالوں کا سفر (شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں)

۱۵) معراجِ بشر (نماز سے بشر نے عروج پاتی ہے)

۱۶) معصومۂ کربلا (زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ)

۱۷) یوسفِ حسینؑ (وسعتِ جہاں میں کون شکارِ اجل نہیں)

۱۸) عرفانِ حیات (فکر سے پیار کی تصویر بناتا ہوں میں)

۱۹) سبطینِ مرتضیٰؑ (حیراں ہوں کیا فضائل زینبؑ رقم کروں)

۲۰) آشوبِ عصر (ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے)

۲۱) مظلومیت (مظلومیت شعور کے خنجر کی دھار ہے)

۲۲) انسان اور کربلا (انساں کو عظیم بناتی ہے کربلا)

۲۳) علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ (عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن)

۲۴) کعبہ اور محافظانِ کعبہ (اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو)

۲۵) بے ثباتیِ عالم (مسافرانِ عدم کا سفر ارے توبہ)

۲۶) سیدۂ مسمومہؑ (شہرِ تاریخ سے مسموم ہوا آتی ہے)

۲۷) عرفانِ امامت (کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچئے)

۲۸) نمازِ دل (دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے)

۲۹) نظامِ اسلام (امنِ عالم کی ضمانت ہے نظامِ اسلام)

۳۰) کربلا و نجف (جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں)

۳۱) عظمتِ فن (کیا کیا چراغ اہلِ بصیرت جلا گئے)

۳۲) مدحِ ابوطالبؑ (مدحِ ابوطالبؑ میں ہے اندازِ بیاں اور)

۳۳) آیاتِ آمنہ (اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام)

۳۴) عروجِ عالمِ نسواں (عروجِ عالمِ نسواں ہے ماجرائے سخن)

۳۵) عشقِ حسینؑ (عشقِ حسینؑ میں جو گزرتا ہے دوستو)

۳۶) عباسِ نامدارؑ (عباسؑ نامدار کو جوشِ نبرد ہے)

۳۷) سخن لاجواب (یارب مری زبان کو سخن لاجواب دے)

۳۸) یوسفِ کربلاؑ (حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں)

۳۹) ہفت اقلیم (ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا)

۴۰) آبروئے فکر (دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے)

۴۱) شاہدِ محشر (دنیا میں نیا باب سخن کھول رہا ہوں)

۴۲) وحدتِ مذہب (فکرِ مذہب ہے تو مذہب کی حقیقت سمجھو)

۴۳) تربیت (تربیت سے آدمی کے ذہن کی تعمیر ہے)

۴۴) آئینۂ انقلاب (ماہِ محرم آئینۂ انقلاب ہے)

۴۵) معراجِ نفس (خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال)

۴۶) قرآن کی کہانی (قرآن کے ہونٹوں پہ جو فریاد ہے سُن لو)

۴۷) جنابِ سیدہؑ (رکھیے کتابِ سیرتِ زہراؑ نگاہ میں)

۴۸) جنابِ فاطمہ بنتِ اسدؑ (زوجِ ابوطالبؑ کا شرف حسن شرف ہے)

۴۹) عزاداریِ حسینؑ (انساں کی آبرو ہے عزاداریِ حسینؑ)

۵۰) شاعرِ دربارِ حسینؑ (میں شاعرِ دربارِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہوں)

۵۱) فریاد (اے جبرئیلؑ فکرِ مدینہ دکھا مجھے)

۵۲) مولانا محمد مصطفےٰ جوہر (منظر میں آبروئے گلستاں گلاب ہے)

۵۳) روشنیِ فکر و عمل (آیئے خانۂ معبود کی تحریر پڑھیں)

قیصر بارھوی کی مرثیہ نگاری جدت و کلاسیکت کا حسین امتزاج تھی۔ انہوں نے یوں تو ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی تھی لیکن صنفِ مرثیہ میں ان کے طبعی جوہر کھل کر

ہمارے سامنے آئے۔(۱) حقیقت یہ ہے کہ قیصر بارہوی کے مرثیوں میں دیگر اصناف سخن کی خوشبو بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔خاص طور پر غزل کا رچاؤ اور قصیدہ کا طنطنہ انتہائی حسین امتزاج کے ساتھ ان کے مرثیوں پر جلوہ افروز ہوا۔اس سلسلے میں پروفیسر حسن عسکری کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

''قیصر بارہوی کا نام مرثیہ گوئی کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔وہ بحیثیت مرثیہ نگار پاکستان کا وقار بن کر اکیسویں صدی پر اپنے اثرات مرتب کریں گے ان کا اسلوب اظہار ہم عصر مرثیہ نگاروں میں سب سے الگ اور طرز ادا جداگانہ تھی۔ان کے ہاں محاکات منظر نگاری اور جزئیات نگاری عہد موجود سے مناسبت رکھتی ہے۔ وہ ہواؤں اور فضاؤں سے گفتگو کرتے اور ریگزاروں سے ہم کلام ہونے کا ہنر جانتے ہیں۔قیصر بارہوی زمان و مکان کی وسعتوں سے ماورا ایسا مقام بھی ہمارے مشاہدے میں لانے پر قدرت رکھتے ہیں جسے وجدان کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔قدرت بیان کے حوالے سے وہ کسی بھی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اظہار کی سنگلاخ وادی میں پا بہ جولاں گزرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں اور اپنے قاری کو ہم رکاب لے کر آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔وہ مرثیے میں انسانی نفسیات کی باریکیوں کو شعریت کا جامہ پہنا کر داد وصول کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔انہیں لفظ برتنے اور معنویت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔''(۲)

قیصر بارہوی نے جدید اردو مرثیے کو سنجیدہ فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ اسالیب کے نئے ذائقوں سے بھی آشنا کیا۔قیصر بارہوی نے اپنے مرثیوں کو نت نئے موضوعات سے سجایا اور ان موضوعات میں اپنے جوش تخیل سے جان ڈال دی۔(۳) انہوں نے موضوع

---

(۱) احمد ندیم قاسمی ''قیصر بارہوی کی غزل'' ماہنامہ 'شام و سحر' لاہور جون ۱۹۹۰ء ص ۲۱

(۲) حسن عسکری کاظمی 'روزنامہ' ''مساوات'' ۳۰ دسمبر ۱۹۹۶ء

(۳) عاشور کاظمی، سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۶ء ص ۶۰۰

کے انتخاب اور اس کی ترتیب وتشکیل پر اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کیں۔ وہ مرثیے کی تخلیق سے قبل موضوع کے تمام زخوں کا احاطہ کرتے اور کمزور پہلوؤں کو بھی اپنے شاداب اسلوب سے توانا کر دیتے تھے۔ جدید اردو مرثیے کے ایک ناقد ڈاکٹر ہلال نقوی نے اپنے مقالے میں یہ حیرت انگیز بات تحریر کی ہے کہ:

''قیصر صاحب نے راقم السطور کو ایک بار دوران گفتگو بتایا تھا کہ وہ مرثیہ سے قبل کوئی خاکہ اپنے ذہن میں نہیں بناتے۔ ڈاکٹر خاکی نے بھی یہی بات لکھی ہے...... پہلے سے کوئی خاکہ تعمیر نہ کرنا اور مرثیے کو موضوع کی پابندی کے ساتھ لکھنے کا عزم اس فکر میں بڑا تضاد ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موضوع تشنہ رہ جاتا ہے اور اس میں ایک بے ربطی اور تنظیم خیال کا فقدان محسوس ہونے لگتا ہے۔ قیصر صاحب کیونکہ بنیادی طور پر شاعر کا ذہن رکھتے ہیں اور ان کے مصرعوں میں شعریت زیادہ ہوتی ہے چنانچہ شعریت کا یہی لباس موضوع کی بعض دوسری کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتا ہے۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب کے پیش کردہ اقتباس سے درج ذیل نکات ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(ا) قیصر بارہوی مرثیے سے قبل کوئی ابتدائی خاکہ تشکیل نہیں دیتے۔

(ب) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں موضوع تشنہ رہ جاتا ہے۔

(ج) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں بے ربطی کا احساس ہوتا ہے۔

(د) قیصر بارہوی کے مرثیوں میں تنظیم خیال کا فقدان ملتا ہے۔

(ر) قیصر بارہوی کی شعریت کے نتیجے میں ان کی موضوعاتی خامیوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے قیصر بارہوی کے فن پر درج بالا اعتراضات وارد کرتے ہوئے اپنی نجی گفتگو کو بنیاد بنایا ہے جو تحقیقی اعتبار سے ناقص ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے قول کی

maablib.org

---

(۱) ہلال نقوی، ڈاکٹر، بیسویں صدی اور جدید مرثیہ، کراچی محمدی ٹرسٹ، ۱۹۹۴ء ص ۶۸۵

تائید کے لئے ڈاکٹر مسعود رضا خاکی کا نامکمل اقتباس بھی پیش کیا ہے جو تحقیقی اصولوں کے سراسر خلاف ہے اور خود خاکی صاحب کا پیش کردہ نامکمل اقتباس بھی موصوف کے خیال کی تردید کر رہا ہے۔ اس موقع پر ان اعتراضات کا بھرپور تجزیہ کرنا ممکن نہیں تاہم افسوسناک بات یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے قول کی صداقت کے لئے قیصر بارہوی کے ان مرثیوں کی نشاندہی نہیں کی جو موضوع کے اعتبار سے تشنہ محسوس ہوتے ہوں یا ان میں بے ربطی و تنظیم خیال کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔ راقم الحروف کو قیصر بارہوی کے ساتھ بیس برس سے زیادہ عرصہ رہنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قیصر بارہوی نا صرف یہ کہ اپنے مرثیے کی تشکیل سے قبل ایک جزوی خاکہ مرتب کرتے تھے بلکہ اس موضوع کے مختلف رُخوں کا مطالعہ کرنے کے لئے اردو اور انگریزی کتب سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ہم عصروں اور شاگردوں کو تخلیق مرثیہ سے قبل موضوع پر غور و فکر کی دعوت دیتے تھے۔ یہاں مجھے محض ڈاکٹر صاحب کے قول کی تکذیب کرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ میں ایک بڑے مغالطہ کی نشاندہی بھی کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ڈاکٹر صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ درج ذیل مرثیوں کا مطالعہ فرمائیں اور اس سوال کا جواب دیں کہ کیا یہ مرثیے مکمل خاکہ بنائے بغیر تشکیل دیئے جا سکتے ہیں......؟؟

۱۔ مرثیہ جناب فضہؑ	۲۔ مرثیہ آیاتِ آمنہؑ
۳۔ مرثیہ نمازِ دل	۴۔ مرثیہ علم غیب
۵۔ مرثیہ حسینؑ اور انتخاب	۶۔ مرثیہ فضیلت حج
۷۔ مرثیہ معراجِ نفس	۸۔ مرثیہ شاہد محضر
۹۔ مرثیہ فاطمہ بنت اسدؑ	۱۰۔ مرثیہ جناب بلالؓ
۱۱۔ مرثیہ ضرورت مذہب	۱۲۔ مرثیہ وحدت مذہب
۱۳۔ مرثیہ نسیم امروہوی"	۱۴۔ مرثیہ مولانا جوہر"

قیصر بارہوی ایک ساحرانہ شخصیت کے مالک تھے ان کی شخصیت کا جاہ و جلال ان کی

شاعری میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔(۱) قیصر بارہوی کا تخیل انتہائی ندرت کا مظہر ہے اور شعری تراکیب ولفظیات زبان و بیان پر ان کے عبور کو ظاہر کرتی ہیں۔(۲) قیصر بارہوی نے جس ماحول اور حالات میں صنف مرثیہ کو فروغ دینے کا بیڑا اٹھایا وہ علما سے زیادہ ذاکرین کے زیر اثر تھا۔ یہی سبب ہے کہ طبعی مناسبت اور عصری ضرورت کے تحت قیصر بارہوی نے مرثیہ کی خوانندگی کے لئے تحت اللفظ اور ترنم کے درمیان کا راستہ تخلیق کیا۔(۳) حقیقت یہ ہے کہ مرثیہ کی خوانندگی کا یہ انداز ان کی پرتجمل اور بیباکانہ شخصیت کے زیر اثر وجود میں آیا ہے۔ قیصر بارہوی مرثیہ پڑھتے ہوئے محض حاضرین کو سحر میں لانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کے اشعار کا جادو سامعین کے دل و دماغ پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔(۴) بعض ناقدین اور مرثیہ نگار اس غلط فہمی کا بھی شکار ہو گئے ہیں کہ قیصر بارہوی کی شہرت و عظمت ان کی شاعری کے بجائے ان کے لحن کے سبب ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کی یہ رائے ملاحظہ فرمایئے:

> ''وہ لحن میں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ مجلسی اعتبار سے اس کا بہت اثر قائم ہوتا ہے جس طرح اچھی پڑھت مرثیے کے معیار کو (مجلس کی حد تک) بلند کر دیتی ہے اسی طرح قیصر صاحب کا لحن بھی تخلیق میں چار چاند لگا دیتا ہے...... قیصر صاحب کی خوانندگی کا طرز جس کی بنیاد لحن پر ہے اس کی اثر انگیزی سے انکار نہیں لیکن اگر ادبی اعتبار سے دیکھا جائے تو لحن کا یہی اثر سامع کو شعر کی حقیقی اور باطنی کیفیت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ فکر و فن اور ادبی معیارات کی کسوٹی پر جب شعر کو پرکھنا ہوگا تو لحن اور ترنم سے ہٹ کر بات کرنا ہوگی...... ان کے فن مرثیہ گوئی کی جو ادبی جہتیں ہیں ان کے ادراک کے لئے ضروری ہے کہ ان کے مرثیے کو کاغذ پر بھی مطالعہ کیا جائے تاکہ اپنے عہد کے ایک

---

(۱) اجمل نیازی ڈاکٹر' غزل اور مرثیے کا امتزاج' ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۳۰

(۲) عبیداللہ خان، ڈاکٹر ''قیصر بارہوی کا مرثیہ آیات آمنہ'' لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۵۳

(۳) مرزا امیر علی جونپوری تذکرہ مرثیہ نگاران اُردو (جلد اول) لکھنو: دانش محل، ۱۹۸۵ء، ص ۴۰۳

(۴) حسن عسکری کاظمی' شاعر حسینیت۔ ایک مطالعہ' ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور' جون ۱۹۹۰ء' ص ۶۶

معروف و مشہور مرثیہ نگار کے ادبی پائے کا بھی صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس طرح وہ محاسن شعری بھی صحیح طور پر سامنے آسکیں گے جو لحن کی سحر انگیزی میں دب جاتے ہیں۔"(۱)

ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب نے درج بالا اقتباسات میں قیصر بارہوی کے فن پر جو اعتراضات کئے ہیں ان کی تلخیص یہ ہے :

۱۔ قیصر بارہوی لحن میں مرثیہ پڑھتے ہیں اسی وجہ سے ان کی مجلسیں پر تاثیر ہوتی ہیں۔

۲۔ قیصر بارہوی کی اچھی پڑھت سے مرثیہ میں وقتی طور پر "معیار" کا احساس بڑھتا ہے اور تخلیق کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

۳۔ قیصر بارہوی کا پر اثر لحن سامع کو شعر کی حقیقی اور باطنی کیفیت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

۴۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کو لحن سے ہٹ کر مطبوعہ شکل میں دیکھنے کی ضرورت ہے تا کہ ان کا حقیقی ادراک کیا جائے اور ان کا ادبی معیار متعین کیا جا سکے۔

۵۔ قیصر بارہوی کے لحن کی سحر انگیزی میں دب جانے والے شعری محاسن اسی وقت منظر عام پر آسکتے ہیں جب قیصر بارہوی کے مرثیے طباعت کی منزل میں داخل ہوں۔

ڈاکٹر صاحب نے درج بالا اعتراضات میں بعض انتہائی اہم نوعیت کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ قیصر بارہوی پر اٹھائے گئے ان اعتراضات سے میرے ذہن میں بعض سوالات ابھرتے ہیں مثلاً

۱۔ کیا ایک کمزور اور ناقص مرثیہ محض ترنم یا اندازِ خواندگی کی بنا پر معتبر اور مقبول ہو سکتا ہے......؟؟؟

۲۔ کیا معتبر اور معیاری مرثیے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحت اللفظ میں پڑھا جائے......؟؟؟

۳۔ کیا سامع مجلس میں محض ترنم سے مرثیہ پڑھنے والوں سے متاثر ہو کر شعر کی باطنی

---

(۱) ہلال نقوی، ڈاکٹر 'بیسویں صدی اور جدید مرثیہ' کراچی محمدی ٹرسٹ ۱۹۹۴ء، ص ۶۸۶

کیفیت سے بیگانہ ہو جاتا ہے یا تحت اللفظ مرثیہ گو بھی سامع پر اپنی پڑھت سے سحر کر سکتے ہیں؟؟

۴۔ کیا اچھا سامع مرثیہ سنتے ہوئے ترنم میں اتنا محو ہو سکتا ہے کہ وہ شعری محاسن یا مرثیے کے فنی تقاضوں کو فراموش کر دے؟؟

۵۔ کیا جن مرثیہ نگاروں کے تمام مرثیے مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہیں ان پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں اور کیا تاریخ مرثیہ میں ان کا مقام و مرتبہ متعین نہیں کیا جا سکتا؟؟

ظاہر ہے کہ یہ تمام سوالات فکری و فنی اعتبار سے انتہائی اہم ہیں اور قیصر بارہوی سے ہٹ کر ڈاکٹر صاحب کو ان سوالات کی طرف بھی توجہ چاہیے۔ جہاں تک قیصر بارہوی کا تعلق ہے ان کی لحن کی ترنم ریزیوں کا ایک زمانہ معترف ہے اور تمام ناقدین اس امر پر اتفاق رکھتے ہیں کہ قیصر بارہوی کے فکری کلام کو ان کا ترنم مزید ابھارتا بلکہ نکھارتا ہے۔ (۱) اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا ہے کہ قیصر بارہوی کے مقام و مرتبہ کا تعین اسی وقت کیا جائے گا جب ان کے مرثیے مطبوعہ شکل میں منظر عام پر آئیں گے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی کتاب فروری ۱۹۹۴ء میں طبع ہوئی اور اس سن سے قبل قیصر بارہوی کے مرثیوں کے درج ذیل چار دیوان زیور طبع سے آراستہ ہو چکے تھے اور علیحدہ کتابی شکل میں شائع ہونے والے مرثیے ان کے علاوہ ہیں۔

۱۔	شباب فطرت	۱۹۶۹ء	کل مرثیے ۷
۲۔	عظیم مرثیے	۱۹۷۷ء	کل مرثیے ۱۲
۳۔	منفرد مرثیے	۱۹۹۰ء	کل مرثیے ۱۲
۴۔	منتخب مرثیے	۱۹۹۱ء	کل مرثیے ۱۰

---

(۱) (i) ضمیر اختر نقوی، اردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سید اینڈ سید، ۱۹۸۲ء، ص ۳۶۲
(ii) عاشور کاظمی، سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۳
(iii) مرزا امیر علی جونپوری تذکرہ مرثیہ نگاران اردو لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۸۵ء، ص ۳۰۳

ڈاکٹر صاحب نے ان مرثیوں کا نہ صرف یہ کہ مطالعہ فرمایا تھا بلکہ اپنی تصنیف میں ان کے حوالے بھی فراہم کیے ہیں اب میں ڈاکٹر صاحب سے یہ استفسار کروں گا کہ کیا یہ مرثیے مطبوعہ شکل میں کاغذ پر تحریر نہیں ہیں کہ ان کا شعری ادراک کر کے قیصر بارہوی کا ادبی مقام متعین کیا جاتا......؟؟

قیصر بارہوی نے فکری موضوعات کے ساتھ ساتھ اسالیب بیان کے لئے بھی نئی نئی راہیں تراشیں۔ یہی سبب ہے کہ صنف مرثیہ میں ان کی آواز صاف پہچانی جاسکتی ہے۔ قیصر بارہوی کے مرثیوں کی عظمت سے انکار ممکن نہیں ان کا جدید لب ولہجہ اور عصری افکار ونظریات سے ان کی شیفتگی انہیں آئندہ آنے والی صدیوں میں بھی زندہ رکھے گی۔ (۱) ان کے ایک مرثیے کے دو بند میرے اس موقف کی تائید کریں گے۔

دنیا میں نیا باب سخن کھول رہا ہوں　　حیراں ہوں خزانے وہ گہر تول رہا ہے
ذہنوں میں ستاروں کی چمک گھول رہا ہوں　　جبریل سمجھتے ہیں جہاں بول رہا ہوں
سدرہ کے نگینے شجر دل پہ سجے ہیں
تخیل کو سرخاب کے پر آج لگے ہیں

پروانۂ جدّت کو ملی جدّتِ پرواز　　جو دشمنِ جاں تھیں وہ ہوائیں ہوئیں دمساز
کہتی ہے فرشتوں سے طبیعت کی تگ وتاز　　یہ سیرِ فلک ہے غمِ شبیرؑ کا اعجاز
تصویرِ ہنر کھینچ کے تہذیبِ ہنر سے
تحسینِ سخن پاؤں گا اربابِ نظر سے

(مرثیہ شاہدِ محشر......حضرت جبریلؑ)

قیصر بارہوی عصر جدید کے ایک معتبر مرثیہ نگار ہیں۔ انہوں نے اپنے افکار و اسالیب سے صنفِ مرثیہ کو جو نئے رنگ اور ذائقے عطا کیے ہیں، وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ انہوں نے مرثیہ کی صنف کو جدید تقاضوں کی پیشکش کا ذریعہ بنایا اور اسے اپنے عہد کے

---

(۱) آغا سہیل ڈاکٹر بارگاہ (فلیپ) لاہور قیصر بارہوی گولڈن جوبلی آرگنائزیشن ۱۹۹۳ء صفحۂ آخر فلیپ

مسائل سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ عطا کیا۔(۱) یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں آپ کو جدید عہد کے سیاسی وسماجی مسائل ومعاملات بھی موجزن دکھائی دیں گے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مخلصانہ تجاویز بھی ملیں گی۔ یہ امر انتہائی مسرت انگیز اور قابل تحسین ہے کہ صنف مرثیہ کو نایاب اور جدید مرثیوں سے مالا مال کرنے کے باوجود قیصر بارہوی عمر بھر نہایت خلوص اور عجز کے ساتھ صنفِ مرثیہ کی آبیاری میں مصروف رہے ہیں۔ وہ بظاہر تو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن ان کے یادگار مراثی آج بھی ہمارے دلوں کو متاثر کر رہے ہیں۔(۲)

قیصر بارہوی کے مرثیوں کے مطالعے کے نتیجے میں جو بات سب سے پہلے ہماری نگاہ میں جگہ پاتی ہے وہ ان کا جدید فکری نظام، منفرد اندازِ بیان اور پر تاثیر لب ولہجہ ہے۔(۳) اس سلسلے میں سب سے پہلے خود ان کا یہ دعویٰ ملاحظہ فرمائیے۔

جدید عہد سخن کا نظام لایا ہوں میں حرف و لفظ میں جدت کا جام لایا ہوں
جو منفرد ہے وہ طرزِ کلام لایا ہوں اک آفتاب اُجالوں کے نام لایا ہوں
جواہرات کے یہ آئینے مکمل ہیں
برائے سعیٔ عمل زاویے مکمل ہیں

(مرثیہ: کعبہ و نجف)

یہاں جدید نظامِ سخن سے وہ نظامِ فکر مراد نہیں ہے، جو غیر یقینی کیفیات اور ابہام کو جنم دیتا ہے یا جس کے نتیجے میں شاعری نثری پیرائے میں اپنا اظہار کرنے لگتی ہے بلکہ اس نظام اور طرزِ فکر سے مراد یہ ہے کہ تمام ادبی تحاریک سے وابستہ رہتے ہوئے اور اپنے تہذیبی سرمائے سے تعلق کو قائم رکھتے ہوئے کوئی نئی اور تازہ بات پیش کی جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بقول

---

(۱) طارق عزیز، ڈاکٹر، قیصر بارہوی اور جدید طرزِ احساس (آیاتِ آہن) لاہور، سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص۶۰

(۲) عاشور کاظمی، سید اردو مرثیے کا سفر دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۷

(۳) حق نواز، پروفیسر، قیصر بارہوی۔ ایک منفرد مرثیہ نگار، ماہنامہ ''شام وسحر'' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۶۲

پروفیسر مجتبیٰ حسین عصرِ حاضر کا کوئی مرثیہ نگار جدید دور کے تقاضوں سے بے خبر رہ کر مرثیہ تخلیق ہی نہیں کر سکتا۔(۱) اس حوالے سے قیصر بارہوی کا یہ بند ملاحظہ فرمائیے۔

پروانۂ جنت کو ملی جدتِ پرواز
جو دشمن جاں تھیں وہ ہوائیں ہوئیں دمساز
کہتی ہے فرشتوں سے طبیعت کی تگ و تاز
یہ سیرِ فلک ہے غمِ شبیرؑ کا اعجاز
تصویرِ ہنر کھینچ کے تہذیب ہنر سے
تحسینِ سخن پاؤں گا اربابِ نظر سے

(مرثیہ: جبرئیلؑ۔شاہدِ محضر)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جدید رجحانات سے آگہی اور عصری میلانات سے وابستگی کے باوجود قیصر بارہوی نے جدید اصناف سخن سے قطع نظر کر کے ایک قدیم صنفِ سخن یعنی مرثیے سے اپنا ناتا کیوں جوڑا ہے......؟؟ اس کا ایک واضح اور سیدھا سادا جواب تو یہ ہے کہ جدید افکار کی پیشکش کے باوجود قیصر بارہوی کا مزاج کلاسیکی ہے اور اسی مزاج کے باوصف انہیں اپنے تہذیبی اصناف میں سے مرثیہ ترسیلِ خیالات کے لئے سب سے زیادہ موزوں مفید اور معتبر معلوم ہوا۔(۲) دوسرا سبب مذہب سے ذہنی قربت اور تیسرا بنیادی اور کلیدی سبب ان کی اپنی زبان سے سنیئے:۔

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن
حسنِ باطن سے مرصع ہیں براہینِ سخن
رُوح کا آئینہ ہے جلوۂ تمکینِ سخن
دل کے دو حرف ہیں سو رنگ سے آئینِ سخن
گفتگو گلشنِ تطہیر سے وابستہ ہے
مرثیہ جنتِ احساس کا گلدستہ ہے

(مرثیہ: غیب)

---

(۱) مجتبیٰ حسین، پروفیسر ''مرثیہ اور عہدِ جدید'' مطبوعہ جدید فنِ مرثیہ نگاری (سید وحید الحسن ہاشمی)، لاہور: مکتبہ تعمیر ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۱۸۷

(۲) انوار ظہوری سید ''اردو مرثیہ گوئی اور قیصر بارہوی'' ماہنامہ ''شام و سحر'' لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص ۵۸

الفتِ آلِ محمدؐ کے سمندر کی قسم دفترِ نظم سفینہ ہے تو موجیں ہیں قلم
گردِ پاپوش سے زائد نہیں دُنیا کے ستم دستِ کردار میں ہے نادِ علیؑ کا پرچم
ناز کرتا ہوں اس اندازِ گل افشانی پر
فخر ہے باغِ رسالتؐ کی ثنا خوانی پر

(مرثیہ: امام موسیٰ کاظمؑ)

پڑھ لیجئے عبارت ایوانِ مرثیہ تزئینِ قصرِ علم ہیں ارکانِ مرثیہ
قائل ہوئے صفات نگارانِ مرثیہ صورت گرِ ادب ہیں نگارانِ مرثیہ
بے داغ زندگی کی طلب مرثیے میں ہے
انسانیت کا سارا ادب مرثیے میں ہے

(مرثیہ: بیادِ نسیم امروہوی)

قیصر بارہوی کے یہاں جدت دراصل واقعیت سے جنم لیتی ہے۔(۱) یہی سبب ہے کہ ان کے مرثیوں میں جدیدیت تہذیبی روایت کے سائے میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ ان کے یہاں جدت محض لفظی تراکیب سے تشکیل نہیں پاتی اور نہ بھونڈے خیالات شدتِ جذبات کے ساتھ جلوہ گر ہو کر جدتِ طبع کا نام پاتے ہیں' بلکہ قیصر بارہوی تمام جدید افکار و نظریات کو ایک خاص تہذیبی پس منظر میں سمجھنے اور پرکھنے کے بعد پیش کرتے ہیں۔(۲) ذیل میں ان کے مرثیوں سے منتخب کردہ چند بند ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ قیصر بارہوی نے نئی فکر کے سورج کا سفر کس طرح رقم کیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان جدتوں کو صنفِ مرثیہ سے کس طرح مربوط کرنے کی سعی کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی دیکھیئے کہ ان بندوں میں کیسے کیسے جدید رنگ اور ذائقے موجزن ہیں' ملاحظہ فرمائیں:۔

---

(۱) عاصی کرنالی (تاثرات) 'عظیم مرثیے' لاہور' حلقہ شعرائے اہلبیتؑ' ۱۹۷۷ء' ص ۸

(۲) عبیداللہ خان' ڈاکٹر' قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرت آمنہؑ (آیاتِ آمنہؑ)' لاہور' سفینہ پبلی کیشنز' ۱۹۸۸ء' ص ۵۱

کون روکے گا نئی فکر کے سورج کا سفر   شہر بستا ہے تو بنتی ہے نئی راہ گزر
ہر زمانے میں ہے ابلاغ کا انداز دگر   قیدیٔ وقت نہیں خونِ شہیداں کا اثر
حشر تک راہ تمدن کا سفر حاصل ہے
مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے

....

وہ لکیریں بھی جو بے ربط نظر آتی ہیں   اک مصور کی نگاہوں میں جگہ پاتی ہیں
خواب مرجھاتے ہیں بیداریاں لہراتی ہیں   مشکلیں نادعلیؑ سن کے گزر جاتی ہیں
ایک نقطے کو سمجھنا بڑی دانائی ہے
مرثیہ غیب کا معصوم تماشائی ہے

....

ان گنت فاصلے اس عالم رفتار میں ہیں   جتنی صدیاں ہیں وہ اس حلقۂ افکار میں ہیں
انقلابات جہاں پنجۂ کردار میں ہیں   جتنے جوہر ہیں اسی فکر کی تلوار میں ہیں
فرق ظالم پہ یہ تلوار بہت کاری ہے
مرثیہ جذبۂ مظلوم کی بیداری ہے

(مرثیہ: غیب)

کہنے کو آدمی ہے ستاروں کا ہم سفر   کہنے کو آج برق کا سینہ ہے رہ گزر
فتحِ قمر سے فاتحِ گردوں ہوا بشر   کہنے کو اہل عقل نے کاٹے ہوا کے پر
لیکن بلندیوں میں بڑی پستیاں بھی ہیں
گھبرا رہی ہے رُوح وہ سرمستیاں بھی ہیں

(مرثیہ: عرفانِ امامت)

مظلومیت دراصل خدا آشنا مزاج   مظلومیت سے لرزہ براندام سامراج
اس در کی مشتِ خاک میں دنیا کے تخت وتاج   مظلومیت کو ملتا ہے کونین سے خراج

ہر معرکہ میں جبر نگاہی کی موت ہے
مظلومیت رعونتِ شاہی کی موت ہے

(مرثیہ: مظلومیت اور انسان)

دنیائے بندگی کا مکمل نصاب دل   روئے زمیں پہ معدنِ ہر انقلاب دل
معصوم کے بدن میں خدا کی کتاب دل   دو حرف میں ہے سارے جہاں کا جواب دل
فطرت نے ربط و ضبط کا محور بنا لیا
دل ہی تو ہے خدا نے جسے گھر بنا لیا

دل قلعۂ وجود میں قدرت کا آبشار   سیراب جس سے روح کا بے مثل لالہ زار
وہ لالہ زار نام کا پیکرِ عجب شعار   جس کی ادا پہ عقل کا ہر ارتقا نثار
لائے جواب یہ کسی صانع میں دم نہیں
دل ہی وہ ظرف ہے جو سمندر سے کم نہیں

(مرثیہ: نمازِ دل)   ....

قیصر بارہوی پچاس سے زیادہ مرثیوں کے خالق ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک شاعر کسی تاریخی واقعے کو کتنی ہی رنگا رنگی اور تنوع کے ساتھ پیش کرے، اس میں بعض تشابہات کا پیدا ہو جانا بدیہی امر ہے، تاہم قیصر بارہوی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے تکرارِ محض سے اپنا دامن حتی الوسع بچانے کی کوشش کی ہے۔ اس یکسانیت اور تکرار سے بچنے کے لئے انہوں نے یہ راستہ نکالا ہے کہ شعوری طور پر ان موضوعات پر رثائی ادب تخلیق کیا ہے جو اردو مرثیہ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں بلکہ عاشور کاظمی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ قیصر نے ایسے موضوعات کو اپنے مرثیوں میں جگہ دی ہے جو روایاتِ رائج سے باہر کی چیزیں ہیں۔(۱) موضوعات کا یہ تنوع انہیں دوسرے مرثیہ نگاروں سے نہ صرف یہ کہ ممتاز کر دیتا ہے بلکہ یہ ان کی انفرادیت، جدت اور وسعت مطالعہ کی بھی دلیل ہے۔ ذیل میں قیصر بارہوی کے تخلیق شدہ منفرد مرثیوں

---

(۱) عاشور کاظمی/سید   اردو مرثیے کا سفر   دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء، ص ۶۰۰

کے اولیں مصرعے مع موضوعات وعنوانات پیشِ خدمت ہیں۔ ان عنوانات ہی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اُردو میں ان موضوعات پر شاید ہی مکمل اور منضبط مرثیے لکھے گئے ہوں۔ آپ دیکھیے کہ کس طرح ان منفرد مرثیوں میں موضوعات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن ہے، ملاحظہ فرمائیے:

انساں کی آبرو ہے عزاداریٔ حسینؑ	(عزاداریٔ حسینؑ)
خدا کے شہر سے گزرا جو کاروانِ خیال	(روزہ کی فضیلت)
پھر طائرِ خیال ہے شہرِ خلیلؑ میں	(فضیلتِ حج)
عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن	(علمِ غیب)
اے اہلِ فکر کعبۂ دل کی اذاں سنو	(کعبہ اور محافظانِ کعبہ)
جدید عہدِ سخن کا نظام لایا ہوں	(کربلا اور نجف)
دل ہے تو زندگی کے چمن میں بہار ہے	(نمازِ دل)
ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے!	(آشوبِ عصر)
دنیا میں نیا بابِ سخن کھول رہا ہوں	(شاہدِ محشر)
دوستو! انسان کے اندر بھی اک انسان ہے	(حضرت بلالؓ)
نماز سے بشریت عروج پاتی ہے	(فضیلتِ نماز)
ابھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام	(حضرت آمنہؑ)

....

قیصر بارہوی کی سوچ کے زاویے آفاقی قدروں کے حامل ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ کربلا اور کربلا والوں کو ایک عالم گیر تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اس طرح ان کے مرثیے احمد ندیم قاسمی کے بقول نئے امکانات اور آفاق کی نئی وسعتوں سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ (۱) ان کے نزدیک وہ شعروادب لائقِ صد تحسین اور قابلِ افتخار ہے جس میں کربلا کو کسی استعاراتی نظامِ فکر

---

(۱) احمد ندیم قاسمی ''قیصر بارہوی کی غزل'' لاہور: ماہنامہ شام وسحر، جون ۱۹۹۰ء ص ۲۱

کے حوالے سے پیش کیا جائے۔ قیصر بارہوی کے اس طرزِ احساس کے پسِ پشت ان کا یہ نظریہ کارفرما ہے کہ کربلا کا واقعہ محض ایک اتفاقی اور جذباتی سانحہ نہیں بلکہ درسِ عمل اور درسِ حیات ہے۔(۱) اس سلسلے میں ان کا موقف نہایت واضح ہے کہ کربلا والوں کے طرزِ حیات کا پرچار کرنا دراصل اعلیٰ تر اخلاقی اقدار کا پرچار کرنا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رہے کہ وہ افراد سے زیادہ اقدار کے پرچارک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری ''پروپیگنڈے'' سے کوسوں دُور ہے۔ اس سلسلے میں چند بند ملاحظہ فرمائیں:

بے شک وہ حرف و لفظ ہیں مثلِ مہ و نجوم　　جو ذکر کربلا میں ہوئے دفترِ علوم
لاریب اس ادب نے مچائی ادب میں دُھوم　　جو فکر کربلا سے مزین ہے بالعموم
مقتل کی سرخیوں سے قلم زرنگار ہے
جس میں ہے کربلا وہ سخن پائیدار ہے

....

دیکھے ہیں ہم نے سارے جہاں کے سخن طراز　　انسانیت ہے جن کے بدن کی قبائے ناز
اس وحدتِ خیال میں لیکن یہ امتیاز　　ہر شہر جا نماز ہے اور کربلا نماز
ظالم سے نفرتوں کے تقاضے کہاں نہیں
مظلومیت کی فتح کے سجدے کہاں نہیں

....

شاعر کسی خیال کا ہو یا کوئی ادیب　　واعظ کسی دیار کا ہو یا کوئی خطیب
تاریخ تولتا ہے جہاں کوئی خوش نصیب　　اس طرح بات کرتا ہے احساس کا نقیب
اللہ رے سلسلہ ادب مشرقین کا
دنیا کی ہر زباں پہ ہے قبضہ حسینؑ کا

.... (مرثیہ: انسان اور کربلا)

(۱) قیصر بارہوی امتزاج لاہور: الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء ص ۱۵۹

واقعۂ کربلا عمودی اور اُفقی دونوں سطحوں پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اُفقی سطح پر کربلا کی علامت انسانی زندگی اور زندگی کے معاشرتی پہلوؤں سے اپنا تعلق ثابت کرتی ہے اور عمودی سطح پر یہ بندے کو خدا سے ملانے کا وسیلہ بنتی ہے۔ قیصر بارہوی اپنے مرثیوں کا مواد واقعۂ کربلا ہی سے حاصل کرتے ہیں مگر اس سلسلے میں وہ آفاقی صداقتوں اور عصری ضرورتوں کو نظرانداز نہیں ہونے دیتے۔(۱) آپ قیصر بارہوی کے مرثیوں کا بنظر غائر مطالعہ کیجیے' آپ کو ان میں جگہ جگہ قومی اور ملی طرزِ احساس اُجاگر ملے گا۔ وہ ان مرثیوں کے ذریعے فقط عوام الناس کی اصلاح کے خواہش مند نہیں بلکہ معاشرے میں رِستے ہوئے ناسوروں کا سراغ بھی لگاتے ہیں اور اسلام وکفر کی پنجہ آزمائی میں باطل قوتوں کے چہرے سے نقاب بھی اُلٹ دیتے ہیں۔(۲) ذیل میں مختلف مرثیوں کے چند بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ قیصر بارہوی نے مرثیے کو کس طرح شہر آشوب میں اور شہرِ آشوب کو کس طرح آشوبِ عصر میں تبدیل کر دیا ہے' ملاحظہ فرمایئے۔

ظلمتیں پھولتی پھلتی ہیں خدا خیر کرے بجلیاں رنگ بدلتی ہیں خدا خیر کرے
گردشیں اور مچلتی ہیں خدا خیر کرے بستیاں آگ اُگلتی ہیں خدا خیر کرے
محوِ حیرت ہوں کہاں بول رہی ہے دنیا
خونِ انساں سے دھواں تول رہی ہے دنیا

یہ خریدے ہوئے ہاتھوں میں چمکتے خنجر جسم گلیوں میں نظر آتے ہیں چوراہوں پہ سر
کوئی اوڑھے ہوئے سوتا ہے لہو کی چادر بال کھولے کہیں روتی ہے کسی کی دختر
پاسِ مذہب نہیں' غیرت نہیں' ایمان نہیں
ایسا لگتا ہے بھرے شہر میں انسان نہیں

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

....

(۱) عاصی کرنالی (تاثرات)'عظیم مرثیے' لاہور حلقہ شعرائے اہلبیت' ۱۹۷۷ء ص ۹

(۲) ہارون قادر' ڈاکٹر قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری لاہور: الحبیب پبلی کیشنز' ۱۹۹۸ء ص ۱۹۳

کیا چاہتا ہے آج کا انساں یہ سوچیے　　کیا ہے علاجِ ذہنِ پریشاں یہ سوچیے
پہنچی کہاں پہ گردشِ دوراں یہ سوچیے　　کیا کہہ رہی ہے نبضِ مسلماں یہ سوچیے
ہر سانس اضطراب ہے شعلہ اساس ہے
پانی کے باوجود قیامت کی پیاس ہے

(مرثیہ: عرفانِ امامت)

قیصؔر بارہوی اس سماجی انتشار و افتراق کا نہ صرف یہ کہ بغور مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ وہ ان نفوس پر بھی کڑی نگاہ رکھتے ہیں، جن کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ بظاہر مسیحِ دوراں اور بباطن گمراہ اور گم کردہ راہ ہوتے ہیں۔ قیصؔر بارہوی ایسے منافقانہ ماحول اور ابتر صورتِ حال پر افسردہ ہو کر چلا اٹھتے ہیں۔

اک طرف حرمتِ انساں پہ ہزاروں مضموں　　اک طرف زہر سیاست سے ہر انسان کا خوں
اک طرف چاند ستاروں پہ حکومت کا جنوں　　اک طرف مقتلِ کردار کی تدبیر زبوں
لبِ خنداں سے شرافت کا لہو چاٹتے ہیں
کیا ادائیں ہیں گلے مل کے گلا کاٹتے ہیں

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

....

کیا منصفانِ فکر نے سوچا کبھی ذرا　　ملت ہے کیوں نفاق کی آفت میں مبتلا
کیا سچ نہیں یہ رنگِ طبیعت کا ماجرا　　دل میں تو رام رام زباں پر خدا خدا
کہنے کو سب کے ہاتھ میں حبل المتین ہے
لیکن سوادِ غیر پہ کامل یقین ہے

(مرثیہ: نمازِ دل)

....

قیصؔر بارہوی مسلمانوں کی اس ناگفتہ بہ صورتِ حال کا تجزیہ انتہائی دانش مندی سے کرتے ہیں اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ آج بھی اسلام دشمنی پر کمربستہ ہیں۔ وہ

''مسلمانوں کو لڑاؤ اور ان پر ٹھاٹھ سے حکومت کرو'' کی پالیسی پر آج بھی کاربند ہیں۔ اس صورت حال میں پروفیسر سجاد حارث کے بقول جوش ملیح آبادی کے بعد قیصر بارہوی وہ مستند اور معتبر شاعر ہیں جنہوں نے بلند آہنگی کے ساتھ عالمی استعماری قوتوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے۔(۱) ساری دنیا میں یہود و نصاریٰ مختلف حیلوں اور بہانوں سے مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا جال پھیلا رہے ہیں۔ مسلمان اپنی بداعمالیوں اور غیر دانش مندانہ حرکات کی وجہ سے اتنے فرومایہ، غیر فعال اور بے حس ہو گئے ہیں کہ نہ تو وہ ان سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس دلدل سے باہر نکلنے کی کاوش کرتے ہیں۔ (۲) مسلمانوں کی اس بے عملی، بے غیرتی، بے حسی، انفعالیت اور زبوں حالی کو قیصر بارہوی نے جس حزنیہ لب ولہجہ میں بیان کیا ہے، وہ بجائے خود ملی مرثیے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ خاص طور پر مغربی استعمار کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا لب ولہجہ انتہائی تند و ترش ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ بھی چند بند ملاحظہ فرمائیں:

کہنا پڑے گا چھوڑ دی ہم نے رہِ وفا　　زندہ تھی جس سے قوم وہ کردار مٹ گیا
کہنا پڑے گا ہم ہیں اندھیروں کی انتہا　　قرآں کے دشمنوں کو سمجھتے ہیں ناخدا
توڑے عمل کے شیشے تعیش کے سنگ نے
لوٹا تمام باغ ہوائے فرنگ نے

....

فکر یہود و فکرِ نصاریٰ وہ شیش ناگ　　صدیوں کے تن بدن میں ہے جن کے پھنوں کا جھاگ
پھیلی ہے سرحدوں پہ جہاں خشک و تر کی آگ　　شعلے وہاں الاپ رہے ہیں انہی کا راگ
اس راگ میں وہ شام ہے جس کی سحر نہیں
اسلام جل رہا ہے ہمیں کچھ خبر نہیں

....　　(مرثیہ: آیاتِ آمنہ)

---

(۱) سجاد حارث، پروفیسر　آیاتِ آمنہ لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص فلیپ
(۲) فخر الحق نوری، قیصر بارہوی کا ایک منفرد مرثیہ (آیاتِ آمنہ) لاہور سفینہ پبلی کیشنز ۱۹۸۸ء، ص ۶۵

مغرب میں ڈوبتی ہوئی تہذیب کا اثر　مشرق کی حرمتوں کو پھراتا ہے دربدر
اہلِ قلم نے غیرتِ احساس چھوڑ کر　عشرت کے گیت گائے ہیں سورج کی لاش پر

شام و سحر کو عالمِ یک رنگ کر دیا
انسانیت کو دستِ تہہ سنگ کر دیا

(مرثیہ: عرفانِ امامت) ....

اس پرتشدد ہیبت ناک اور خون آشام منظر کو دیکھ کر قیصر بارہوی کا تخیل کربلا کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور وہ کربلا کے میدان میں اپنے لہو سے حق اور صداقت کی شمع جلانے والوں کو فخر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس کرب ناک معاشرتی صورتِ حال سے انسان کو کوئی چیز نجات دلا سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف کربلا ہے۔ قیصر بارہوی کے خیال میں ان کی مرثیہ نگاری میں عہد حاضر کے انسان کو باطل سے جنگ کرنے اور حق کی آواز بلند کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔(۱) حقیقت بھی یہی ہے کہ کربلا ہی درسِ انقلاب دینے کی معتبر جگہ ہے۔ اگر آج کا انسان اپنا کھویا ہوا شرف اور وقار حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسوۂ شبیری پر عمل پیرا ہو کر آج بھی عظمتِ کردار کا مینارۂ نور بن سکتا ہے(۲) کیوں کہ:۔

انسان کو عظیم بناتی ہے کربلا　تہذیب ردِ ظلم سکھاتی ہے کربلا
فطرت کو روشنی سے سجاتی ہے کربلا　ذہنوں میں آفتاب اُگاتی ہے کربلا

منسوب ہو جو فکرِ حسینؑ بیان سے
برسیں مہ و نجوم بشر کی زبان سے

(مرثیہ: انسان اور کربلا) ....

اسی بات کو یوں کہہ لیجئے کہ قیصر بارہوی عصرِ حاضر کے کرب کو کربلا کے وسیع تناظر

---

(۱)　قیصر بارہوی۔ امتزاج　الحبیب پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۹
(۲)　سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر　معروضات　لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۳۷

میں دیکھتے اور پیش کرتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک تہذیبی روایت سے رشتہ بھی قائم ہو جاتا ہے اور اس طرح درد و غم کی کثرت سے ان کی شاعری میں تاثیر کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا موقف یہ بھی ہے کہ کربلا کے واقعے کے اثرات اتنے ہمہ گیر اور زود اثر ہیں کہ کوئی بھی قلم کار اس کے دائرۂ اثر سے باہر نہیں نکل سکتا' کیونکہ بقول قیصر بارہوی۔

چہرۂ وقت کے قاری ہیں وہی اہلِ قلم	عدل و انصاف سے رکھتے ہیں جو لفظوں کا بھرم
عالمِ امن ہو یا منظرِ بازارِ ستم	یہ صدا گونجتی ہے سب کے لبوں پر پیہم
جب کوئی درد کی تصویر نظر آتی ہے
کربلا لوحِ تصور پہ اُبھر آتی ہے

(مرثیہ: آشوبِ عصر)

قیصر بارہوی موجودہ عہد کو کربلا سے جوڑ کر ایک طرف تو انسانوں کے اندر جذبۂ شہادت پیدا کرتے ہیں اور دوسری طرف عوام الناس کو باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں (۱) اور ڈاکٹر ہلال نقوی کے بقول قیصر بارہوی کے مرثیوں میں معاصرین کی نسبت بین و بکا پر زیادہ توجہ ہے۔ (۲) اس طرح وہ مجموعی طور پر انسانیت کی تکریم کا سبق دیتے نظر آتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ دانشوروں' ادیبوں' شاعروں اور فنکاروں سے یہی التجا کرتے ہیں کہ وہ انسان کی عظمت و حرمت کی پاسداری کریں۔ آج انسان جن مسائل و معاملات میں گھرا ہوا ہے' اگر اہلِ دانش و بینش توجہ کریں تو انسان آج بھی اپنا گم گشتہ وقار حاصل کر سکتا ہے۔ قیصر بارہوی کی یہ سوچ انتہائی مخلصانہ' توجہ طلب اور قابلِ فخر ہے۔ ان کے اسی ایک نکتہ سے ان کی مرثیہ نگاری کا وقار دو چند ہو جاتا ہے' ملاحظہ فرمائیں:۔

حلقۂ شعر و ادب' انجمنِ اہلِ خطاب	سیفِ تخیل سے اب چاہیے بھر پور جواب
پھیلتا جاتا ہے الحادِ سخن کا سیلاب	آج ہر فکر میں درکار ہے وحدت کا نصاب

(۱) عاصی کرنالی' ڈاکٹر عظیم مرثیے (تاثرات) لاہور: حلقۂ شعرائے اہلبیت' ۱۹۷۷ء' ص ۹
(۲) ہلال نقوی' ڈاکٹر بیسویں صدی اور جدید مرثیہ کراچی: محمدی ٹرسٹ ۱۹۹۴ء' ص ۶۸۲

وقت کا آئینہ دنیا کو دکھانا ہو گا
قید سے حرمتِ انساں کو چھڑانا ہو گا

(مرثیہ: آشوبِ عصر) ....

قیصر بارہوی کے بعض مرثیوں میں آغاز تا انجام ایک حزنیہ کیفیت طاری رہتی ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ مرثیہ نگار سامعین پر رقت طاری کرنے کے لئے آخری پندرہ بیس بند بکا کے لئے مخصوص کر دیتے ہیں۔ قیصر بارہوی کا طریقۂ کار اس سے مختلف اور منفرد ہے۔ وہ بعض اوقات ابتداء ہی میں ایک ایسا سحر انگیز حزنیہ دائرہ کھینچ دیتے ہیں کہ قاری و سامع اس سے باہر نہیں نکلتا۔ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ جدید افکار و نظریات کی پیشکش کے باوجود جوش کے برعکس قیصر بارہوی کے مرثیوں میں "مرثیت" کی کمی نہیں ہے۔ مرثیت کے اسی فقدان نے جوش کے بعض مرثیوں کو "مسدس" کہلوا دیا ہے۔ قیصر بارہوی کے یہاں حزنیہ ماحول کی رو پورے مرثیے میں سرایت کر جاتی ہے۔ ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی کا موقف یہ ہے کہ قیصر بارہوی نے مصائب کے بیان میں بھی زود گوئی سے کام لیا ہے اسی باعث ان کے مرثیوں پر سوز و الم اور یاس و حسرت کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ (۱) ذیل میں دیئے ہوئے مرثیوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ کس طرح قیصر بارہوی نے آغاز ہی میں ایسی کی کیفیت کا دائرہ کھینچ دیا ہے:۔

حسینؑ لاشہ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں
شمعِ توحید فروزاں ہوئی زندانوں میں
پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے
دل والو سنو! واقعۂ اشک فشانی
پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دُھواں اُٹھا
زنجیر تخیل میں گرفتار ہیں آنسو
زینبؑ کے نام سے ہے بقائے حسینیتؑ

(۱) طاہر حسین کاظمی، ڈاکٹر اردو مرثیہ میر انیس کے بعد دہلی: ایرانین آرٹ پرنٹرز، ۱۹۹۷ء، ص ۳۷۸

قیصر بارہوی کے کلام میں یہ الم انگیز اور غمناک عناصر اس وقت اور بھی شدت اختیار کر لیتے ہیں، جب مرثیہ اپنے منطقی انجام کی جانب رواں دواں ہوتا ہے۔ ان لمحات میں تو قیصر بارہوی جذبات کا اظہار اتنی شدت سے کرتے ہیں کہ قاری کی آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ قیصر بارہوی کے درد و غم سے مالا مال ان بندوں کا مطالعہ فرمایئے اور دیکھیے کہ آہ و فغاں سے مملو ان بندوں پر دبیر کی چھوٹ پڑتی دکھائی دیتی ہے(۱)۔

اصغرؑ کی یاد میں تو تڑپتی رہی ربابؑ　　مقتل میں ذبح ہو گیا فرزندِ بوترابؑ
فضہؑ دہائی دے کے پکاری بہ اضطراب　　زینبؑ کہاں ہو دیکھ لو نیزے پہ آفتاب
بستی اُجڑ گئی ہے مقدر اُلٹ گیا
چوما تھا جس گلے کو وہ خنجر سے کٹ گیا

.... (مرثیہ: انسان اور کربلا)

بھیا! کہو تو زلفِ مبارک سنوار دوں　　بھیا اگر غبار ہو رُخ پر صفا کروں
اب تو گلے کے زخم سے بہتا نہیں ہے خوں　　بھیا! بتاؤ اب تو میسر ہوا سکوں
پہلو میں اب چبھے ہوئے بھالے ہیں یا نہیں
بھیا! کسی نے تیر نکالے ہیں یا نہیں

.... (مرثیہ: مظلومیت اور اسلام)

کوئی مجھے بتائے یہ صدمے کسی نے پائے　　مارے طمانچے شمر نے، دُکھیا کسے سنائے
کانوں سے خون بہتا تھا بچی کسے بتائے　　کرتے میں آگ لگ گئی آئے کوئی بجھائے
کیا اب کسی کے سینے میں خوفِ خدا نہیں
بچی تڑپ رہی ہے کوئی پوچھتا نہیں

.... (مرثیہ: آیاتِ آمنہ)

---

(۱)　وحید الحسن ہاشمی　''قیصر بارہوی ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک'' لاہور: رضا سنز پرنٹرز، ۱۹۹۷ء

قیصر بارہوی کا اسلوب انیسؔ و دبیرؔ کے اسالیب بیان کے امتزاج کا آئینہ دار ہے۔ ان کا تخیل بلند پرواز ہے اور اسی سبب سے ان کے یہاں دبیرؔ کا شان و شکوہ اور جاہ و جلال جلوہ گری کرتا ہے۔ انیسؔ سے بے پناہ متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے اسلوبِ بیان میں بے ساختگی اور سلاست و روانی پیدا ہو گئی ہے۔ (۱) ان دونوں مختلف النوع اسالیب کے حسین امتزاج کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ قیصر بارہوی کے یہاں نہ تو دبیرؔ کا سا دشوار اور گنجلک اسلوب ظاہر ہوتا ہے اور نہ انیسؔ کی طرح سلاست و روانی کی وجہ سے اسلوب میں عوامی رنگ پیدا ہوا ہے۔ ذیل کے مرثیوں کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان پر دبیرؔ کے اسلوبِ بیان کا اثر کس کس طرح ظاہر ہوا ہے۔

پھر آ گیا ہونٹوں پہ دھواں آتشِ غم سے
ہفت اقلیم سے بہتر ہے مقدر میرا
عباسِ نامدار کو جوشِ نبرد ہے
زنجیرِ تخیل میں گرفتار ہیں آنسو
پھر خیمۂ نگاہ سے تازہ دھواں اٹھا

قیصرؔ بارہوی کی مرثیہ نگاری پر دبیرؔ کے رنگِ شاعری کا اثر دو سطحوں پر ظاہر ہوا ہے۔ پہلی سطح پر تو وہ عملی افکار کی پیشکش کی وجہ سے دبیری رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور اُن کے ہاں دبیر کی طرح لفظوں کا فنکارانہ اور عالمانہ استعمال دکھائی دیتا ہے۔ (۲) دوسری سطح پر قیصر بارہوی کے مرثیوں میں مرزا دبیر کا حزنیہ رنگ دکھائی دیتا ہے۔ میں یہ بات بڑے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ جدید عہد میں قیصر بارہوی کے مرثیوں میں جتنا المیاتی رنگ اور حزنیہ کیفیات کا اظہار ملتا ہے کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتا ہے۔ قیصر بارہوی کے بعض مرثیے دبیر کی طرح مصائب سے شروع ہوتے ہیں اور پورے مرثیے میں حزنیہ رنگ چھایا رہتا ہے۔ آپ ان کے

(۱) ضمیر اختر نقوی اردو مرثیہ پاکستان میں کراچی: سیّد اینڈ سیّد ۱۹۸۲ء؛ ص ۳۶۲
(۲) مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، اردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام، لاہور، مقبول اکیڈمی ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۲

درج ذیل مرثیوں کا مطالعہ فرمایئے تو آپ میرے درج بالا موقف کی تائید ضرور کریں گے۔

۱۔ حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں

۲۔ دل والو، سنو واقعۂ اشک فشانی

۳۔ زنجیر تخیل میں گرفتار ہیں آنسو

قیصر بارہوی کے تمام مرثیوں کے آخری بندوں میں بکائیہ رنگ، حزن و ملال پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ ذیل کے بند دیکھیئے کہ کس طرح قیصر بارہوی نے افکار و اسالیب میں دبیر کی شعوری یا لاشعوری پیروی کی ہے۔

"صورتِ خادمہ جاؤں گی مجھے لے چلیے
ہاتھ فضہؑ کا بٹاؤں گی مجھے لے چلیے
میں کسی کو نہ ستاؤں گی مجھے لے چلیے
منہ سکینہؑ کا دھلاؤں گی مجھے لے چلیے
جسے کہتے ہیں دوا' نام نہ لوں گی بابا
لوریاں آپ کے معصوم کو دوں گی بابا

(مرثیہ: غیب) ....

میں عہد کرتی ہوں ماں جائے کے لہو ن لے
تجھے چھپا نہ سکیں گے یہ ظلم کے پردے
تری کہانیاں دھرا کے خشک ہونٹوں سے
میں چھین لوں گی زمانے سے دل شکن لہجے
یہ غم نہیں ہے کہ اب سوگوار قیدی ہوں
بہن حسینؑ کی ہوں فاطمہؑ کی بیٹی ہوں

(مرثیہ: نقشِ علیؑ و بتولؑ) ....

میں پوچھتی ہوں کیا مرے بچے کا تھا قصور
کیوں خون میں ڈبو دیا انسانیت کا نُور
کیا جرم تھا جواب تو دے فوج پر غرور
اک قطرہ آب کا مرے اصغرؑ سے دُور دُور
کس طرح اپنا لختِ جگر دیکھتی ہوں میں
نیزے پہ شیر خوار کا سر دیکھتی ہوں میں"

(مرثیہ: آیاتِ آمنہؑ) ....

بولے علیؑ چلو مرے لختِ جگر چلو　　تاخیر اب نہ چاہیئے نورِ نظر چلو
دل بے قرار ہو گیا جلدی سے گھر چلو　　زینبؑ کہیں نکل نہ پڑے تیز تر چلو
عباسؑ سے کہو کہ وہ در پر نظر رکھے
ہم جلد آ رہے ہیں بہن کی خبر رکھے

....

سُنی جو باپ کی آنسو بھری ہوئی آواز　　بدن میں تھرتھری آئی تڑپ گیا جانباز
سمٹ کے آ گیا آنکھوں میں ضبط کا انداز　　بیانِ دل کیلئے درد ہو گیا دم ساز
اب اضطراب نے کچھ دائرے سمیٹ لئے
نفس نفس پہ طبیعت نے غم لپیٹ لئے
لبوں میں آ گئی جنبش کھلے نگاہ کے دَر　　نظر پہنچ گئی سبطِ نبیؐ کے چہرے پر
بیان ہو نہیں سکتی یہ حالتِ اکبرؑ　　کچھ اس طرح ہوئی تعظیمِ سبطِ پیغمبرؐ
جھکا کے پلکیں شہِ دیں کا احترام کیا
لرزتے ہونٹوں سے مظلوم کو سلام کیا
کہا یہ کانپتے لفظوں میں، اے مرے بابا　　فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا　　چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
گھرے ہیں سیدِ والا ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

(مرثیہ: یوسفِ کربلا)

....

قیصؔر بارہوی کے ان مرثیوں میں شاید آپ کو رزمیہ عناصر، ساقی نامے، تلوار کے مدحیہ قصائد، گھوڑے کے محاسن، مناظرانہ مباحث اور فکری موعظت وغیرہ تو کثرت سے نہ مل سکیں۔ لیکن واقعۂ کربلا کی روشنی میں اعلیٰ تر اخلاقی اقدار کی ترجمانی ضرور ملے گی۔ قیصؔر بارہوی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے بیسویں صدی کی جدید روایات اور اپنی تہذیبی اور کلاسیکی

روایات کے امتزاج سے صنفِ مرثیہ کو ایک نیا ذائقہ دیا اور ایک نئی راہ سجھائی ہے۔(۱) اب کہا جا سکتا ہے صنفِ مرثیہ کے حوالے سے موجودہ دور قیصؔر بارہوی کا دور ہے۔

اس معروضے کے آغاز میں راقم الحروف نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ انیسؔ و دبیرؔ نے برصغیر کے تہذیبی اثرات اور واقعۂ کربلا کے ہمہ گیر اثرات کو نہایت فن کاری کے ساتھ ملا جلا کر اپنے مرثیوں میں محفوظ کر دیا تھا۔ اب اسی معروضے کی روشنی میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیصؔر بارہوی نے بھی پاکستانی طرزِ احساس اور کربلا کے اثرات کو ایک دوسرے میں جذب کر کے مرثیوں کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب اگر ہم چاہیں تو ان مرثیوں میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ ساتھ پاکستانی اسلامی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ بھی کر سکتے ہیں۔

◆◆◆

---

۱) عبیداللہ خاں، ڈاکٹر، قیصر بارہوی کا مرثیہ حضرت آمنہ (آیاتِ آمنہ)، لاہور: سفینہ پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۵۳

انتخاب کلام

آیاتِ آمنہ ؑ

(مرثیہ در حال حضرت آمنہ ؑ)

(۷۸ بند۔ ۱۹۸۷ء)

❖❖

اب سامنے ہے عصمت و عظمت پہ وہ دلیل
جھومیں گے فرطِ لُطف سے ہر فکر کے عقیل
اب مدحِ آمنہؑ میں ہے وہ نکتۂ جلیل
تحسین و مرحبا سے نوازیں گے جبرئیلؑ
دامن میں ہیں تمام فضیلت لئے ہوئے
زیرِ قدم رسولؐ کی جنت لئے ہوئے

❖❖

آبادِ آمنہؑ

اُبھرا ہے لوحِ فکر پہ اک لازوال نام   عفت مآب منبعِ جاہ و جلال نام
تحریم کی نگاہ میں حدِّ کمال نام   قرآن و آل جس کے ثمر وہ نہال نام
جس کے حروف ساری عبادت پہ چھا گئے
وہ نام جس کے سائے میں کونین آ گئے

بینائیِ شعور سے وہ جلوہ بار نام   لکھوں جسے مقدرِ لیل و نہار نام
تخلیق کے ورق پہ مشیّت نگار نام   جس سے وجودِ عقل نے پائے ہزار نام
دنیا میں روشنی کے سفر پر محیط ہے
وہ نام جو عروجِ بشر پر محیط ہے

وہ نام ہے فصیلِ طبیعت کا آفتاب   چمکا ہے جس سے مدح میں جدّت کا آفتاب
کہتا ہے ذہن و دل کی صداقت کا آفتاب   اس نام کی ضیا ہے رسالت کا آفتاب
صدیوں کی ظلمتوں نے چھپایا تو کیا ہوا
اس لوحِ نور پر ہے محمدؐ لکھا ہوا

حرمت فدا وہ حرمتِ عقلِ سلیم نام　　　ایماں نوازؑ نازشِ ربِّ کریم نام
یہ کہہ کے سر جھکائیں جدید و قدیم نام　　　جس میں تمام عظمتیں وہ ہے عظیم نام
وہ نام جس کے جلووں کی تکمیل دین ہے
دامن میں جس کے رحمتِ للعالمینؐ ہے

وہ نام جس کو فضل و کرم کی سحر کہوں　　　تاریخ جس پہ ناز کرے وہ خبر کہوں
انسب ہے سطوتِ بنی ہاشمؑ اگر کہوں　　　یا عبدِ مطلبؑ کی دُعا کا اثر کہوں
وہ نام جس پہ عظمتِ کعبہ کو ناز ہے
جو مذہبِ خلیلؑ میں مثلِ نماز ہے

منظر ہے اب وہ نام بعنوانِ مرثیہ　　　خالی ہے جس کے ذکر سے دامانِ مرثیہ
انصاف سے بتائیں نگارانِ مرثیہ　　　کیا آمنہؑ کی بات نہیں شانِ مرثیہ
جس پر خدا کے دین کا دارومدار ہے
وہ آمنہؑ کے باغ کی فصلِ بہار ہے

کیا کربلا کے غم کا تقاضا یہی نہیں　　　روشن رہے ولائے محمدؐ کا ہر نگیں
کیوں اس کے سنگِ در پہ نہیں فکر کی جبیں　　　حاصل ہو جس کی گود سے فرمانروائے دیں
تاریخ میں جو اشک ہیں دُرِ یتیمؐ کے
واصف ہیں آمنہؑ کی حیاتِ عظیم کے

ہر صاحبِ سخن سے ہے فطرت کا اک سوال　　　شاہوں کی مدح میں تو قصیدے بصد کمال
توصیفِ والدینِ نبیؐ غفلتِ خیال　　　یہ غفلتِ خیال ہے ایمان کا زوال
قرآن پڑھ کے اجرِ رسالتؐ ادا کرو
ماں باپ ہیں رسولؐ کے ان کی ثنا کرو

انصاف کے چمن کی ہوائیں بھی چاہئیں
چمکے رُخِ سخن وہ ضیائیں بھی چاہئیں
ماضی سے کچھ وفا کی ادائیں بھی چاہئیں
اُمت کو آمنہؑ کی دعائیں بھی چاہئیں
آدابِ فکر کا جو منوّر نظام ہے
وہ بھی تو آمنہؑ کی بضاعت کا نام ہے

وہ آمنہؑ تجلیِ ایوانِ معرفت
وہ رشکِ حاجرہؑ وہ نگہبانِ معرفت
کہہ دیں گے خود تمام رئیسانِ معرفت
جاگیرِ آمنہؑ ہے گلستانِ معرفت
شامل ہیں خاص رحمتِ ربِّ جلیل ہیں
یہ فاطمہؑ مثال ہیں دینِ خلیلؑ ہیں

وہ آمنہؑ رئیسۂ حق، فخرِ خانداں
قدسی مزاج، عابدۂ ربِ دو جہاں
فردِ حسب نسب پہ ہے تاریخ کا بیاں
وحدت پرست باپ تو وحدت پرست ماں
رکھتے ہیں اہلِ علم سند اعتراف کی
یہ مومنہ ہیں، پوتی ہیں عبدِ منافؒ کی

اسمِ پدر ہے وہبؓ حق آگاہ و حق سیر
مادر کا نام برہؓ تقدس میں معتبر
پاکیزگیِ نفس کی معراج دیکھ کر
عزت کا آسمان بنا آمنہؑ کا در
یہ ذکر باقیات ہے کس اہتمام سے
ماں باپ آج زندہ ہیں بیٹی کے نام سے

احسانِ وہبؓ سے یہ حقیقت ہے آشکار
تنہا دم شکار تھے عبداللہؑ ذی وقار
حملہ کیا یہود و نصاریٰ نے ایک بار
اغلب تھا قطع ہو شجرِ نورِ کردگار
جب زندگی پہ موت کے گمبھیر سائے تھے
اس وقت وہبؓ ہی بنی ہاشمؑ کو لائے تھے

عبداللہؓ کی حیات سے نورِ خدا رہا   یوں کہیے عرش و فرش نے دی وہبؓ کو دُعا
حسانِ وہبؓ کاتبِ اعمال نے لکھا   ظاہر ہوئی خدائے براہیمؑ کی عطا
عبداللہؓ سے اجل کی گھٹا دُور ہو گئی
تقدیرِ وہبؓ نور سے معمور ہو گئی

ضمناً ہے اس مقام پہ اِک حرفِ جستجو   ماضی و حال کرتے ہیں ملّت سے گفتگو
اُس وقت بھی یہود و نصاریٰ تھے رُوبرو   اس وقت بھی مطابقِ قرآں یہی عدو
جاری جو دوستی کا عمل بعد غور ہے
اب کلمہ گو ہیں اور کہ قرآن اور ہے

قرآں کا حکم یہ نہیں مطلق تمہارے دوست   اور کلمہ گو کی بات، یہی ہیں ہمارے دوست
طوفاں میں ڈوبتے ہیں جو وحدت کے پیارے دوست   ساحل پہ کہتے ہیں یہ زمانے کے سارے دوست
ہم سے گلہ کہ رسمِ مروت ادا نہ کی
تم نے تو اپنے دین سے خود ہی وفا نہ کی

کہنا پڑے گا چھوڑ دی ہم نے رہِ وفا   زندہ تھی جس سے قوم وہ کردار مٹ گیا
کہنا پڑے گا ہم ہیں اندھیروں کی انتہا   قرآں کے دشمنوں کو سمجھتے ہیں ناخدا
توڑے عمل کے شیشے تعیش کے سنگ نے
لوٹا تمام باغ ہوائے فرنگ نے

سازش میں کامیاب ہوئے قاسمانِ زر   بولی مورخوں کے دہن سے زبانِ زر
گاڑا گیا بساطِ سخن پر نشانِ زر   لفظوں میں زہر بن کے سمایا بیانِ زر
ذہنوں پہ تفرقوں کے اندھیرے برس گئے
ظلمت کے ناگ روحِ مسلماں کو ڈس گئے

فکرِ یہود و فکرِ نصاریٰ وہ شیش ناگ صدیوں کے تن بدن میں ہے جن کے پھنوں کا جھاگ
پھیلی ہے سرحدوں پہ جہاں خشک وتر کی آگ شعلے وہاں الاپ رہے ہیں انہیں کا راگ
اس راگ میں وہ شام ہے جس کی سحر نہیں
اسلام جل رہا ہے ہمیں کچھ خبر نہیں

ماضی سے ربط فکر تھا ماضی میں آیئے لیکن دل و نگاہ کو منصف بنایئے
بزمِ ازل کی شمع سے تنویر پایئے فطرت کو اعتبارِ عمل سے سجایئے
مقصودِ نظم لفظ و بیاں کے سفر میں ہے
بطحا کی ایک محفلِ اقدس نظر میں ہے

وہ صحنِ وہب اور وہ ایمان کی برات دولہا خدا کے فضل سے عبداللہ خوش صفات
اہلِ خدا کی عید' فروغِ چمن کی بات وہ خطبۂ نکاح' وہ بزمِ تجلیات
خطبے پہ مہر مرضیِ ربِّ جلیل کی
تسلیم کر رہی تھی شریعت خلیلؑ کی

دولھا کے سر پہ طرۂ نازِ پیمبراںؑ سر پر دلھن کے چادرِ تقدیسِ دو جہاں
دولھا کے تن پہ خلعتِ ایمانِ انس و جاں افشاں دلھن کی مانگ میں عصمت کی کہکشاں
دولھا دلھن حیات کی تقدیر بن گئے
نورِ خدا کی بولتی تصویر بن گئے

وہ زوجِ آمنہؑ پسرِ عبدِ مطلبؑ وہ حُسنِ زندگی ثمرِ عبد مطلبؑ
ہاشمؑ کی شان تاج سرِ عبد مطلب وہ فخرِ مطلبؑ' جگرِ عبد مطلبؑ
اسلافِ خانداں کی طرح پُرجلال تھے
کلمہ پڑھے شباب' وہ یوسفؑ جمال تھے

عبداللہؑ صولتِ بنی ہاشمؑ جہاں، جمیل
کعبہ شناس، وارثِ سرمایۂ خلیلؑ
توحیدِ کردگار کے عارف نظر نبیل
یعنی تمام بندۂ معبودِ جبرئیلؑ
عرفانیت میں صاحبِ حق الیقیں رہے
عصمت یہ تھی کہ نورِ خدا کے امیں رہے

نورِ خدا سے یہ بھی ملا گوشۂ سخن
عبداللہ کے شرف سے مشرف ہیں پنجتن
ہمدم ہوئیں جو آمنہؑ محمودۂ زمن
پھیلے جمالِ قدس کے جلوے دمن دمن
دیکھا نہ تھا جو باپ نے اپنی بقا کا نور
سائے میں آمنہؑ کے رہا کبریا کا نور

ظاہر ہوا جو نور تو دُرِ یتیم تھا
بے سایہ کو پدر کا بھی سایہ نہ مل سکا
سائے پہ بات آئی تو عقدہ عجب کھلا
سایہ سمٹ کے ماں کی محبت میں آ گیا
ممتا کے آئینے میں کثافت ذرا نہیں
کہنا پڑے گا نور کو سایہ ملا نہیں

اے اہلِ فکر، دینِ براہیمؑ کی قسم
عبداللہ کے وجود سے ہے آیتوں میں دم
وہ عہد جس میں خانۂ اصنام تھا حرم
اس عہد میں تھے سجدۂ وحدت سے محترم
راہِ خدا پہ مثلِ اب و جد رواں رہے
عبداللہؑ ہر زمیں کے لئے آسماں رہے

یہ ظلمتوں کے ناگ، سیاست کے پیچ و خم
یہ فوجِ ابرہہ کی طرح دشمنِ حرم
صیہونیت کے نام پہ ترشے ہوئے قلم
کوشاں رہے کہ عظمتِ خیرالبشرؐ ہو کم
آخر نفاقِ طبع کے چہرے دکھا دیے
اوصافِ والدینِ محمدؐ چھپا دیے

ہم نے اَبی کے لفظ پہ کچھ غور جب کیا — قرآں کی بات سے یہ معمہ بھی حل ہُوا
پڑھیئے خلیلؑ و موسیٰؑ عمراں کا واقعا — مقصد بہ ذکرِ آرزو فرعون ایک تھا
انسان کیوں جہالتِ معنی میں غرق ہے
ماں باپ اور پالنے والوں میں فرق ہے

کتنی حسیں ہے سورۂ یوسفؑ کی گفتگو — اب امتحان ہو تو کٹائیں رگِ گلو
حق ہے مفسّروں کے لئے ذوقِ جستجو — کہہ دے گی روشنی کے سفیروں کی آبرو
جلتے رہے چراغ جو طوفانِ کفر میں
پالا گیا تھا نور کو دامانِ کفر میں

وہ پرورش کی بات، وہ قدرت کا انتظام — ہر دور میں نبیؐ کی حفاظت کا انتظام
دیکھا جہاں عقیدۂ وحدت کا انتظام — خود بول اٹھا تمام کفالت کا انتظام
عمرانؑ اس طرح ہیں نگہبانِ مصطفےٰؐ
کعبے پہ جیسے سایۂ ایمانِ مصطفےٰؐ

وہ نور جس کے شمس و قمر ہیں نبیؐ امامؑ — اصلابِ پاک میں اسے رکھا گیا مدام
فطرت کا یہ پیام ہے اہلِ نظر کے نام — اسلام کا شریک نہیں کفر کا نظام
جو سلسلہ نجیب تھا فطرت کے دین پر
چمکا خدا کا نور اسی کی جبین پر

اہلِ قلم سے دُور حقیقت کی بارگاہ — پھر کس طرح نہ تنگ ہو فکر و نظر کی راہ
قدرت کے انتخاب پہ انساں کا اشتباہ — مانندِ شرک یہ بھی ہے سب سے بڑا گناہ
تاریکیاں ہوں نور کا مصدر کبھی نہیں
کافر کے صلب سے ہو پیمبرؑ کبھی نہیں

اہلِ قلم، ادیب، مورّخ جواب دیں ملّت کو نقدِ فکر و نظر کا حساب دیں
آنکھیں ہوں مطمئن کوئی ایسا نصاب دیں شایانِ آمنہؓ جو لکھی ہو کتاب دیں
خاموشیوں کی مہر کہے گی کہیں نہیں
کیوں اہلِ علم کیا یہ شکستِ یقیں نہیں

ایماں کے آئینے پہ ہے جب تک غبارِ شک ممکن نہیں شعور کے رخسار پر چمک
انصاف یوں ہے گلشنِ آدمؑ میں مشترک جیسے چمن میں ہنستے ہوئے پھول کی مہک
خوشبو ہو جس کی بات وہ کردار کیوں نہیں
سب کچھ تو ہے دیانتِ گفتار کیوں نہیں

تاریخ کر رہی ہے اس انساں کا انتظار اُترے جو جستجو کے سمندر میں بار بار
وہ شخص جس کا دل ہو مروّت سے ہمکنار بیشک اسے ملیں گے گہر ہائے آبدار
لازم ہے لفظ لفظ سفر واقعات میں
ممکن ہے کائنات ملے کائنات میں

تزئینِ کائنات درِ آمنہؓ سے ہے آرائشِ حیات درِ آمنہؓ سے ہے
حُسنِ صفات و ذات درِ آمنہؓ سے ہے ہر آستاں کی بات درِ آمنہؓ سے ہے
جنت سے دُور زاہدِ خلوت نشیں رہا
اس در سے جو پھرا وہ کہیں کا نہیں رہا

ایمانِ آمنہؓ بخدا ہے مسلّمہ تکریم ہر قدم پہ فدا، وہ مکرمہ
وحدت پسند، خُلق و حیا کا مجسّمہ مریمؑ کا سر ادب سے جھکے، وہ معظمہ
ممکن نہیں غلو کا گماں اس یقین پر
آغوشِ آمنہؓ میں فلک ہے زمین پر

پھولوں کی وادیوں سے بہاروں سے پوچھئے　　فاران کے بلند اشاروں سے پوچھئے
سورج کے ساتھ چاند ستاروں سے پوچھئے　　قدرت کے سب عظیم نظاروں سے پوچھئے
لے کر چلیں جو گود میں خیرالانامؐ کو
رفتارِ کائنات رُکی احترام کو

ہم کیا کریں گے منزلتِ آمنہؓ کی بات　　ممتاز ہے تمام خدائی میں ان کی ذات
صدقہ ہے ان کے لال کا گلزارِ شش جہات　　قبضے میں صبح و شام تصرف میں کائنات
ان کے قدم سے راہ گزر کہکشاں ہوئی
اُنگلی پکڑ کے اُن کی نبوّت رواں ہوئی

روحِ حجاز، زہبتِ گلدستۂ کرم　　عصمت نفس، عفیفۂ دوراں قدم قدم
مسند نشین جاہ و جلالت، دُرِ حشم　　فخرِ عرب، نجیبۂ بطحا، گُلِ حرم
جو کچھ ہے آمنہؓ کے مراتب کی بات ہے
پوتی انہیں کی سیدۂ کائنات ہے

کہتا ہے آمنہؓ کے گلستاں کا ارتقا　　جو پھول بھی کھلا وہ مشیّت نما کھلا
خوشبو کی ایک لہر میں پیکر جُدا جُدا　　ہر پھول مرتضیٰؓ ہے بہ اندازِ مصطفیٰؐ
غالب رہے گی تابہ ابد شانِ آمنہؓ
وحدت کی آبرو ہے گلستانِ آمنہؓ

یہ امر بھی ہے اہلِ بصیرت پہ آشکار　　خالق سے آمنہؓ کو ملی مستقل بہار
صدیوں کے ہر سفر میں بہ مرضیِ کردگار　　دنیا سُنے گی وقت کے ہونٹوں سے بار بار
کعبے کی طرح بار گہہ رہبری بنی
اُن کے چمن میں علم کی بارہ دری بنی

اعلانِ عام علم کی بارہ دری کا نور   انسان کو ملے گا یہاں جلوۂ شعور
یہ راز بھی زمانے پہ کھل جائے گا ضرور   جاگیرِ آمنہؑ میں ہیں کتنے چراغِ طور

موسیٰؑ انہیں چراغوں سے مینارِ نور ہیں
جلتے ہیں وہ جو ان کی تجلّی سے دور ہیں

ذوقِ طلب سے یوں بھی دُرِ بے بہا ملا   ہر لفظ کا دماغ ستاروں سے جا ملا
توصیفِ آمنہؑ میں تخیل نیا ملا   زہراؑ کے نام پر یہ حدیثِ کسا ملا

عصمت مآب نورِ مسلسل انہیں کا ہے
آلِ عباؑ کے فرق پہ آنچل انہیں کا ہے

سائے میں آسماں ہیں، وہ رفعت ہیں آمنہؑ   آیات معترف ہیں، وہ آیت ہیں آمنہؑ
مخدومۂ جہانِ سیادت ہیں آمنہؑ   اہلِ درود کیلئے عظمت ہیں آمنہؑ

ملتا جو وقت منظرِ تکریم کے لئے
اُٹھتے رسولؐ آپ کی تعظیم کے لئے

تائید کبریا سے موید ہیں آمنہؑ   مسند ہے فخر زینتِ مسند ہیں آمنہؑ
جملہ فضیلتوں کے لئے حد ہیں آمنہؑ   یعنی مزاجِ ساز محمدؐ ہیں آمنہؑ

کہتا ہے بابِ علم حقیقت نواؤں سے
دنیا کو شہرِ علم ملا اُن کی چھاؤں سے

کہتے ہیں ماں کا دودھ ہے وہ کوثرِ شرف   جس سے بشر کا جسم بنا پیکرِ شرف
پھرتا ہے جب رگوں میں یہ گردش گرِ شرف   پلتا ہے ماں کی گود میں اک نیّرِ شرف

وہ شخص ہر نماز میں جس پر سلام ہے
صرف آمنہؑ کے دُودھ کی عظمت کا نام ہے

پیغمبروںؑ کی مائیں ہیں بیشک عظیم تر
اسلام ناز کرتا ہے ان کے وقار پر
شاہد ہے کچھ مقام پہ قرآن بھی مگر
توصیفِ آمنہؑ میں یہ کہتے ہیں بحر و بر
وحدانیت کے شاہدِ اوّل کی ماں ہیں یہ
فضلِ خدا سے احمدِؐ مرسل کی ماں ہیں یہ

لازم ہے اس مقام پہ اہلِ نظر بتائیں
انصاف سے خدا کے لئے سوچ کر بتائیں
کیا کہیے راویوں کی عنایات پر بتائیں
قرآں کے آگے کون ہے اب معتبر بتائیں
مادر کا شیر موسیٰؑ عمراں کے تن میں ہو
اور شیرِ غیر ختم رُسلؐ کے بدن میں ہو

ایسی روایتوں کا ورایت ہے سدّ باب
عصمت پہ حرف آئے تو کیا مقصدِ کتاب
فرزندِ آمنہؑ ہے وہ قدرت کا انتخاب
پیغمبروںؑ کی صف میں بھی ممکن نہیں جواب
نازاں ہو جس پہ عقل وہ دستور چاہیے
معصوم نور ہو تو غذا نور چاہیے

کیا شیرِ آمنہؑ ہے شرف میں کسی سے کم
کیا شیرِ غیر ان سے زیادہ ہے محترم
حرمت میں آمنہؑ سے سوا ہے کسی میں دم
یہ سب غلط نہیں ہے تو اب کہہ رہے ہیں ہم
مقصودِ کائنات کی وجہِ ظہور ہیں
تخلیق نور ان سے تو یہ خود بھی نور ہیں

زم زم ہو جس کے پاس وہ محتاجِ آب ہو
تعبیر جس کا حق، وہ پریشانِ خواب ہو
جس گھر سے زندگی عرب فیضیاب ہو
حیرت ہے فردِ غیر میں اس کا حساب ہو
غیرت کا حُسن کیوں رُخِ احساس پر نہیں
درِ یتیمؐ ہے کوئی دریوزہ گر نہیں

کہتے ہیں زندگی سے حکیمانِ زندگی ماں جاتی ہے حکمتِ امکانِ زندگی
رطب اللساں ہیں شرحِ نگارانِ زندگی دراصل ماں ہے شمعِ دبستانِ زندگی
اس کے سوا وضاحتِ خیرالعمل نہیں
دنیا میں ماں کی گود کا نعم البدل نہیں

حق جس کی آبرو وہ حقیقت ہیں آمنہؑ گلشن کو جس پہ ناز وہ نکہت ہیں آمنہؑ
تقدیرِ کاروانِ ہدایت ہیں آمنہؑ جس میں سب اہلبیتؑ وہ سیرت ہیں آمنہؑ
جیسے دلِ نبیؐ سے مشیّت قریب ہے
اس طرح آمنہؑ سے نبوّت قریب ہے

اب سامنے ہے عصمت و عظمت پہ وہ دلیل جھومیں گے فرطِ لطف سے ہر فکر کے عقیل
اب مدحِ آمنہؑ میں ہے وہ نکتۂ جلیل تحسین و مرحبا سے نوازیں گے جبرئیلؑ
دامن میں ہیں تمام فضیلت لئے ہوئے
زیرِ قدم رسولؐ کی جنت لئے ہوئے

کچھ بھی نہیں تغیرِ تاریخ کا اثر تحقیق کی فضاؤں میں ہے فکر کا سفر
وقت آئے گا لکھیں گے ادیبانِ خوش سیر دنیا میں کوئی گھر ہے تو بس آمنہؑ کا گھر
گلشن کے نام ہی سے گلِ تر کی بات ہے
زہراؑ کا گھر بھی آمنہؑ کے گھر کی بات ہے

اس گھر نے انقلاب کا سامان دیدیا اس گھر نے عرش و فرش کا عرفان دیدیا
ڈرتی ہے جس سے موت وہ انسان دیدیا اس گھر نے بولتا ہوا قرآن دیدیا
اس گھر سے دُور ہے تو لعین و رجیم ہے
اس گھر کا جو غلامؑ وہ انساں عظیم ہے

اس گھر کے بولتے ہوئے قرآں کو دیکھ کر — سورج کی پالکی میں کیا وقت نے سفر
آخر جو آئیں آمنہؑ شوہر کی قبر پر — پہلو میں مضطرب تھے محمدؐ بچشمِ تر
دونوں طرف جو آنسوؤں کے آبشار تھے
مستقبلِ حیات کے غم آشکار تھے

وقت آیا آمنہؑ تو سدھاریں سوئے جناں — اب آمنہؑ کا لالؐ تھا اور غم کی بجلیاں
مرقد میں سو رہی تھی اُدھر غمگسار ماں — ننھی سی جاں اِدھر تھی جدائی میں نیم جاں
بے چینیاں دنوں کے جگر میں اُتر گئیں
راتوں میں اک یتیم کی آہیں بکھر گئیں

وہ چھ برس کا سن، وہ یتیمی کا سائباں — وہ دشمنی کی تیز ہوا اور چراغِ جاں
مانندِ ماہ و سال بڑھیں غم کی آندھیاں — شاید زبانِ غیب ہوا اس وقت نوحہ خواں
اے جانِ آمنہؑ وہ قیامت بھی دیکھ لے
بطحا میں کربلا کی مصیبت بھی دیکھ لے

وہ سامنے ہے منظرِ مستقبلِ حیات — وہ کربلا، وہ جلتے ہوئے خیمے، وہ فرات
بکھری ہے تیرے نور کی معصوم کائنات — وہ سر برہنہ خاک پہ بزمِ مخدرات
سورج لہو میں ڈوب گیا شام ہو گئی
مقتل میں تیرے دین کی بارات سو گئی

وہ آمنہؑ کے باغ کی اُجڑی ہوئی بہار — اُجڑی ہوئی بہار میں ہر پھول تار تار
وہ آمنہؑ کے پھول کی خوشبو لہو کی دھار — اک غمزدہ کے رونے کی آوازِ دل فگار
بالوں میں جس کے خاک ہے چہرے پہ دھول ہے
وہ آمنہؑ کے لالؐ کی بیٹی بتولؑ ہے

نوحہ یہ پڑھ رہی ہے محمدؐ کی نورِ عین   کیوں ظالموں نے لوٹ لیا میرے دل کا چین
سنتی ہوں کتنی دیر سے بے وارثوں کے بین   زینبؑ سے کربلا میں جدا ہو گیا حسینؑ
بے چین ہو کے درد کے جنگل میں آئی ہوں
میں جنت البقیع سے مقتل میں آئی ہوں

توحید کے چمن کا گلِ تر مرا حسینؑ   حیدرؑ کے حوصلوں کا سمندر مرا حسینؑ
اسلام کے شباب کا پیکر مرا حسینؑ   سارے پیمبروںؑ کا سخنور مرا حسینؑ
دنیا سمجھ رہی ہے مرا لالؑ مر گیا
میرا حسینؑ موت کو تسخیر کر گیا

تن پر سجا کے زخموں کا خلعت چلا گیا   مفلوج کر کے ظلم کی طاقت چلا گیا
دکھلا کے میرے دودھ کی قوت چلا گیا   عابدؑ کو دے کے سب کی قیادت چلا گیا
نیزے پہ چڑھ کے آیتِ قرآں سنائی ہے
مقتل میں میرے لالؑ نے معراج پائی ہے

دنیا نے کیوں چراغِ شرافت بجھا دیا   قرآن پڑھ کے نقشِ مروّت مٹا دیا
جس گھر سے دین پایا وہی گھر جلا دیا   میں سو رہی تھی چین سے کس نے جگا دیا
تصویرِ آمنہؑ ہے ستم کی گھٹاؤں میں
زینبؑ کھڑی ہے شامِ غریباں کی چھاؤں میں

بطحا میں یوں غریب نہ تھا آمنہؑ کا لالؐ   دادا رہے کفیل چچا نے رکھا خیال
حمزہؑ کے ہوتے کوئی ستاتا یہ کیا مجال   لیکن مری سکینہؑ ہے وہ درد کی مثال
بھائی کا غم ہے طوق و سلاسل کی بات پر
دادا تو ہیں نجف میں، چچا ہے فرات پر

کوئی مجھے بتائے، یہ صدمے کسی نے پائے
مارے طمانچے شمر نے دُکھیا کے سنائے
کانوں سے خون بہتا ہے بچی کے بُلائے
کرتے میں آگ لگ گئی آئے کوئی بجھائے
کیا اب کسی کے سینے میں خوفِ خدا نہیں
بچی تڑپ رہی ہے کوئی پوچھتا نہیں

کڑیل جوان وہ مرا اکبرؑ وہ ماہتاب
عبداللہؑ کے شباب کا مُنہ بولتا جواب
فرزندِ آمنہؑ کا وہ آئینۂ شباب
مقتل میں اپنے خون کے بستر پہ محوِ خواب
خاموش کربلا میں چراغِ بتولؑ ہے
یا خاک پر جوانیِ دینِ رسولؐ ہے

میں پوچھتی ہوں کیا مرے بچے کا تھا قصور
کیوں خون میں ڈبو دیا انسانیت کا نور
کیا جرم تھا جواب تو دے فوجِ پرغرور
اک قطرہ آب کا مرے اصغرؑ سے دُور دُور
کس طرح اپنا لختِ جگر دیکھتی ہوں میں
نیزے پہ شیر خوار کا سر دیکھتی ہوں میں

میں فاطمہؑ ہوں آج وہ میزانِ درد و غم
دنیا کے داغِ دل ہیں مرے داغِ دل سے کم
مثلِ حسینؑ یہ بھی الم ہے مرا الم
دریا پہ میرے شیر کے بازو ہوئے قلم
عباسؑ کربلا میں محافظ ہے دین کا
احساں یہ آمنہؑ پہ ہے اُم البنینؑ کا

احساں تو فاطمہؑ بھی اٹھائے مگر نہیں
عباسؑ میرا لختِ جگر، میرا مہ جبیں
میری دعاؤں سے ہے یہ فرزند بالیقیں
خاتم اگر حسینؑ تو عباسؑ ہے نگیں
پیوستہ میرا خون ہے اس سرزمین سے
پرسہ میں لوں گی آج تو اُم البنینؑ سے

کیا سو رہے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن　　بھائی کی طرح لُٹ گئی پردیس میں بہن
قاسمؑ کی لاش یا کوئی بکھرا ہوا چمن　　شامل ہے اس محاذِ عمل میں مرا حسنؑ
گھر لٹ گیا جو میرے حسنؑ اور حسینؑ کا
صدقہ دیا ہے آمنہؑ کے نورِ عین کا

میں آمنہؑ کی پوتی ہوں کس کو خبر نہیں　　کیا میری آل وارثِ خیرالبشرؐ نہیں
جو آمنہؑ کا گھر تھا، وہ کیا میرا گھر نہیں　　لیکن کسی کے دل پہ یہاں کچھ اثر نہیں
بیٹھے ہیں اہلِ بیتؑ جو خیموں کی راکھ پر
بربادیوں کا داغ ہے اُمّت کی ساکھ پر

زندہ رہو حسینؑ کے انصارِ باوفا　　شاداں ہے رُوحِ آمنہؑ وہ حق ادا کیا
اب مادرِ حسینؑ کے ہونٹوں پہ ہے دُعا　　خوش ہوں رسولِ حق، وہ صلہ دے تمہیں خدا
محسن ہو فاطمہؑ کے خوشی پر خوشی ملے
جاگیرِ آمنہؑ میں تمہیں زندگی ملے

اے صاحبانِ مرضیِ داور صد آفریں　　اے ناجیانِ عرصۂ محشر صد آفریں
لوحِ شعور کے مہ و اختر صد آفریں　　اے ناصرانِ سبطِ پیمبرؐ صد آفریں
تم آمنہؑ کے نورِ نظر کے فدائی ہو
میرے لئے حسینؑ ہو، زینبؑ کے بھائی ہو

قیصر خموش نوحۂ زہراؑ ہوا تمام　　تڑپے لہو کے فرش پہ مظلومِ تشنہ کام
یہ مرثیہ شعورِ مروّت ہے لا کلام　　لازم ہے انتساب رسولِ خداؐ کے نام
صدقہ پسر کا آبِ بقا دیں گی آمنہؑ
دنیا و آخرت میں جزا دیں گی آمنہؑ

انتخاب کلام

علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؑ

(مرثیہ درحال مصائب آلِ محمدؑ)

(۹۰ بند۔ ۱۹۸۰ء)

❖

maablib.org

❖❖

گیسوئے دہر میں تخریب کے خم کچھ بھی نہیں
جبر کے آتشِ سیّال قدم کچھ بھی نہیں
حق فراموش زمانے کا قلم کچھ بھی نہیں
حکمراں کچھ بھی نہیں اُن کے ستم کچھ بھی نہیں
کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقّارہ ہے

❖❖

علمِ غیب اور محمدؐ و آلِ محمدؐ

عالمِ غیب سے ملتے ہیں مضامینِ سخن　　حُسنِ باطل سے مرصّع ہیں براہینِ سخن
روح کا آئینہ ہے جلوۂ تمکینِ سخن　　دل کے دو حرف ہیں سورنگ سے آئینِ سخن
گفتگو گلشنِ تطہیر سے وابستہ ہے
مرثیہ جنتِ احساس کا گلدستہ ہے

نعمتِ شاعری، کردار کی پائندہ بہار　　اسی نعمت سے ہے فطرت کے گلوں کی مہکار
لفظ باندھے ہیں تخیل کی سُنہری دستار　　جس طرح چاند کی آنکھوں میں ہو سورج کا خمار
شوقِ مدحت جو خیالات کے در کھولتا ہے
مرثیہ بُلبلِ سدرہ کی طرح بولتا ہے

ذہن کی شاخ پہ کھل جاتے ہیں اکثر وہ گلاب　　ڈھونڈنے نکلوں چمن میں تو ملے صاف جواب
کبھی پڑھتا ہوں تصور میں وہ خوشبو کا نصاب　　جس کی تعظیم کرے گلشنِ رضواں کا شباب
صحنِ تخلیق میں ہر لمحہ قلمکاری ہے
مرثیہ غیب کے سورج کی ضیا باری ہے

کون روکے گا نئی فکر کے سورج کا سفر شہر بستا ہے تو بنتی ہے نئی راہگذر
ہر زمانے میں ہے ابلاغ کا انداز دِگر قیدیِ وقت نہیں خونِ شہیداں کا اثر
حشر تک راہِ تمدّن کا سفر حاصل ہے
مرثیہ قافلۂ حال کا مستقبل ہے

اَن گنت فاصلے اس عالم رفتار میں ہیں جتنی صدیاں ہیں وہ اس حلقۂ افکار میں ہیں
انقلاباتِ جہاں پنجۂ کردار میں ہیں جتنے جوہر ہیں اسی فکر کی تلوار میں ہیں
فرقِ ظالم پہ یہ تلوار بہت کاری ہے
مرثیہ جذبۂ مظلوم کی بیداری ہے

گیسوئے دہر میں تخریب کے خم کچھ بھی نہیں جبر کے آتشِ سیّال قدم کچھ بھی نہیں
حق فراموش زمانے کا قلم کچھ بھی نہیں حکمراں کچھ بھی نہیں اُن کے ستم کچھ بھی نہیں
کربلا جس کی بلندی ہے وہ مینارہ ہے
مرثیہ سب سے بڑی فتح کا نقارہ ہے

اُف یہ آسیبِ زمانہ کے بھیانک خدوخال قوتِ غیب نہ حاصل ہو تو جینا ہے محال
فن کی توہین قلمکار کی حُرمت پامال ایسے ماحول میں زندہ ہے فقط ایک خیال
ظلمتِ شام گذرنے کی خبر ہوتی ہے
مرثیہ کہتا ہے کوئی تو سحر ہوتی ہے

وہ لکیریں بھی جو بے ربط نظر آتی ہیں اک مصور کی نگاہوں میں جگہ پاتی ہیں
خواب مُرجھاتے ہیں، بیداریاں لہراتی ہیں مشکلیں نادِ علی سُن کے گذر جاتی ہیں
ایک نقطے کو سمجھنا بڑی دانائی ہے
مرثیہ غیب کا معصوم تماشائی ہے

بحرِ ذخار سے غوّاص کو ملتے ہیں گہر ‏ ‏ ذوقِ ایجاد سے مُوجد ہوئے اربابِ ہُنر
تجربہ صنعتِ آئندہ کی دیتا ہے خبر ‏ ‏ طائرِ فکر کی رفتار ہے رفتارِ نظر
کون سی روشنی آفاق میں موجود نہیں
مرثیہ وسعتِ اسلام ہے محدود نہیں

کم ہو اسلام کی وسعت، یہ تصور ہے گناہ ‏ ‏ مرثیہ سلطنت، الفاظ و معانی ہیں سپاہ
گرمیِ عزم پہ عاشور کے پیاسے ہیں گواہ ‏ ‏ سامنے لاکھ ہمالہ ہوں نکل آتی ہے راہ
مطمئن ہوں کسی مشکل سے کہاں ڈرتا ہوں
میں تو جبریلؑ کے اُستاد کا دم بھرتا ہوں

میری منزل ہے شہنشاہِ رُسلؐ کا دربار ‏ ‏ علم کے شہر کا در ہے مرے سجدوں کی بہار
پست ہو سکتا نہیں مدح کی صہبا کا خمار ‏ ‏ جذبۂ بوذرؓ و سلمانؓ ہے طلب کا معیار
فن کی دنیا میں نئی صبح کا سودائی ہوں
ساقیِ غیب سے پینے کا تمنائی ہوں

رودِ کوثر کی طرح میری طبیعت کا سروش ‏ ‏ زندگی ناز کرے بحرِ مودّت میں وہ جوش
میری وارفتگی مشہور ہے پیمانۂ ہوش ‏ ‏ مجھے کہتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا مے نوش
پردۂ اشک جو پلکوں پہ ٹھہر جاتا ہے
سامنے بولتا قرآن نظر آتا ہے

میرے ممدوح نے بخشے ہیں وہ نایاب سخن ‏ ‏ آگ حاسد کو لگے رشک کریں صاحبِ فن
غیب کے عطر سے ملبوس ہیں لفظوں کے بدن ‏ ‏ جس طرح پھول میں خوشبو ہو سرِ صحنِ چمن
ایسے موتی ہیں مری فکر کے گنجینے میں
روشنی دیکھتا ہوں غیب کے آئینے میں

غیب کیا چیز ہے کچھ اس کی وضاحت کر دوں
اک حقیقت ہے جسے تشنۂ اظہار کہوں
ذہن میں آنے سے پہلے متحرک مضمون
اک عبارت پسِ پردہ ہے جسے پڑھ نہ سکوں
بات آسان ہوئی حُسنِ تصرّف کے لئے
غیب وہ خواب جو تعبیر ہے یوسفؑ کے لئے

غیب اک منزلِ نادیدہ، اِک انجامِ سفر
غیب ہے منظرِ خوش رنگ کا اِک پس منظر
غیب زخموں سے بھرے جسم پہ مرہم کا اثر
غیب ہے قافلۂ شام کو پیغامِ سحر
کتنا دلکش یہ اشارہ ہے ادیبوں کے لئے
غیب فردوسِ محبت ہے شہیدوں کے لئے

اصل میں غیب کی آواز ہے آوازِ شہود
غیب دامانِ عدم میں ہے بہ اندازِ وجود
جھومتی شاخ پہ یہ جھولتے پھولوں کی نمود
بزمِ ادراک میں ہے غیب کی صہبائے درود
چشمِ ساغر میں تماشہ گہہ جبریلؑ بھی ہے
غیب انسان کے ایمان کی تکمیل بھی ہے

یہ تخیل بھی مجھے غیب کے معنیٰ سے ملا
غیب کی بادِ بہاری ہے گلستاں کی ہوا
آسماں سر پہ جو باندھے ہے سنہری سہرا
غیب کے نور کی آفاق نے پہنی ہے قبا
بادِ نکہت جو سرِ صحنِ چمن آتی ہے
حجلۂ غیب سے معصوم دلھن آتی ہے

غیب مخلوق ہے اس میں تو نہیں کوئی کلام
یہ الگ بات کہ دنیا سے الگ ہے یہ نظام
مل گئی ذوق طلب سے خبرِ خوش انجام
اے سخنور ترے آقا نے دیا ہے یہ پیام
میرے اللہ کی قدرت میں کوئی ریب نہیں
خالقِ غیب ہے وہ اُس کے لئے غیب نہیں

حریت آئینہ حلقے بھی ہیں زنجیروں میں
خواب کے سلسلے موجود ہیں تعبیروں میں
سانس لیتے ہیں مفاہیم جو تحریروں میں
جان پڑ جاتی ہے الفاظ کی تصویروں میں
سوزِ پنہاں سے تعلق جو نہیں ساز نہیں
روح انگڑائیاں لیتی ہے پہ آواز نہیں

وہ جو اللہ کی قدرت سے ہیں خلقت میں علیم
منکشف اُن کے لئے غیب کا گلزارِ عظیم
چشمِ حق میں ہیں وہی دل کی عبارت کے فہیم
جن کے اوصاف کا اعلان ہے، قرآنِ کریم
مسندِ فرش پہ جو عرش مکاں ہوتے ہیں
اُن کے سینوں میں سماوات نہاں ہوتے ہیں

ایسے بندے ہیں خدائی میں خدا کی آیات
جن کے اعمال کا صدقہ ہے زمانے کی نجات
رمزِ کوثر ہے فقط ایسے ہی افراد کی ذات
جن کے قدموں سے ملے سلسلۂ رازِ حیات
رازِ پائندگی جس منزلِ بیدار میں ہے
وسعتِ غیب اُسی محفلِ افکار میں ہے

غیب کا علم ہے، مخلوق پہ خالق کی عطا
اس عطا سے ہے بشر واقفِ اسرارِ خدا
جس کو اللہ نے بخشی ہو نیابت کی قبا
بزمِ ہستی میں اُسے غیب کا عرفان ملا
عینِ حق چاہیے تکمیلِ ہدایت کے لئے
غیب کا علم مقدّم ہے خلافت کے لئے

وہ خلافت جسے مقدور نبوّت کا لباس
وہ نبوّت جسے مُقسوم امامت کا لباس
خاص منصب کی ادا خاص مشیّت کا لباس
وہ امامت جسے حاصل ہو رسالت کا لباس
غیب اُسی کے لئے وہ غیب کی دولت کے لئے
ہر فضیلت ہے نمائندۂ وحدت کے لئے

آیتیں کہتی ہیں کُل علم کا خالق ہے خدا — اس حقیقت کو جو دیکھا تو عجب راز کھلا
علمِ خالق کے تعیّن کا تصور نہ رہا — "عالم الغیب" میں پھر کیوں اسے محدود کیا
ایسے الفاظ فقط مصلحتاً آئے ہیں
عقلِ محدود کو سمجھانے کے پیرائے ہیں

خضرؑ و موسیٰؑ کا سفر قصۂ آیاتِ مُبیں — روزِ روشن کی طرح واقعۂ دانش و دیں
غیب کی جلوہ گری علم کی تصویرِ حسیں — مسئلہ کچھ بھی نہیں شرط ہے قرآں پہ یقیں
واقعہ مظہرِ آیات کی پہچان بھی ہے
چشمِ انساں کے لئے غیب کا عرفان بھی ہے

خضرؑ نے خون کیا' دیدۂ موسیٰؑ حیراں — فعلِ معصوم پہ عصمت کا سراپا حیراں
بازوئے نور سے مل کر یدِ بیضا حیراں — جرم سے پہلے سزا شرع کی دنیا حیراں
مجھ سے بے علم نے اس راز کو یوں سمجھا ہے
عالمِ غیب شریعت کو بدل سکتا ہے

عالمِ غیب شریعت کے دبستاں کا امیر — ورنہ معصوم بھی کہلائے رہینِ تعزیر
معترض آج بھی ہیں خوابِ زمانہ کے اسیر — بے خبر ڈالتے ہیں پائے نبیؑ میں زنجیر
غیب کا علم اگر حاصل گفتار نہ ہو
کوئی قرآں کی صداقت کا طرفدار نہ ہو

خضرؑ کے سینے میں دیوار کی تعمیر کا راز — دلِ موسیٰؑ کی طلب وقت کی محنت کا جواز
شرع کی آنکھ میں بے کیف ہے بے وقت نماز — غیب کا علم بہرحال دمِ ناز و نیاز
شرع' تقدیر بنانے کا بہانہ بخشے
غیب کا علم یتیموں کا خزانہ بخشے

ہر نبیؑ اپنے زمانے میں ہے سب سے افضل
وسعتِ فکر پہ غالب ہے نبوّت کا عمل
سامنے عزّہٗ لشکر ہو کہ دولت کے محل
غیر ممکن ہے پیمبرؑ کے ارادوں میں خلل
علم کے پھول کی مہکار جواں رہتی ہے
قدرتِ غیب زمانے پہ عیاں رہتی ہے

لفظ و معنیٰ سے مبرّا ہے خدا کی تعریف
فکر محدود ہے ممکن نہیں حدِ توصیف
ذکرِ اللہ توانا ہے زبانیں ہیں ضعیف
ایسی منزل پہ طبیعت کا اشارہ ہے لطیف
حُسنِ شہکار سے دل حق یقیں پاتا ہے
نور الحمد محمدؐ میں نظر آتا ہے

عالمِ غیب ہے اللہ کے محبوب کی ذات
دونوں عالم پہ مقدّم ہے اسی نور کی بات
غور سے دیکھئے قرآں کی مقدّس آیات
اپنے شہکار کو بخشی ہیں مصوّر نے صفات
خالقِ غیب نے یہ بات بھی سمجھائی ہے
نقصِ تحریر قلم کار کی رُسوائی ہے

ایک مرکز پہ ہو جب سارے نبیوںؑ کا کمال
حدِ معراج دکھاتا ہے مشیّت کا نہال
غیب پر احمدؐ مختار سے دنیا کے سوال
وہ جوابِ شہِ کونین بہ اندازِ جلال
نقشۂ خلد و سقر سامنے لا سکتا ہوں
میں ابھی عالمِ انجام دکھا سکتا ہوں

سوچیئے عالمِ انجام پہ قادر ہو جو ذات
غالب آئیں نہ کبھی جس کے یقیں پر شبہات
جس کی ہر بات پہ شاہد ہو نزولِ آیات
جس پہ ہر وقت عیاں خُلد و سقر کے حالات
جس کی دانش میں کوئی منزل دشوار نہیں
کیا اُسے غیب کی دنیا سے سروکار نہیں

جس کا سینہ ہو تجلائے احد سے معمور
وہ تو آلائشِ دنیا سے بہر حال ہے دور
لوگ اِقراء کی وضاحت میں جو کرتے ہیں قصور
ان کو معلوم نہیں حُسنِ سخن کا دستور
آئے جبریلؑ امیں مصحفِ لاریب کھلا
نامِ اللہ سے احمدؐ پہ درِ غیب کھلا

چاک ہو سینۂ محبوب یہ گفتار غلط
دستِ جبریلؑ کرے صاف یہ کردار غلط
پیکرِ نور میں عصیاں ہو یہ معیار غلط
روحِ اسلام ہو ماضی میں خطا کار غلط
حق نے یہ نُور چنا عرش کی مسند کے لئے
غیب سے حلّۂ عصمت ہے محمدؐ کے لئے

غیب کے علم پہ معراج ہے مضبوط دلیل
اس حقیقت سے بہت دور ہے رنگِ تاویل
صحنِ کونین پہ چھائی تھی نظر کی قندیل
مطمئن احمدِ مرسلؐ متحیّر جبریلؑ
منزلِ غیب پہ اللہ کا مہمان گیا
جہاں جبریلؑ نہ جائے وہاں انسان گیا

علمِ افلاک محمدؐ کو ہے تسلیم ہوا
قصرِ تخلیق کا ہر نقش نبیؐ نے دیکھا
لوحِ محفوظ پہ لکھا ہوا دل میں اُترا
یا بجز پردۂ وحدت کوئی پردہ نہ رہا
غیب و حاضر کے لئے راہنمائی دے دی
اپنے محبوب کو خالق نے خدائی دے دی

علمِ قرآں پہ محیط احمدؐ مختار کا دل
یعنی ایوان ازل میں وہ ابد کی منزل
اِس حقیقت کا اگر کوئی نہیں ہے قائل
پھر تو قرآن کہاں اور کہاں مستقبل
جس کا دل وسعتِ قرآں کے لئے گھر ہو گا
عالمِ غیب کا اطلاق اُسی پر ہو گا

مقصدِ فکر پہ شاہد ہے خدا کا پیغام
دیکھیے لہجۂ قرآں میں تخاطب کا نظام
چند حرفوں میں وہ ناقابلِ تفسیر کلام
سر جھکاتا ہے زمانے کا غرورِ افہام
عبد و معبود میں کیا راز ہے معلوم نہیں
گفتگو غیب میں ہے منزلِ مفہوم نہیں

کہیں طٰہٰ کہیں یٰسین کہیں صٓ کا تاج
عقل و دانش کی ریاست جسے دیتی ہے خراج
اس بلندی پہ جہاں فکر و نظر ہوں محتاج
ہاتفِ غیب نے رکھ لی مرے افکار کی لاج
بات پردے کی ہے کیوں اور کسی سے پوچھو
غیب کا علم نبیؐ کو ہے نبیؐ سے پوچھو

چشمِ تاریخ میں روشن ہے پیمبر کا عمل
بیبیاں اور بھی تھیں پاک نفس پاک آنچل
دیکھ کر چشمۂ محضر میں شہادت کا کنول
اُم سلمیٰؓ کو امانت ہوئی خاکِ مقتل
علم تھا صرف یہی، اشکوں سے منہ دھوئیں گی
اُمِ سلمیٰؓ تو بھرے گھر کے لئے روئیں گی

حسبِ منصب جو نبیوںؑ کو ملا علمِ غیاب
کس طرح کیجیے سب سے بڑے منصب کا حساب
کیسے خاموش رہوں شاہدِ عینی ہے کتاب
کوئی پیدا تو کرے علمِ محمدؐ کا جواب
لوگ کیوں عقل کو بیگانۂ حالات کریں
علم کے شہر کا در دیکھ لیں پھر بات کریں

علم کے شہر کا در شہر کی عظمت کا نقیب
جیسے اسلام ہر انداز سے وحدت کا نقیب
علم کے شہر کا در شہر کی وسعت کا نقیب
جیسے قرآن محمدؐ کی رسالت کا نقیب
طالبِ دید ہے کوئی تو سنبھل کر آئے
شہر سے جس کو محبت ہے وہ در پر آئے

علم کے شہر کا در نام ہے جس کا حیدرؑ نورِ اول کی تجلّی کا مکمل مظہر
وہ نظر جس کو زمانہ کہے معراجِ نظر چہرۂ نفس نبیؐ دیکھ کے دیتی ہے خبر
غیب کی لوح کا ہر نقش اُبھر آیا ہے
علم انسان کے پیکر میں اُتر آیا ہے

علم کا میں ہوں مدینہ تو علیؑ اس کا ہے در اس بلاغت پہ فدا ہے بخدا عقلِ بشر
سمجھیں اسرار حدیثِ نبویؐ اہلِ نظر غیب کا علم یہاں بھی ہے بہ اندازِ سحر
شہر کے ماننے والے یہ سبق پاتے ہیں
ایک دروازے میں کونین نظر آتے ہیں

معنیٔ لفظِ مدینہ پہ کیا میں نے جو غور طائرِ عقل نے مژدہ یہ سُنایا فی الفور
بے خبر دامنِ معنیٰ میں ہے وسعت کچھ اور سب طریقے ہوئے پُرنور نظر آئے وہ طور
نسبتِ ذات مدینہ سے جو دی جاتی ہے
کائنات ایک سفینے میں نظر آتی ہے

طالب حق ہے جو انسان وہ در در نہ پھرے مسجدِ کوفہ میں اِک منفرد آواز سُنے
ایک دعویٰ سرِ منبر ہے زمانہ دیکھے مثلِ آئینہ ہیں آنکھوں میں سماوی رستے
ماہ و خورشید سرِ موجِ نظر بہتے ہیں
عالمِ غیب کے رہبر کو علیؑ کو کہتے ہیں

بات اسرارِ سلونی پہ جو آ پہنچی ہے شاہدِ عقل کو اِک اور سند ملتی ہے
جس کے عرفان کی تصدیق نبیؐ نے کی ہے اُس کے ہونٹوں پہ سلونی کی صدا گونجی ہے
غیب کیوں اُس کے لئے عالم تجہیل بنے
جس کے نائب کی نظر قایدِ جبریلؑ بنے

جنگِ صفین میں اسلام کے لشکر کی وہ پیاس
دھوپ اور جلتی ہوئی ریت سے ابطالِ حواس
حالتِ روح شکن موت کی مضبوط اساس
دستِ قدرت سے وہاں اک نئے چشمے کا نکاس
رحمتِ حق کا نظارہ بہ روانی دیکھا
شیشۂ غیب میں حیدرؑ نے وہ پانی دیکھا

حق نظر زندگیِ میثمِ تمارؒ پڑھیں
عشق ہے جس کی عبارت وہ قلمکار پڑھیں
غور سے تذکرۂ حیدرؑ کرار پڑھیں
غیب کا علم جسے کہیے وہ کردار پڑھیں
ارضِ کوفہ نے اِک ایسا بھی شجر دیکھا ہے
جس کی شاخوں نے مودّت کا ثمر دیکھا ہے

کاشفِ غیب کی مستقبلِ میثمؒ پہ نظر
وہ شہادت سے بہت پہلے شہادت کی خبر
کروٹیں وقت نے لیں آ گیا خونیں منظر
کہہ گیا دار پہ ایمان و وفا کا پیکر
بولتے علم کے ہر لفظ پہ توثیق ہوئی
غیب پر قبضۂ حیدرؑ ہے یہ تصدیق ہوئی

ہم اگر عالمِ تاریخ کا منظر دیکھیں
روشنی ملتی ہے اولادِ پیمبرؐ سے ہمیں
طشت میں لعل و گہر آبِ وضو کی بوندیں
منظرِ غیب پہ سجادؑ کی محکم نظریں
رازِ مہماں جو محمدؐ کے پسر نے پایا
غیب کا واقعہ اربابِ نظر نے پایا

پردۂ وقت پہ اب تک ہے یہ اعجاز عیاں
واقفِ درد پہ ہے درد کا اندازِ بیاں
سازِ انصاف پہ ہے سوزِ جہاں، سازِ عیاں
ہر بصیرت پہ ہے مظلوم کی آوازِ عیاں
روزِ عاشور جو تسبیح شفق ہوتی ہے
غیب کے آئینے میں رویتِ حق ہوتی ہے

واقعات اور بھی ملتے ہیں کہاں تک لکھوں
اہلِ فن کے لئے کافی ہیں مدلّل مضموں
وقت کہتا ہے طبیعت کی طنابیں کھینچوں
غم کی تاکید ہے تمہید کو اب طول نہ دوں
بارشِ دردِ مصائب کی گھٹا لاتی ہے
پردۂ غیب سے رونے کی صدا آتی ہے

سوگواروں کے مچلتے ہوئے اشکوں کی قسم
مرثیہ غیب سے لاتا ہے نئے گوہرِ غم
دیکھ کر ماہِ محرم میں حسینؑ پرچم
ہر عزادار تڑپتا ہے برائے ماتم
لوگ ہر سمت سینہ پوش نظر آتے ہیں
قبرِ زہراؑ پہ تصور میں پہنچ جاتے ہیں

یاد آیا ہے محمدؐ کے نواسے کا سفر
وہ مدینے کی فضاؤں میں قیامت کی خبر
قیدیِ رنج و الم رحمتِ کونین کا گھر
وہ خزاں بار ہوا وہ چمنِ خیرِ بشرؐ
حکمِ حاکم تھا محمدؐ کی شریعت نہ رہے
گیت باقی رہیں قرآں کی تلاوت نہ رہے

دین پر فرض جو تھا فتنۂ بیعت کا جواب
لہجۂ غیب میں گویا ہوئی وحدت کی کتاب
اے حسینؑ اے شہِ مرداں کی شجاعت کے شباب
اب ترے ہاتھ ہے اسلام کی عظمت کا نصاب
سینۂ صبح میں صہبائے محبت بھر دے
شام اُبھری ہے شہادت سے اُجالا کر دے

گفتگو مصحفِ قدرت سے ہوئی بالتفصیل
پائی آغاز میں انجام کی روشن قندیل
جادۂ عزم پہ اللہ رے اُجالوں کی سبیل
کہہ گیا کان میں بچپن کا شناسا جبریلؑ
حاملِ علمِ خداوند ہو پہچانتا ہوں
تم نے چُوسی ہے محمدؐ کی زباں جانتا ہوں

بخدا نورِ بصیرت کا تقاضہ تھا یہی
مقتلِ آلِ محمدؐ نہ بنے شہرِ نبیؐ
گردشِ وقت پہ غالب تھے حسینؑ ابنِ علیؑ
صبر کی تیغ کو بوسہ دیا تکبیر کہی
جس سے باقی رہے اسلام وہ سامان کیا
یا علیؑ کہہ کے اُٹھے کوچ کا اعلان کیا

اپنے عباسؑ کے شانے پہ رکھا دستِ کرم
پیار سے اتنا کہا اے مرے تابندہ حشم
اب یہی امرِ مشیّت ہے مشیّت کی قسم
راہِ غربت پہ چلیں احمدِ مرسلؐ کے حرم
دُور پردیس میں صحرا کو بسانا ہو گا
اب ہمیں قبرِ نبیؐ چھوڑ کے جانا ہو گا

اے مرے قوّتِ بازو مرے بھائی مرے شیر
بنی ہاشم کے قمر حیدری ساونتؑ دلیر
تم بہر حال زبر گردشِ تقدیر ہے زیر
مرضیٔ حق ہے سفر میں تو مناسب نہیں دیر
باندھ لیں رختِ سفر سب کو خبردار کرو
ساتھ جائیں گے حرم محملیں تیار کرو

بعد اس کے جو گئے خانۂ اقدس میں امام
قافلے والوں کی فہرست ہوئی سرانجام
جب سُنائے گئے فہرست میں لکھے ہوئے نام
آہ صغرأ نے بھری اور کیا اس طرح کلام
سارا گھر آپ کے ہمراہ چلا ہے بابا
ایک میں رہ گئی کیا میری خطا ہے بابا

مجھ کو بیمار سمجھتے ہیں مسیحائے جہاں
سب یہ کہتے ہیں کہ صغرأ میں کہاں تاب وتواں
سر جھکائے ہوئے خاموش کھڑی ہیں لمّاں
ایسا لگتا ہے فقط میں ہوں بھرے گھر پہ گراں
کس کو احساس ہے تنہائی میں گھبراؤں گی
میں اکیلی در و دیوار سے ٹکراؤں گی

صورتِ خادمہ جاؤں گی مجھے لے چلیے ہاتھ فضہؑ کا بٹاؤں گی مجھے لے چلیے
میں کسی کو نہ ستاؤں گی مجھے لے چلیے مُنہ سکینہؑ کا دُھلاؤں گی مجھے لے چلیے
جسے کہتے ہیں دوا نام نہ لوں گی باباؑ
لوریاں آپ کے معصوم کو دوں گی باباؑ

سُن کے بیٹی کی زباں سے یہ غم انگیز سخن رو دیئے منظرِ انجام پہ سُلطانِ زمن
کہا اے لاڈلی حاصل ہے تجھے ارضِ وطن دشتِ غربت کے مسافر ہیں مرے غنچہ دہن
مسکراہٹ کے نئے پھول چُنیں گے اصغرؑ
لوریاں باپ کے ہاتھوں پہ سنیں گے اصغرؑ

دل قوی چاہیے اے میرے چمن کی خوشبو عزم و ہمت میں کبھی فرق نہ آئے سرِ مُو
فرض ہے سب کے لئے دین کے زخموں کا رفو مُنہ سکینہؑ کا دھلائیں گے سفر کے آنسو
جب طبیعت کو پریشان سی پانا صغراؑ
اپنی دادی کی لحد پر چلی جانا صغراؑ

گفتگو ختم ہوئی سیدِ ابرارؑ چلے اپنی منزل کی طرف دین کے غمخوار چلے
مثلِ عباسؑ عزیزانِ وفادار چلے شاملِ قافلہ سب پیکرِ ایثار چلے
محملوں میں حرمِ سیدِ ذیشاں آئے
یوں سمجھ لیجئے جزدانوں میں قرآں آئے

دل جو تڑپا تو محمد حنفیہؒ نے کہا اے چراغِ نبویؐ نورِ نگاہِ زہراؑ
آپ کو زیب ہے دستارِ امامت بخدا ایک ادنیٰ سی گذارش ہے تقاضہ دل کا
وقت دشمن ہے مصیبت پہ مصیبت ہو گی
ساتھ سیدانیاں جائیں گی تو زحمت ہو گی

آپ چاہیں تو مدینے میں رہیں اہلِ حرم — اپنے ہمراہ جوانوں کو رکھیں شاہِ امم
آگ پر چلنے کی مانند ہے ایک ایک قدم — چھوٹے بچوں سے نہ اُٹھیں گے مسافت کے الم
پھول ہیں دھوپ سے کملا کے بکھر جائیں گے
آندھیاں دیکھ کے معصوم تو مر جائیں گے

شہؑ نے فرمایا یہ تشویش دگر ہے بھائی — آپ کا مشورہ اُلفت کا اثر ہے بھائی
اب تو اسلام کا حق پیشِ نظر ہے بھائی — یہ سفر راہِ مشیّت کا سفر ہے بھائی
میری نظروں سے نہاں دفترِ مقسوم نہیں
میں کہاں جاؤں گا یہ آپ کو معلوم نہیں

چھوٹے بچوں کا تصوّر جو ہوا پیشِ نظر — دل ہی دل میں یہ کہا کیسے بتاؤں یہ خبر
ساری دنیا کو ہلا دیں گے مرے لختِ جگر — مسکرائیں گے یہی پھول تو ٹوٹیں گے تبر
مدح خواں فاتحِ خیبر کی جوانی ہو گی
تا قیامت مرے بچوں کی کہانی ہو گی

کوئی کیا جانے، کہاں دن تو کہاں رات آئے — کس کو معلوم سروں پہ ہیں قضا کے سائے
کوئی کیا جانے کہاں کوئی طمانچے کھائے — کس کو معلوم کہاں کوئی مسافر جائے
قید خانوں میں بھی سیدانیاں کب سوئیں گی
آندھیاں چادرِ زینبؑ کے لئے روئیں گی

قافلہ تیز ہوا منزلیں طے ہونے لگیں — مشکلیں ہمتِ شبیرؑ کے قدموں پہ جھکیں
ارضِ کعبہ پہ رُکے حُرمتِ کعبہ کے امیں — آ گئے باندھ کے احرام وہاں دشمنِ دیں
حج کو عمرہ سے بدل کر شہؑ ابرار چلے
سوئے کوفہ پسرِ احمدؐ مختار چلے

داغِ دل ہو گیا مسلمؑ کی شہادت کا اثر　　سر جھکائے ہوئے روتے تھے شہِؑ جن و بشر
پوچھ لی زوجۂ مُسلم نے جو بچوں کی خبر　　شہؑ نے فرمایا خدا صبر دے اے خستہ جگر
جعفری باغ کے پھولوں پہ خزاں آئی ہے
اب یتیموں پہ مصیبت کی گھٹا چھائی ہے

بیٹیاں مسلمؑ جانباز کی سُنتی تھیں یہ بات　　جوڑ کر ہاتھ کہا یا شہِؑ عالی درجات
عالِم غیب ہے کونین میں سرکار کی ذات　　ہمیں آنکھوں سے دکھا دیجے وہ غمگیں حالات
دیکھ کر بھائیوں کو غم کی عبادت کر لیں
ہم بھی پردیس میں بابا کی زیارت کر لیں

شہؑ نے فرمایا اس ارمان پہ ماموں ہو نثار　　دیکھ لو سامنے ہے اب وہ ستم کا بازار
باپ کی لاش پہ موجود ہے گلیوں کا غبار　　درِ کوفہ میں مرے بھائی کے سر کی ہے پکار
سُرخرو فاطمہؑ کے لال کا شیدائی ہے
بے کفن لاش نہیں دین کی سچائی ہے

اپنی موجوں پہ جو دریا نے اُٹھائے ہیں گلاب　　وہ مرے بھانجے ہیں وہ مرے دُرِّ نایاب
پیاسے پھولوں کی شہادت پہ ہے پانی بے تاب　　ماں جو نزدیک نہیں آ گیا دریا کو حجاب
وہ جو تلوار سے خوں پونچھ رہا ہے ظالم
میرے معصوموں کے سر کاٹ چکا ہے ظالم

یہ مصیبت کے مناظر جو نظر سے گذرے　　دیکھنے والے تڑپنے لگے بے ہوش ہوئے
کیا عجب ثانیٔ زہراؑ نے یہ جملے ہوں کہے　　بھائی مسلمؑ ترے احسان پہ زینبؑ صدقے
پیار سے خُلد میں نانا نے بلایا ہو گا
میرے بابا نے کلیجے سے لگایا ہو گا

کیا عجب ایسے میں عباسؑ جری نیک انجام
اپنی مانجائی کو آنکھوں سے یہ دیتے ہوں پیام
لُٹ گئی میری بہن اس میں نہیں کوئی کلام
ضبط لازم ہے کہ آئے نہ وفا پر الزام
شدّتِ غم میں اگر کوئی شکایت ہو گی
تیرے مانجائے کو آقاؑ سے خجالت ہو گی

کیا عجب ہے کہ بہن سے بھی ملا ہو یہ جواب
مجھے معلوم ہیں تسلیم و رضا کے آداب
دل جو رویا ہے تو آنکھیں بھی ہوئی ہیں پُر آب
مسکرائے مرے بھائی کی وفاؤں کا شباب
غم کے طوفان ہیں کیا چیز یہ دُنیا کیا ہے
سایۂ حضرتِ زینبؑ ہے تو پروا کیا ہے

تھم گئے اشک، بڑھا قافلہ منزل آئی
کربلا جادۂ تسلیم کی حد کہلائی
بند پانی ہوا تاریخِ عرب شرمائی
شب عاشور ستاروں پہ اُداسی چھائی
صبح کے خوف سے ہر ذرّہ زمیں پر رویا
چاند خیموں کی طنابوں سے لپٹ کر رویا

جانبِ دشت بڑے غور سے دیکھا شہؑ نے
کسی منزل پہ نشاں تیغ سے کھینچا شہؑ نے
کبھی اشکوں سے کسی خاک کو چوما شہؑ نے
کہیں کانٹا نظر آیا تو اُٹھایا شہؑ نے
برچھیاں آنکھوں میں لہرا گئیں پہلو دیکھے
اپنا سینہ کبھی دیکھا کبھی بازو دیکھے

سائے کی طرح کچھ انصار تھے مولاؑ کے قریب
عرض کی یا شہِؑ دیں احمدِ مرسلؐ کے حبیب
ان مقاموں سے ہے کیوں پیار یہ اندازِ عجیب
کہا شہؑ نے یہ زمیں ہے مرے پیاروں کا نصیب
یہاں قاسمؑ وہاں زینبؑ کے گلِ تر ہوں گے
خط جہاں کھینچ دیا ہے وہیں اکبرؑ ہوں گے

کل یہی دشت ہے اور تیغ و سناں کی جھنکار
کل یہی خاک ہے اور میرے گلستاں کی بہار
گھوڑے دوڑائیں گے لاشوں پہ یہاں ظلم شعار
کل یہی بسترِ آفت ہے غریبوں کا قرار
جہاں ٹپکائے ہیں آنسو وہاں پھر آؤں گا
کل اسی خاک میں اک پھول کو دفناؤں گا

میں نے کانٹے بھی اُٹھائے ہیں تو بے وجہ نہیں
کل اسی راہ سے آئے گی سکینہؑ غمگیں

سر کھلے روئیں گے میدان میں جب سوگ نشیں
خون روئے گی وہ بچی مرے مقتل کے قریں

ہر طرف بکھری ہوئی لاشوں سے گھبرائے گی
میں بلاؤں گا تو معصوم چلی آئے گی

شبِ عاشور گئی آ گیا روزِ عاشور
ہر طرف مثلِ قضا چھا گیا روزِ عاشور

بارشِ خوں ہوئی تھرا گیا روزِ عاشور
گلشنِ فاطمہؑ لوٹا گیا روزِ عاشور

سُرخ آندھی نے کہا چادرِ تطہیر گری
بھائی مقتل میں گرا خیمے میں ہمشیر گری

یہ وہ منزل تھی جہاں ثانیِ زہراؑ نے کہا
بیبیو اب مجھے وہ منظرِ غم یاد آیا

مجھ سے اکثر یہ بیاں کرتی تھیں اماں زہراؑ
سُرخ آندھی میں اگر سر سے اُتر جائے ردا

اپنے ماں جائے کو مقتول سمجھنا زینبؑ
نوکِ نیزہ پہ مرا پھول سمجھنا زینبؑ

زلزلہ آیا ہلا خیمے کا پردہ اک بار
دیکھا فضہؑ نے تو موجود تھا خالی رہوار

زخم اتنے تھے کہ آسان نہ تھا جن کا شمار
گفتگو آنسوؤں میں جس پہ دہائی ہو نثار

اک اشارہ تھا لہو ہو گیا قرآں زینبؑ
بھائی رخصت ہوا اللہ نگہباں زینبؑ

کون کہہ سکتا ہے کیا آلِ نبی پر گذری
جہاں آیاتِ محمدؐ تھیں وہاں آگ لگی

ہر طرف شامِ غریباں کی سیاہی پھیلی
ایک بیمار نے یوں غیب کی آواز سُنی

آدمِ آلِ پیمبرؐ مرے صابر عابدؑ
کوفہ و شام کا اب تو ہے مسافر عابدؑ

مرثیہ خوب ہوا مانگ دُعا اے قیصر
اے محمدؐ کے خُدا عادلِ روزِ محشر

ہر مسلمان کو دے آج وہ توفیقِ نظر
صحنِ آفاق پہ غالب ہو مودّت کی سحر

ہر طرف ظلم کی دُنیا تہہ و بالا کر دے
بھیج دے غیب سے خورشیدؑ اُجالا کر دے

انتخاب کلام

آبروئے فکر

(در حال حضرت بلالؓ)

(۷۸ بند۔ ۱۹۸۹ء)

maablib.org

❖❖

ڈھونڈیے قرآں میں قدر و قیمتِ رنگِ بلالؓ

چومتی ہے حرمتِ واللیل تہذیبِ خیال

اسودی پھولوں میں وہ اِک پھول بے مثل و مثال

گلشنِ شام و سحر میں جس کی خوشبو لازوال

گھپ اندھیرے میں زمانے کا اُجالا بھر دیا

کالی مٹی کو یدِ قدرت نے سونا کر دیا

❖❖

maablib.org

آبروئے فکر

دوستو انسان کے اندر بھی اک انسان ہے　　آبروئے فکر اس انسان کی پہچان ہے
دل کے پردے سے لبِ فطرت کا یہ اعلان ہے　　جاگ اُٹھے تو سینۂ کافر میں بھی ایمان ہے
ظاہر و باطن بدل دے وہ نظر پیدا تو ہو
سانس لے سکتی ہے میت بھی، دمِ عیسیٰؑ تو ہو

ایک انساں کھول سکتا ہے درِ زندانِ دل　　دیکھ سکتی ہے نگاہِ آرزو سامانِ دل
فتح کر لیتا ہے دنیا حربۂ اوسانِ دل　　شرط ہے پلکوں پہ لے آئے کوئی میزانِ دل
زندگی یہ راز سمجھی زندگی کے ساز سے
سنگدل پانی ہوئے ہیں گرمیِ آواز سے

زندہ انساں وہ ہے جو بھی انا کا دم بھرے　　خوف کا احساس بھی سینے سے باہر پھینک دے
لاکھ طوفاں ہوں جہازِ عزم کا لنگر اُٹھے　　سُرخ انگارے مسل دے سبز کانٹوں پر چلے
ڈال کر برقِ تبسم موت کی جھنکار پر
گردِ پا لکھ دے غرورِ وقت کی تلوار پر

خنجرِ ماحول سے گھبرائے وہ انساں بھی کیا   مجرمِ تابِ نظر کہلائے وہ انساں بھی کیا
ذہن کو تاریکیاں پہنائے وہ انساں بھی کیا   آپ اپنے سائے سے ڈر جائے وہ انساں بھی کیا
بات جب ہے بزدلی کے سارے رستے چھوڑ دے
مرد وہ ہے جو غلامی کا شکنجہ توڑ دے

فطرتاً انسان کی خلقت میں ہیں سچائیاں   ڈھانپ لیتی ہیں جنہیں ماحول کی پرچھائیاں
جب اُبھرتی ہیں قبیلوں کی جنوں آرائیاں   گھیر لیتی ہیں جہانِ فکر کو رُسوائیاں
رنگ بھرتا ہے زمانہ جبر کی تصویر میں
آمیت چیختی ہے وقت کی زنجیر میں

وحشتوں کی دہشتوں سے تھرتھراتی زندگی   سرد مہری کی ہوا میں کپکپاتی زندگی
مسکرانے کے لئے آنسو بہاتی زندگی   آنسوؤں کے وقت، جبراً مسکراتی زندگی
موت کی زد پر ترستی ہے محبت کے لئے
کوئی تو انساں بڑھے فرضِ اعانت کے لئے

وہ زمیں جس پر حقوقِ زندگی ہوں مسترد   اُس زمیں پر ہر مکاں زنداں تو ہر خیمہ لحد
مقتلوں کی دھوپ جس پہ حرمتِ انساں کی حد   اس زمیں پہ سائے بڑھ جاتے ہیں گھٹ جاتے ہیں قد
جس زمیں پر کثرتِ اوہام کے خنجر ملے
تین سو پینسٹھ خداؤں سے وہاں پتھر ملے

وہ زمیں جس پر ہو استبداد کا فرشِ سیاہ   اس زمیں پر سسکیاں لیتا ہے جرمِ بے پناہ
وہ زمیں جس پر خیالِ خام ہو غیرت کی راہ   اس زمیں پر موت کی توہین ہے نیچی نگاہ
ایک انساں پستیوں کا دم بھرے ممکن نہیں
روشنی ظلمت سے سمجھوتہ کرے ممکن نہیں

کون کہتا ہے لہو کی گردشوں میں دم نہیں
کون کہتا ہے رگوں میں روحِ پیچ و خم نہیں
کون کہتا ہے یہاں سم ہے علاجِ سم نہیں
کون کہتا ہے یہاں تو زخم ہیں مرہم نہیں
تلخ لہجوں کے لئے قندِ طبیعت چاہیے
زخم بھی کافور ہو جاتے ہیں حکمت چاہیے

کچھ نہ کچھ تابش تو رکھتا ہے ہر انساں کا ضمیر
جیسے خشکی پر کہیں شفاف پانی کی لکیر
ایک نقطے کے برابر فہم ہے فہمِ خطیر
پختگیِ جہل میں بھی علم ہوتا ہے اسیر
یوں بھی اک احساس ملتا ہے جہانِ ذات میں
جس طرح جگنو ہو صحرا کی اندھیری رات میں

کیا ہے صحرا کی اندھیری رات اک جبری نظام
جس میں بے سرمایہ ہوں سرمایہ داروں کے غلام
مُہر عزت کے لبوں پر بند غیرت کے مسام
زندگی اک جلتی بجھتی شمع جگنو جس کا نام
کھولتا پانی جگر کے زخم دھونے کے لیے
ہر تبسّم تازیانوں میں پرونے کے لیے

تازیانوں کا تبسّم اور اشکِ زندگی
زرخریدوں میں زباں بندی مسلسل خامشی
موت کا پیغام افسردہ غلاموں کی ہنسی
اس تصور کے اُفق سے ارضِ مکہ بول اُٹھی
کیوں غمِ تاریخ ہے تاریخ کے گلشن میں آ
اے سخنور! شہرِ ابراہیمؑ کے دامن میں آ

وہ اُدھوری چھاؤں میں خیمے کے باہر اک جواں
جس کے چہرے پر جبش کی پائمالی کے نشاں
وہ جو پلکوں پر لئے ہے نیلا پیلا آسماں
جس کے گرد و پیش ہر لمحہ مصیبت، امتحاں
اک وفا پر در بغاوت کا جمالِ نیک ہے
یہ غلامی کی چٹائی پر بلالؓ نیک ہے

یہ ہے وہ انسان جو اندر سے طوفاں ہو گیا بیکسی میں جذبۂ ہمت نگاراں ہو گیا
ناتوانی میں تواناؤں کا ایماں ہو گیا اپنی تنہائی میں فوجِ دردمنداں ہو گیا
سامنے ہیں خیر و شر اور فیصلہ مابین ہے
پک چکا لاوہ اُبلنے کے لئے بے چین ہے

کیوں گزارے زندگی قسمت پہ رونے کیلئے مسکرا کر دن گنے کانٹوں پہ سونے کیلئے
مطمئن ہو کشتیِ ماضی ڈبونے کے لئے موجِ کوثر کھینچ لے ہر داغ دھونے کیلئے
ان اداؤں کی چمک چشمِ قضا میں تیر ہے
ایسا انساں ہر زمانے کے لئے تقدیر ہے

مسکراتا ہے یہاں وصفِ بلالؓ حق نظر کچھ سنہری لفظ اُبھرے ہیں کتابِ ذہن پر
جیسے محوِ گفتگو ہو عاشقِ خیرالبشرؐ گفتگو میں انقلابِ دیدہ و دل جلوہ گر
اک نئے انداز میں تیغ و سناں سے بات ہے
آندھیاں ہیں اور ہتھیلی پر چراغِ ذات ہے

آندھیاں کہتی ہیں کیا اک فرد کیا اس کا چراغ اور چراغِ ذات کہتا ہے امر ہو گا چراغ
آندھیاں کہتی ہیں جل سکتا نہیں ایسا چراغ اور چراغِ ذات کہتا ہے نہیں بجھتا چراغ
آندھیاں سرکش ہیں دنیا گردِ وحشت بار ہے
اور چراغِ ذات کی لو آفتاب آثار ہے

آندھیاں کیا ہیں اُمیہ کے تکبر کی مثال اور چراغِ ذات اک آئینۂ نفسِ بلالؓ
اک طرف آقائیت، بھرپور فرعونی خصال اک طرف اشکِ غلامی حریت کی برشگال
اُس طرف آنکھوں میں سُرخی خوں بہانے کیلئے
اس طرف آہیں چراغِ دل جلانے کیلئے

حالتِ ذہنِ اُمیہ صورتِ غیظ و غضب
جس طرح لات و ہُبل نا آشنائے روز و شب
ریشمی خیموں کی آسائش مزاجِ بولہب
جیسے پتھر کے خدا ناواقفِ اہلِ تعب
تابشِ دام و درم قلبِ ابوسفیان میں
جیسے دُنیا تُل رہی ہو جہل کی میزان میں

ہر نظر کے سامنے بوجہل کی غارت گری
یا بروئے کار تنظیمِ جہانِ آذری
راحتِ جاں کفر پردازی، بتوں کی برتری
خارِ دل صرف آمنہؑ کے لالؐ کی پیغمبری
ظلم کے شعلوں سے ظرفِ رُوح پگھلائے ہوئے
زندگی کو ذِلتوں کی موت پہنائے ہوئے

یہ ستم پرور زمانے کے ستم پرور امیر
چاہتے ہیں نورِ قدرت کو بنا ڈالیں اسیر
یہ پرستارانِ مال و زر، یہ پتھر کے فقیر
چاہتے ہیں قید ہو جائے صدائے عرش گیر
ہر بشر کی سوچ پر غلبہ رہے وسواس کا
نام بھی کوئی نہ لے بیداریٔ احساس کا

ایک جانب منظرِ بیدار وہ دو گز زمیں
جس پہ یاسرؓ کی مقدس اہلیہ روحِ یقیں
مثلِ یاسرؓ پی چکی ہے شربتِ خلدِ بریں
نیزۂ بوجہل کی سرخی نہیں، کچھ بھی نہیں
کہہ رہا ہے گرم ذروں سے غریبوں کا لہو
سُرخرو کرتا ہے کعبے کو شہیدوں کا لہو

سینۂ عمارؓ میں ماں باپ کے غم کی پکار
آدمی وہ آدمی جو اپنے خالق پر نثار
جس کی آنکھوں میں بسی ہو باغِ وحدت کی بہار
کثرتِ کفار ہے اس کی نظر میں تار تار
روشنی کے لمحے لمحے کی جسے پہچان ہے
وہ کسی منزل پہ ہو سچائیوں کی جان ہے

وحشیانِ شہر کا انداز رُسوائی عبث سرکشوں میں نغمۂ جذبات پیمائی عبث
کاذبانِ وقت کی ہنگامہ آرائی عبث ظالموں میں ظلم کی حد سے شناسائی عبث
کوئی بھی تحریک ہو دنیائے حرص و آز میں
ضعف آ سکتا نہیں عمّار کی آواز میں

جذبۂ عمّار کی تائید ہے جذب بلالؓ یوں سمجھئے روشنی سے روشنی کا اتصال
کون آقا' کس کا آقا' سارے قصّے پائمال اب تجلائے احد ہے آبروئے لازوال
کچھ خلاف مقصدِ آیات سُنتا کفر ہے
اب خلف کے ناخلف کی بات سُنتا کفر ہے

گر گئیں نظروں سے سب اہلِ جفا کی قوّتیں خاک لگتی ہیں رئیسانِ خطا کی قوّتیں
کیا یہ دنیا اور کیا مکر و ریا کی قوّتیں اب نویدِ فتح ہیں واحد خدا کی قوّتیں
یاد آئے گا بلالؓ اک استعارے کی طرح
اب حبش کی خاک چمکے گی ستارے کی طرح

اپنے گھر میں اپنی دنیا سے بغاوت دیکھ کر رنگ یوں لائے اُمیّہ کی شقاوت کے شرر
تازیانے اس قدر برسے غریب انسان پر چُھپ گیا زخموں کی چادر میں بلالؓ حق سیر
سُرخ فوارے زمیں کا زرد چہرہ دھو گئے
گرم پتھر بے وطن کے خون سے تر ہو گئے

ظلم اپنی حد سے بڑھکر آپ گھبرانے لگا تھک گیا مغرور کا دُرّہ تو بل کھانے لگا
اس طرف مظلوم اجرِ دردِ دل پانے لگا آسماں پر اک نیا منظر نظر آنے لگا
لاشعوری مرحلے پورے شعوری ہو گئے
سارے جلوے حاصلِ ذوقِ حضوری ہو گئے

ذہن کے جتنے دریچے تھے گلستاں بن گئے — اب کہاں کے زخم سب گلہائے خنداں بن گئے
سارے احساساتِ زحمت راحتِ جاں بن گئے — تازیانوں کے نشاں روحِ بہاراں بن گئے
ولولے روشن ہوئے جذبوں کی آبادی کے ساتھ
فکر بالیدہ ہوئی توفیقِ آزادی کے ساتھ

دی گئی حکمِ نبیؐ سے قیمتِ جسمِ بلالؓ — لائے ابنِ بوقحافہؓ ارضِ غربت کا نہال
سایۂ رحمت میں ذرے کو ملی تابِ کمال — کردیا خیر البشرؐ نے اک بشر کو لازوال
مسکرائی قسمتِ بے زر خزانہ مل گیا
زندگی کی داستاں کو ہر زمانہ مل گیا

مطلعِ آفاق سے گویا ہوئی تازہ سحر — اب مرا سورج ہے عبداللہؓ کا نورِ نظر
کلمۂ توحید کے جلوے ہیں روحِ بحر و بر — گونج اُٹھا مینارِ مسجد سے بلالِؓ معتبر
جس کا سینہ ظرفِ خوشبوئے محاسن ہو گیا
وہ بشر ختمِ نبوتؐ کا مؤذن ہو گیا

لحنِ مستقبل میں سورج نے قصیدہ پڑھ دیا — ہر زمانہ دیکھ لے شانِ غلامِ مصطفٰےؐ
اپنے پیکر میں جو پوشیدہ تھا وہ ظاہر ہوا — اب سرِ آفاق حرف و لفظ بولیں گے سدا
عشقِ محبوبؐ خدا ٹھہرا ہے انعامِ بلالؓ
زندہ و تابندہ و پائندہ ہے نامِ بلالؓ

حق پرستوں سے یہ اظہارِ حقیقت پوچھیے — اہلِ اُلفت سے چراغِ راہ اُلفت پوچھیے
مصحفِ دل پڑھنے والوں سے یہ سورت پوچھیے — آدمیت سے بلالِؓ آدمیت پوچھیے
بندگی اور کاروانِ بندگی کو ناز ہے
ہر مسلماں جس پہ مرتا ہے یہ وہ آواز ہے

جس کی بیداری پہ نازاں یہ جہانِ ماہ و سال
یاد رکھیں گے جسے ہر دور کے منصف مقال
دین کی بنیاد جس کی استقامت کا جمال
اس رئیسِ حریت کا نامِ نامی ہے بلالؓ
حشر تک جو کاروانِ صبح کی پہچان ہے
چاند اُس کا پیکرِ شب رنگ پر قربان ہے

دیدۂ بینا میں ہے تخلیق کا ابرِ کرم
جانتے ہیں اہلِ دل فطرت کے نغموں کا بھرم
سن رہا ہوں گفتگوئے رونقِ صحنِ حرم
جس سے ٹپکے نورِ وحدت وہ نشانی محترم
محوِ حیرت ہیں نگاہیں اس مثالی رنگ پر
سنگِ اسود ناز کرتا ہے بلالیؓ رنگ پر

ڈھونڈیے قرآں میں قدر و قیمتِ رنگ بلالؓ
چومتی ہے حرمتِ واللیل تہذیبِ خیال
اسود ی پھولوں میں وہ اک پھول بے شکل و مثال
گلشنِ شام و سحر میں جس کی خوشبو لازوال
گھپ اندھیرے میں زمانے کا اُجالا بھر دیا
کالی مٹی کو یدِ قدرت نے سونا کر دیا

رنگ شیدائے نبی کی بات ہے پائندہ رنگ
کس طرح کیجے وضاحت فکر کی دنیا ہے دنگ
حشر تک آواز دے گا زندگی کا انگ انگ
کالی کملی سے محبت اس کی تابندہ اُمنگ
حل ہوئیں خوش بختیاں اس رنگ کی تقدیر میں
روشنائی بن گیا اسلام کی تحریر میں

ناز فرمائیں گے اس تخیل پر اہلِ نظر
ہر زمانہ مطلعِ افکار سے دے گا خبر
یوں رواں ہے اپنے پیکر میں بلالؓ نامور
جس طرح کالی گھٹا میں چاند کرتا ہے سفر
ہر مسافت میں ادائے خوش خیالی چاہیے
راہِ ظلمت ہو تو رفتارِ بلالیؓ چاہیے

صاف کہتے ہیں چمن کے ابھی تازہ گلاب
تابشِ طینت سے آتا ہے گلستاں پر شباب
رنگ و صورت کب ہیں فطرت کی دلیلِ کامیاب
پھول تو وہ ہے جسے چُوے نگاہِ بوتراب
جذبِ حق میں کوئی شرط اسود و احمر نہیں
عشقِ پیغمبرؐ بغیرِ نفسِ پیغمبرؐ نہیں

حق شناسی کے ستاروں کا تبسم ہے بلالؓ
ردِ باطل کیلئے حسنِ تکلم ہے بلالؓ
ہر طرح غارت گرِ شبہِ توہم ہے بلالؓ
ناز کرتی ہے تلاوت وہ ترنم ہے بلالؓ
زندگی کاٹی ہے اس نے نور کی برسات میں
پیار بن کر بس گیا ہے سینۂ آیات میں

حق و باطل کی فضا میں حد فاصل ہے بلالؓ
اہلِ دل جس پر فدا ہوتے ہیں وہ دل ہے بلالؓ
ساری محفل کہہ رہی ہے جانِ محفل ہے بلالؓ
بانیٔ اسلام کی سیرت میں شامل ہے بلالؓ
کوئی عالم اس زبر کو زیر کر سکتا نہیں
وقت مر سکتا ہے یہ انسان مر سکتا نہیں

انقلابِ ظرف سے کانٹا گُلِ تر ہو گیا
ایک برگِ دشت خوشبو کا سمندر ہو گیا
معرفت میں صاحبِ زر قبلِ بوذرؓ ہو گیا
ایک ذرہ خازنِ عشقِ پیمبرؐ ہو گیا
جہدِ فطرت حُسنِ فطرت کے لئے میزان ہے
عقل سے جو عشق رکھتا ہے یہ وہ انسان ہے

اس دیانت سے کیا ذکرِ ھُوَاللہُ اَحَد
بول اُٹھی بیداریٔ آئندہ اللہ الصمد
یوں بھی اپنے نام سے پائی محبت کی سند
بن گئی ختم الرسلؐ کی عمرِ ظاہر ہم عدد
مصطفےٰؐ کی زندگی سے ربطِ زیبا ہے بلالؓ
خود سمندر نے جسے چُوما وہ دریا ہے بلالؓ

بزمِ ہستی میں غرورِ نیک نامی ہے بلالؓ — اعتبارِ عالمِ شائستہ کامی ہے بلالؓ
جذبۂ تسلیم کا اسمِ گرامی ہے بلالؓ — مصطفےٰ کو پہلے دستے کی سلامی ہے بلالؓ
صورتِ عمارؓ چشمِ احمدؐ مرسل میں ہے
یہ سپاہی فوجِ وحدت کی صفِ اوّل میں ہے

ضبط کی قوت سے وحشت کی تباہی ہے بلالؓ — بے نوائی میں شکستِ کج کلاہی ہے بلالؓ
شام کی زد پر نویدِ صبح گاہی ہے بلالؓ — کس نے حمزہؓ کا جگر کھایا گواہی ہے بلالؓ
غزوۂ بدر و احد کے غازیوں میں نام ہے
یہ مجاہد بھی جوازِ قوتِ اسلام ہے

تا قیامت نصرتِ حق ہے تقاضائے بلالؓ — عشق کی تحریر زندہ ہے بہ انشائے بلالؓ
گلشنوں میں شہدِ ایماں ہیں سخن ہائے بلالؓ — مسکراتی ہے اذانوں میں تمنائے بلالؓ
اس کے لہجے سے جہاں، دنیا کو دلچسپی نہیں
رات رہتی ہے وہاں سورج نکلتا ہی نہیں

یاد ہے وہ فتحِ مکہ کی صداقت کا نشاں — کافروں پر قوتِ اسلام کی ضربِ گراں
پوری خلقت کیلئے پروانۂ امن و اماں — وہ بلالؓ خوش نوا، وہ بامِ کعبہ پر اذاں
حکم ایسے میں جو ہو جاتا بہ اندازِ بلالؓ
آسماں پر دیکھتے جبریلؑ پروازِ بلالؓ

آج بھی قولِ بلالؓ اپنی صداقت کا امیں — سورۂ یونس کے سائے میں وہ تصویرِ حسیں
جتنے عادل ہیں وہ اس منزل پہ رکھتے ہیں یقیں — خُلق سے اسلام کی تشہیر ہے جبراً نہیں
کلمہ پڑھتے وقت اگر کوئی بشر مجبور ہے
فرقِ نیت کی طرح وہ روشنی سے دُور ہے

دین کے پھیلاؤ میں پرکار ہے قندِ سخن
جس طرح اک باغ میں شاداب پھولوں کی پھبن
وہ جو اپنی رُوح میں رکھتے ہیں قانونِ چمن
حُسنِ گلشن پر لٹاتے ہیں متاعِ جان و تن
جنگ کے شعلوں میں روحِ امن بڑھ سکتی نہیں
دین کی تحریر کو تلوار پڑھ سکتی نہیں

بعد ختمِ مرسلینؐ کہتا ہے دورِ انقلاب
بجھ گئی قندیلِ ہستی چھپ گیا جب آفتاب
حالتِ قلبِ بلالؓ افسردگی و اضطراب
جس طرح بے آب ماہی جیسے بے خوشبو گلاب
نام کی قیمت نہیں ہوتی کہانی کے بغیر
لفظ بے توقیر ہوتے ہیں معانی کے بغیر

کل وہ آقا تھا کہ جس کی ہر نظر میں برہمی
برہمی جیسے کوئی ناوک سناں خنجر انی
آج اُس آقا کی صورت ڈھونڈتی ہے زندگی
جس نے چھاتی سے لگا کر بادشاہت بخش دی
اک گدا کو خلعتِ صد قیصری پہنا دیا
بوریے پہ جس نے تاجِ خسروی پہنا دیا

ہر قدم پر سرد آہیں اور بلالؓ سوگوار
جیسے آسیبِ خزاں نے لوٹ لی ساری بہار
کیوں نہ بن جائیں وہ آنکھیں آنسوؤں کا آبشار
وقت نے چھینا ہو جن آنکھوں سے نورِ کردگار
شش جہت کی زندگانی لرزہ براندام ہے
ساری دنیا اک اندھیرا ہے دُھواں ہے شام ہے

لوگ کہتے ہیں بلالؓ اب کیوں اذاں دیتا نہیں
کوئی پوچھے آسماں جب اُٹھ گیا کیسی زمیں
لوگ کہتے ہیں یہ آنسو بن گئے ضعفِ یقیں
کوئی پوچھے کیا محبت ہے خلافِ عقل و دیں
شدّتِ احساس میں منہ آنسوؤں سے دھوئے گا
جس کا دل پتھر نہیں وہ غم کرے گا، روئے گا

ہجرِ محبوبِ خدا میں زندگی کیا زندگی　　چھپ گیا نورِ دو عالم روشنی کیا روشنی
اس طرح بارہ برس کاٹے برنگِ خامشی　　ہر نفس کے تار پر تصویرِ پیغمبرؐ رہی
لکھ دیا رازِ محبت گردشِ ایام پر
شامِ ہستی میں لحد پائی زمینِ شام پر

سرگزشتِ جاں نثارِ مصطفیٰؐ کیسے لکھوں　　ذہن ہے محدود حدِّ ارتقا کیسے لکھوں
روشنی کی ابتدا و انتہا کیسے لکھوں　　سوچتا ہوں ذکرِ تکمیلِ وفا کیسے لکھوں
سامنے ہے واقعہ اور اشک دامن گیر ہے
آئینے میں حبِّ اہلِ بیتؑ کی تصویر ہے

ایک دن صادر ہوا یہ حکمِ خاتونِؑ جناں　　اے بلالؓ اے عاشقِ پیغمبرِؐ کون و مکاں
فاطمہؑ ہے فرقتِ خیرالوریٰؐ میں نیم جاں　　میرے باباؐ کے مؤذن اب سُنا دیجے اذاں
روشنی ہے آپ کے آئینہ انداز میں
دیکھ لوں گی اپنے بابا کو میں اس آواز میں

فاطمہؑ کے حکم کی تعمیل ایمانِ بلالؓ　　یا مسلماں کیلئے اجرِ رسالتؐ کا سوال
وہ اذاں، وہ صحنِ مسجد، وہ مؤذن غیر حال　　چہرۂ سرکارِؐ دو عالم ہوا زیبِ خیال
جب لیا نامِ محمدؐ ایک محشر ہو گیا
شہر میں ہر گھر عزا خانے کا منظر ہو گیا

بام و در سے اسقدر رونے کی آوازیں اٹھیں　　ہل گئی ارضِ مدینہ وقت کی نبضیں رکیں
اُس طرف اک درد اُٹھا بیٹھے بلالؓ خوش یقیں　　اس طرف بے ہوش ہو کر خاک پر زہراؑ گریں
اُس طرف آزاد آنسو دوستِ آقاؐ کے لئے
اس طرف بیٹی کا نوحہ اپنے باباؐ کے لئے

فرشِ مسجد آنسوؤں کی نہر سے تر ہو گیا
دفترِ غم حیدرِ کرار کا گھر ہو گیا
وقت کا چہرہ قیامت خیز منظر ہو گیا
کل مدینہ عالمِ یادِ پیمبرؐ ہو گیا
اک اداسی چھا گئی سب کوچہ و بازار پر
آ گئی دنیا مزارِ احمدِ مختارؐ پر

کیا تعجب ہے لبِ فطرت پہ آئی ہو یہ بات
اے مدینے دیکھ مستقبل میں تصویرِ حیات
کربلاؔ سبطِ نبیؐ اہلِ حرمؑ قربِ فرات
ایک منزل پر سمٹ آئی غموں کی کائنات
وقت عنواں دے رہا ہے دین کے دستور کو
روزِ محشر چومنے آیا شبِ عاشور کو

انگنت سجدے ہیں اور گنتی کی ہیں پیشانیاں
ساجدوں سے کھیلتی ہیں پیاس کی جولانیاں
بھوک بڑھتی ہے تو کہتی ہیں وفا سامانیاں
صبح ہونے دو نظر آ جائیں گی قربانیاں
ہر نمازی پر خدا کی رحمتوں کے سائے ہیں
یہ اذانِ مصطفیٰؐ پر جان دینے آئے ہیں

وہ اذاں ہو گی زمانے میں سرِ دشتِ قتال
ناز فرمائے گا جس پر لاشریک و لایزال
تو سہی فردوس سے آواز دے روحِ بلالؓ
اے اذانِ صبحِ عاشورہ نہیں تیری مثال
یہ اذاں لکھی گئی ہم شکلِ پیغمبرؐ کے نام
کلمۂ اللہ اکبر ہے علی اکبرؑ کے نام

سرفروشوں میں نمازِ فجر کی تیاریاں
دین کے پھولوں کی خوشبو شرع کی ضو باریاں
غم اٹھا کر پوری دنیا کے لئے غم خواریاں
جن پہ سورج کا سفر قربان وہ بیداریاں
غازیوں نے کہہ دیا ہے جنگ کے آثار سے
کہکشاں کر دیں گے مقتل کو لہو کی دھار سے

وہ اُٹھے شبیرؑ وہ آئے شبیہِ مصطفےؐ باپ نے بیٹے کی پیشانی پہ ہونٹوں کو رکھا
پیار کے لفظوں میں یوں چھاتی سے لپٹا کر کہا اے مرے لختِ جگر اے پیکرِ خیر الوریٰ

آؤ میرے ساتھ اے جانِ پدر کچھ کام ہے
اب تمہارے واسطے سب سے بڑا انعام ہے

ثانیِ زہراؑ کے پاس آ کر کہا پیاری بہن صبح کی شبنم سے چہرے دھو چکے اہلِ چمن
چاہتا ہوں آج چہکے عندلیبِ پنجتنؑ یہ اذانِ فجر دے گا اب تمہارا گلبدن

پورے اٹھارہ برس کی آج محنت چاہیے
اس اذاں کو سینۂ اکبرؑ کی قوت چاہیے

آؤ اس اپنے مؤذن کو سجاؤ اے بہن میرے ناناؐ کی کوئی خوشبو لگاؤ اے بہن
یہ نہیں کہتا اسے پانی پلاؤ اے بہن کس طرح آواز نکلے گی بتاؤ اے بہن

کیا تعجب ہے تری آئے اسی تدبیر سے
اس کے ہونٹوں کو ہوا دو چادرِ تطہیر سے

یاد تو ہو گی مدینے میں سُنی تھی اک اذاں یاد تو ہو گا وہ ناناؐ کا بلالؓ خستہ جاں
اس مؤذن پر وہ اماں کی دعا کا سائباں آج تم سب کیلئے ہو ثانیِ زہراؑ یہاں

نوجواں کو صبر و ہمت کی جوانی بخش دو
اپنے اکبرؑ کو ادائے کامرانی بخش دو

سُن کے ماں جائے سے یہ الفاظِ زینبؑ دلفگار اُمِ لیلیٰ کی طرح کرنے لگیں اکبرؑ کو پیار
پھر یہ فرمایا کہ اے فخرِ بلالؓ نامدار جانتے ہو کیا ہے منشائے امامِ ذی وقار

اِس نمازِ باجماعت کا نشاں باقی رہے
لہجۂ اکبرؑ میں آوازِ اذاں باقی رہے

کربلا میں وہ اذاں دو آج میرے مہ جبیں
لوگ یہ سمجھیں شبیہِ مصطفےٰ پیاسا نہیں
سب کے دل ہوں گے تمہارے خشک ہونٹوں کے قریں
پیار سے سوکھا گلا چومیں گے شاہِ مرسلیںؑ
شور ہو گا آبروئے باغِ حیدرؑ مرحبا
فاطمہ زہراؑ کہیں گی میرے اکبرؑ مرحبا

ارضِ مقتل پر علی اکبرؑ نے دی آخر اذاں
کربلا کے چاند پر قرباں ہوئے کون و مکاں
چھا گیا آفاق پر اللہ اکبر کا بیاں
بن گئی طولِ ابد وہ دن کے پیاسے کی زباں
ذوقِ سجدہ کو حیاتِ جاودانی مل گئی
لحنِ اکبرؑ سے اذانوں کو جوانی مل گئی

برقِ فہم و فکر اس آواز کو لے کر چلی
ان گنت صدیوں کی محفل اک اشارے میں ڈھلی
ملحدوں کے سومناتوں میں مچی وہ کھلبلی
ساری دُنیا نے پکارا یا محمدؐ یا علیؑ
صبحِ عاشورہ نقیبِ حق بیانی ہو گئی
کربلا خیرالعمل کی راجدھانی ہو گئی

صبحِ عاشورہ کے سورج سے کوئی پوچھے یہ بات
کیا ستارے تھے نمازِ فجر کے عالی صفات
کس طرح ڈوبے لہو میں وہ رئیسانِ حیات
کس طرح جاری ہوا مقتل میں پیغامِ صلوٰت
خنجروں پر کن اداؤں سے کلیجے رکھ دیے
غازیوں نے کس طرح تیغوں پہ سجدے رکھ دیے

کس طرح برچھی مؤذن کے کلیجے پر لگی
کس طرح ٹکڑے ہوئی میداں میں تصویرِ نبیؐ
کس طرح صبحِ مدینہ شامیوں نے لُوٹ لی
باپ نے بیٹے کے دل سے کس طرح کھینچی انی
بہہ گیا سارا لہو لیکن نہ گھبرائے حسینؑ
کس طرح ہاتھوں پہ اپنی لاش لے آئے حسینؑ

خون روتی دُھوپ سے پوچھے کوئی یہ ماجرا　　کس طرح تڑپا زمیں پر بے وطن کا مہ لقا
کاش یہ آواز بھی آئے بتا اے کربلا　　کس طرح پردیس میں سبطِ پیمبر کٹ گیا
صاحبِ احساس تو یہ درد سہہ سکتے نہیں
کیا بنی ہو گی دلِ زینبؑ پہ کہہ سکتے نہیں

نوجوان فرزند کا ماتم کمال اضطراب　　سوچیئے کس طرح بکھرے ہوں گے ارمانوں کے خواب
ہائے جب اپنے لہو پہ سو رہا ہو گا شباب　　کس طرح ماں ڈھونڈتی ہو گی وہ اپنا ماہتاب
کہہ رہی ہو گی اُٹھو میرے مہِ انور اُٹھو
کیا نہیں دو گے اذانِ ظہر اے اکبرؑ اُٹھو

اُمِ لیلیٰؑ نے کہا ہو گا مرے کڑیل جواں　　تم بتا دو کس طرح دیکھوں یہ زخموں کے نشاں
کس نے میرا پھول توڑا کس نے لوٹا گلستاں　　کس نے میرے چودہویں کے چاند کو ماری سناں
کیسے کہہ دوں یہ اذانِ صبح کی تاثیر ہے
خون میں غلطاں رسولؐ اللہ کی تصویر ہے

کیا تعجب ہے وہاں موجود ہو رُوحِ بلالؓ　　چوم کر اکبرؑ کا ماتھا خود سے کرتی ہو سوال
انتہا کی پیاس میں ایسی اذاں ایسی جدال　　دینِ پیغمبرؐ کا قد ہے سبطِ پیغمبرؐ کا لال
کوئی اکبرؑ سا مؤذن ہو خیالِ خام ہے
وہ اذاں آغاز تھی اور یہ اذاں انجام ہے

آنسوؤں کے سائے میں قیصرؔ یہ تکمیلِ سخن　　مرثیہ گوئی کے دامن پر ہے جدّت کا چمن
وقت آئے گا لکھیں گے وقت کے نقادِ فن　　روحِ باغِ فکر رکھتے ہیں یہ لفظوں کے بدن
دائی حُسنِ عقیدت کے مثالی پھول ہیں
یہ حسینیؑ سوگواروں میں بلائی پھول ہیں

انتخابِ کلام

یوسفِ کربلاؑ

(درحالِ حضرت علی اکبرؑ)

(۵۵ بند۔ ۱۹۳۹ء)

✤

❖❖

یہ حالِ زار قیامت ہے آدمی کیلئے
نہ آئے ایسی مصیبت کبھی کسی کیلئے
سیاہ وقت ہے بیکس کی زندگی کیلئے
چراغ ہو کے ترستا ہوں روشنی کیلئے

عجب یہ بات بعنوانِ حادثات ہوئی
مجھے تو آج بھری دوپہر میں رات ہوئی

❖❖

یوسفِ کربلاؑ

حسینؑ لاشۂ اکبرؑ تلاش کرتے ہیں
نہالِ باغِ پیمبرؐ تلاش کرتے ہیں
بکھرے چمن کا گلِ تر تلاش کرتے ہیں
فلک کا چاند زمیں پر تلاش کرتے ہیں
چُھپا ہے نورِ نظر ہر طرف اندھیرا ہے
دلِ بتولؑ کو بربادیوں نے گھیرا ہے

تمام دشت پہ چھایا ہے ظلم کا بادل
سیاہِ شام کی صورت ہے موت کا جنگل
زمین سر پہ لئے ہے غبار کا آنچل
سحر سے فاطمہؑ کے باغ میں ہے بادِ اجل
کوئی لٹا نہیں اس طرح فرشِ گیتی پر
پڑے ہیں پھولوں کے لاشے دہکتی ریتی پر

سوادِ شام نے نورِ سحر کو لُوٹ لیا
زمیں کے ذرّوں نے شمس و قمر کو لُوٹ لیا
تمام دولتِ خیرالبشرؐ کو لُوٹ لیا
ستم گروں نے پیمبرؐ کے گھر کو لُوٹ لیا
خیامِ آلِ محمدؐ میں شورِ محشر ہے
فقط حسینؑ ہیں یا شیر خوار اصغرؑ ہے

حسینؑ پر جو گزرتی ہے کوئی کیا جانے کسی کا درد فقط درد آشنا جانے
تھمے گی کب ستم و جور کی ہوا جانے کہاں رُکے گا یہ طوفانِ غم خدا جانے

ضعیف باپ تلاشِ پسر میں حیراں ہے
چمن بہارِ چمن کے لئے پریشاں ہے

جدا ہے فاطمہؑ زہرا کے پھول سے خوشبو چُھٹا ہے فاتحِ خیبر کے چاند سے مہ رو
ہوائے دشت سے کہتے ہیں سیدِ خوشخو کہاں ملیں گے شبیہِ رسولؐ کے گیسو

قدم لرزتے ہیں طاقت نہیں کہاں جاؤں
جہاں پڑا ہے مرا نوجواں وہاں جاؤں

کبھی یہ دھوپ کی تیزی سے دل گداز کلام خیال رکھنا پریشاں نہ ہو مرا گلفام
کبھی غبار سے کہتے ہیں اے طبیعتِ شام ہرے ہیں زخم نہ تڑپے مرا وہ ماہِ تمام

نظر میں احمدؐ مختار کا نہال رہے
مرے گلاب کو زحمت نہ ہو خیال رہے

جگر کے درد کی لہروں سے گفتگو ہے کبھی فراقِ لختِ جگر نے بھلائی تشنہ لبی
اُٹھی جو ہوک سی دل میں تو اتنی بات کہی جدائی علی اکبرؑ میں زندگی کیسی

چُھٹے نہ باپ سے ایسا کوئی پسر یارب
اب اس طرح سے نہ اُجڑے کسی کا گھر یارب

یہ آہِ سرد کبھی اپنے ناصروں سے خطاب پڑے ہوئے مرے شیرو ذرا اُٹھو بہ شتاب
کہیں سے لاؤ تمہیں وہ مرے چمن کا گلاب کہ جس کا عہدِ جوانی ہے مصطفیؐ کا شباب

وہ میرا چاند سلامت ہے یہ خبر لاؤ
شبیہِ احمدِ مرسل کو ڈھونڈ کر لاؤ

کبھی یہ نہر کی جانب ہے بیکسی کا بیاں تمہیں سُنو مرے عباسؑ میری آہ وفغاں
کوئی بتاتا نہیں میرا نوجواں ہے کہاں تمہیں مدد کیلئے آؤ اے علیؑ کے نشاں
یہ دل ملول بہت بے قرار ہے بھائی
تمہیں بھی تو علی اکبرؑ سے پیار ہے بھائی

جو سب کا لاڈلا ہے وہ پسر نہیں ملتا اُداس ہے صدفِ دل، گہر نہیں ملتا
وہ گلعذار وہ رشکِ قمر نہیں ملتا میں کیا کروں مرا نورِ نظر نہیں ملتا
کہاں تلاش کروں روشنی کے پیکر کو
کوئی تو ڈھونڈ کے لے آئے میرے اکبرؑ کو

یہ حالِ زار قیامت ہے آدمی کیلئے نہ آئے ایسی مصیبت کبھی کسی کیلئے
سیاہ وقت ہے بیکس کی زندگی کیلئے چراغ ہو کے ترستا ہوں روشنی کیلئے
عجب یہ بات بعنوانِ حادثات ہوئی
مجھے تو آج بھری دوپہر میں رات ہوئی

اِدھر محبتِ فرزند میں بیانِ حسینؑ اُدھر وہ آخری لمحات اور جانِ حسینؑ
بھلا سکے گی نہ دنیا یہ امتحانِ حسینؑ سناں نے لوٹ لی خوشبوئے گلستانِ حسینؑ
غریب باپ کا دل آزمانے آتی ہے
اجل بھی خون کے آنسو بہانے آتی ہے

کسی طرح جو نظر آ گیا وہ رشکِ قمر بزورِ جوشِ محبت پہنچ گئے سرور
کلیجہ تھام کے دیکھی یہ حالتِ دلبر رکھے ہیں گیسوؤں والے نے ہاتھ سینے پر
پتا یہ شیر کی بے چینیوں سے چلتا ہے
جہاں ہیں ہاتھ وہیں سے لہو اُبلتا ہے

زمینِ گرم پہ ہے گرم خون کا بستر پڑے ہیں نیم غشی میں شبیہِ پیغمبرؐ
تمام جسم پہ زخموں کی آتشیں چادر پھٹے بشر کا کلیجہ وہ حشر کا منظر
شفق کی طرح سے جو نینوا پہ بکھرا ہے
یہ ماںتا کے چراغوں کا نور پھیلا ہے

قریب ہے کہ بجھیں اب وہ ماںتا کے چراغ قریب ہے کہ بکھر جائیں حسرتوں کے ایاغ
دلِ حسینؑ اٹھائے جوان لال کا داغ قریب ہے کہ خزاں لوٹ لے غریب کا باغ
بہار ختم ہو گلدستۂ شباب چھپے
قریب ہے کہ وہ لیلیٰ کا ماہتاب چھپے

سرہانے بیٹھ کے آواز دی، علی اکبرؑ تمہارے پاس ہے اس دم یہ غم نصیب پدر
خدا کے واسطے کچھ گفتگو کرو دلبر مجھے بھی دیکھ لو نورِ نگاہ ایک نظر
گزر گئی جو مسافر پہ سب بتائے گی
تمام حال بری بے کسی سنائے گی

سُنی جو باپ کی آنسو بھری ہوئی آواز بدن میں تھرتھری آئی تڑپ گیا جانباز
سمٹ کے آ گیا آنکھوں میں ضبط کا انداز بیانِ دل کیلئے درد ہو گیا دم ساز
اب اضطراب نے کچھ دائرے سمیٹ لئے
نفس نفس پہ طبیعت نے غم لپیٹ لئے

لبوں میں آ گئی جنبش کھلے نگاہ کے دَر نظر پہنچ گئی سبطِ نبیؐ کے چہرے پر
بیان ہو نہیں سکتی یہ حالتِ اکبرؑ کچھ اس طرح ہوئی تعظیمِ سبطِ پیغمبرؐ
جھکا کے پلکیں شہِ دیںؑ کا احترام کیا
لرزتے ہونٹوں سے مظلوم کو سلام کیا

کہا یہ کانپتے لفظوں میں، اے مرے بابا
فقط یہ غم ہے کہ اب کوئی آپ کا نہ رہا
کھڑی ہے برچھیاں تانے ہوئے سپاہِ جفا
چچا تو پہلے گئے اب جہاں سے میں بھی چلا
گھرے ہیں سیدِ والاؑ ستم شعاروں میں
نبیؐ کا پھول ہے تیغوں کی تیز دھاروں میں

مرے لئے جو اٹھائی ہے آپ نے زحمت
بڑھی ہے پیشِ خدا اس غلام کی عزت
حضورؑ کس طرح اُٹھوں نہیں رہی طاقت
مرا نصیب، مری بے بسی، مری قسمت
یہ رنج بھی دلِ اکبرؑ نے اب اُٹھائے ہیں
حضورؑ آپ یہاں تک اکیلے آئے ہیں

جبیں کو چوم کے شہؑ نے کہا نہیں مرے لال
تم اپنے باپ کی زحمت کا کچھ کرو نہ خیال
جسے سمجھتے ہو تکلیف، اے خجستہ خصال
یہی وہ پیار ہے جس کی نہیں ہے کوئی مثال
خدا سے جو علی اکبرؑ سا لال پائے گا
یہ پیار کیا ہے، وہی آدمی بتائے گا

تمہیں خبر نہیں بیٹا جواں پسر کیا ہے
مرا نہال ابھی واقفِ ثمر کیا ہے
تمہیں پتہ نہیں روحِ دل و جگر کیا ہے
یہ آنکھیں جانتی ہیں دولتِ نظر کیا ہے
سفر سے لوٹ کے جس کا پسر نہیں آتا
وہ دیکھتا ہے مگر کچھ نظر نہیں آتا

جسے نصیب تجلّیِ رخِ جمال وہی
خوشی ہو جس کا مقدر سکوں مآل وہی
بہار جس کے چمن میں شگفتہ حال وہی
خدا نے پھول دیے ہوں جسے نہال وہی
مگر وہ باغ جسے ایک دوپہر لُوٹے
خزاں، گلوں کو جوانی کی شاخ پر لُوٹے

یہ کربلا کی زمیں پر مصیبتوں کے بھنور　　وہ وقت یاد دلاتے ہیں اے علی اکبرؑ
تمہارے نور سے جب حق نے بھر دیا مرا گھر　　تمام اہلِ مدینہ میں چھا گئی یہ خبر
مثال جس کی میسّر نہیں وہ پھول ملا
پسر حسینؑ کو ہم صورتِ رسولؐ ملا

زبانِ پیر و جواں پر بجی ہوئی تھی یہ بات　　بہت عزیز ہے پیشِ خدا حسینؑ کی ذات
کہ نصیب جہاں میں یہ آبروئے حیات　　عطا ہوا ہے مہِ نو تمام مہر صفات
کسے خبر تھی مہِ نو کا یہ مقدّر ہے
بھرا شباب ہے، دستِ اجل ہے، اکبرؑ ہے

ابھی نواسۂ خیر الانامؐ کے یہ سخن　　اٹھا جو درد تڑپنے لگا وہ ماہ بدن
پسر کے سینے پہ پہنچی نگاہِ شاہِ زمن　　ہٹا کے ہاتھ جو دیکھا تو کانپنے لگا تن
رہینِ چند نفس زندگی نظر آئی
سناں کلیجے میں ٹوٹی ہوئی نظر آئی

کہا یہ زخم چھپایا ہے کیوں علی اکبرؑ　　تمہیں خیال تھا شاید نہ سہہ سکے گا پدر
علیؑ کا لال ہے لیکن وہ صبر کا پیکر　　ہزار زخم ہوں ایسے تو شکر ہو لب پر
ادائے حمد سے پیاری تو کوئی چیز نہیں
مجھے خدا سے زیادہ کوئی عزیز نہیں

پھر اس کے بعد اٹھے شاہِ دیں بنامِ خدا　　کمالِ ضبط میں ٹوٹی سناں پہ ہاتھ رکھا
زباں پہ نعرۂ تکبیر اور اتنی دُعا　　کسی قدم پہ نہ گھبرائے دلبرِ زہراؑ
میں کیا کہوں جو غریب الوطن کے ہاتھ آیا
اُلجھ کے نوکِ سناں میں کلیجہ ساتھ آیا

کمالِ صبر کی دنیا نے دیکھ لی تصویر
نثار ہو گئی خوابِ خلیلؑ کی تعبیر
کلیجہ چوم کے بولا یہ نعرۂ تکبیر
یہی تو عظمتِ انساں ہے مرحبا شبیرؑ
خدا کی راہ میں جو کائنات دیتے ہیں
سناں وہ اپنے کلیجے سے کھینچ لیتے ہیں

کلیجۂ نکلا مسافر کی کائنات گئی
اندھیرا چھا گیا، شمعِ تجلّیات گئی
زمیں پہ صرف بدن رہ گئی حیات گئی
تصورات کا دولھا گیا برات گئی
تمام حسرتیں برباد کر گئے اکبرؑ
حسینؑ رہ گئے تنہا گزر گئے اکبرؑ

زبانِ حال سے دشتِ بلا پکار اُٹھا
ابوترابؑ کے گل پیرہن کو آئی قضا
اٹھا زمانے سے ہم صورتِ رسولؐ خدا
اجل نے گلشنِ سبطِ نبیؐ کو لوٹ لیا
دیارِ غیر میں یوں کوئی غم نصیب نہ ہو
خدا کرے کوئی اس طرح بھی غریب نہ ہو

رُخِ حیات پہ ویرانیاں بکھرنے لگیں
فضائیں نوحہ کناں ہو کے آہیں بھرنے لگیں
ہوائیں نہر سے منہ پھیر کے گزرنے لگیں
سناں سے لپٹی ہوئی پیاس یاد کرنے لگیں
خیال آیا جو پیاسے کی نوجوانی کا
کلیجہ پانی ہوا علقمہ کے پانی کا

تڑپ تڑپ کے پکارے چمن چمن کے گلاب
گلِ رسول کی فرقت میں زندگی ہے عذاب
ہر ایک شاخِ ثمردار نے کیا یہ خطاب
محال ہے ثمرِ گلشنِ نبیؐ کا جواب
کہاں وہ حسنِ رسالت مآب آئے گا
کسی چمن میں نہ ایسا گلاب آئے گا

کہیں چھپے ہوئے تارے یہ کر رہے ہیں بیاں　　محیطِ ارض و سما ہے غموں کی کاہکشاں
حسینؑ مہرِ امامت کہاں، یہ وقت کہاں　　اس انقلاب پہ حیراں ہے گردشِ دوراں
تمام چہرہ ہے زرد آفتاب روتا ہے
لہو کے فرش پہ اب ماہتاب روتا ہے

زمانہ دیکھ لے یہ حوصلہ، یہ دل، یہ جگر　　اٹھا رہے ہیں شہؑ دیں جوان لاشِ پسر
کیا ہے فرقتِ عباسؑ نے شکستہ کمر　　مگر یہ عزم کہ آئے نہ حرف ہمت پر
خود اپنے بازوؤں پہ اپنی لاش اٹھاتے ہیں
خیام میں علی اکبرؑ کو لے کے جاتے ہیں

اٹھائی بازوؤں پہ لاش یا علیؑ کہہ کر　　نثار ہونے لگی روحِ فاتحِ خیبر
زمیں نے آنکھیں بچھائیں دہکتے ذرّوں پر　　عجب نہیں ہے یہ کہتی ہو دھوپ کی چادر
حسینؑ دلبرِ خیبر شکن ترے قرباں
نبیؐ کے لاڈلے تشنہ دہن ترے قرباں

قدم اُٹھے طرفِ خیمہ گاہ شاہؑ چلے　　چراغِ ہمّتِ مظلوم ہر قدم پہ جلے
یہ بات کہتے ہوئے آسماں نے ہاتھ ملے　　وہ غم اٹھائے جو آغوشِ فاطمہؑ میں پلے
ستایا صاحب معراج کے نواسے کو
یہ کس نے لوٹ لیا تین دن کے پیاسے کو

ضعیف باپ کے بازو جوان بیٹے کی لاش　　یہ حال دیکھ لیں انصارِ باوفا اے کاش
رہے گی رُوحِ تصور پہ حشر تک یہ خراش　　کہے گا آج سے تاریخ کا دلِ صد پاش
وفا کے باغ میں قربانیوں کا پانی ہے
خدا کا دین تو شبیرؑ کی کہانی ہے

وہ راستہ، وہ قیامت کے خواب کی تعبیر
قدم قدم پہ مسافت کے درد کی زنجیر
بنا رہے ہیں جو اکبرؑ کے دونوں پاؤں لکیر
ابھر رہی ہے یہ احساسِ فکر کی تصویر
یہ کہکشاں سرِ آفاق جگمگائے گی
کوئی بھی دور ہو اکبرؑ کی یاد آئے گی

درِ خیام پہ آخر پہنچ گئے شبیرؑ
اٹھایا فضّہ نے پردہ بہا کے اشکِ خطیر
پکارے کانپتے ہونٹوں سے سیّدِ دلگیر
لئے ہوں لاشۂ اکبرؑ' سنبھالوائے ہمشیر
یہ کیا بیاں کروں کس طرح سے میں لایا ہوں
تمہارے شیر کو مقتل سے لے کے آیا ہوں

کہاں ہو میری بہن آؤ' آ گئے اکبرؑ
تم اپنے گیسوؤں والے کو دیکھ لو آ کر
کئے ہیں فوج پہ حملے جو صورتِ حیدرؑ
تھکن سی ہو گئی سوئے ہیں میرے ہاتھوں پر
عجب ہے نیند کا عالم بتا نہیں سکتا
تمہیں جگاؤ انہیں میں جگا نہیں سکتا

سُنی بہن نے جو بھائی کی دُکھ بھری آواز
تڑپ کے آ گئی در پر وہ فخرِ شاہِ حجاز
کچھ اور بڑھ گیا سینے میں درد کا انداز
لہو میں تر نظر آیا وہ مہ لقا جانباز
سہارا ثانیٔ زہراؑ کا جب لیا شہؑ نے
فلک کا چاند زمیں پر لٹا دیا شہؑ نے

لپٹ کے لاش سے بولیں یہ ثانیٔ زہراؑ
پھوپھی نثار بتاؤ یہ کیا ہوا بیٹا
ملا ہے خوب مجھے میری محنتوں کا صلا
خبر ہے پالنے والی کا حال کیا ہو گا
یہ کس نے زخموں کی چادر اُڑھائی ہے اکبرؑ
میں کس طرح تمہیں دیکھوں' دہائی ہے اکبرؑ

سمجھ رہی تھی کہ دو لال کر دیے قرباں　　تمہارے باغِ جوانی پہ آئے گی نہ خزاں
مگر میں کیا کروں اے میرے شیر میرے جواں　　دکھا دیا مری قسمت نے یہ ستم بھی یہاں
تمہارے بعد یہ لمحے پھوپھی نے پائے ہیں
کہ اب تو عونؑ و محمدؑ بھی یاد آئے ہیں

بیانِ ثانیِ زہراؑ پہ مچ گیا کہرام　　قریب لاش ہُوا کعبۂ رسولِ انام
کسی نے رو کے کہا آہ اکبرِؑ گلفام　　کسی کے لب پہ صدا ہائے بیکسیِ امامؑ
گزر گئے علی اکبرؑ پدر ہُوا تنہا
جہاں میں رہ گیا زہراؑ کا لاڈلا تنہا

تمام اہلِ حرم آئے، آگئیں لیلیٰؑ　　ہزار مامتا غالب ہوئی پہ ضبط کیا
یہی خیال دل و ذہن پر محیط رہا　　کوئی یہ بات نہ کہہ دے کہ صبر ہو نہ سکا
تمام گودیاں خالی ہیں، خیمے خالی ہیں
تمام بیبیاں اکبرؑ کو رونے والی ہیں

پکڑ کے ہاتھ جو لے آئیں ثانیِ زہراؑ　　کلیجہ خاک پہ دیکھا تو مامتا نے کہا
مرا خیال نہ آیا تو کچھ نہیں بیٹا　　تمہیں تو اے علی اکبرؑ پھوپھی نے پالا تھا
وہ کیسے صبر کریں گی جواب دو اکبرؑ
کھڑی ہیں دخترِ زہراؑ اُٹھو اُٹھو اکبرؑ

خدا نے تم کو عطا کی ہے آبروئے ادب　　تو پھر بتاؤ تغافل کا آج کیا ہے سبب
میں جانتی ہوں کہ تم آئے ہو خیام میں جب　　رہے ہو سب کیلئے خوش کلام و خیر طلب
یہ کیا مزاج مرے لال اختیار کیا
نہ مسکرائے، نہ اصغرؑ کو تم نے پیار کیا

یہ کیسی نیند ہے جس کو گلے لگائے ہو — یہ سرخ پھول سرِ جسم کیوں سجائے ہو
مثالِ ابنِ حسنؑ خون میں نہائے ہو — سُنا ہے باپ کے ہاتھوں پہ آج آئے ہو
اُٹھو لڑائی کا قصہ سُنا کے سو جانا
پڑے ہو خاک پہ بستر بچھا کے سو جانا

سُنا ہے شاہ نے سینے سے کھینچ لی برچھی — ذرا وہ زخم دکھاؤ مرے شبیہِ نبیؐ
میں جانتی ہوں کلیجے پہ کیا بنی ہو گی — بتا رہی ہے یہ سینے کے زخم کی سُرخی
بدن سے روح کا رشتہ نہیں رہا بیٹا
میں جانتی ہوں کلیجہ نہیں رہا بیٹا

سُنا ہے جس کو میسّر ہوا جوان پسر — وہ ماں زمانے میں کہلائی خوش نصیب شجر
خدا نے جس کو دیا ہو شبیہِ پیغمبرؐ — اُسی کے گھر کا سکوں چھین لے اجل کی نظر
غریب ماں کے مقدّر میں کچھ نہیں بیٹا
تمہارے بعد مرے گھر میں کچھ نہیں بیٹا

نہ جانے ایسے میں کیوں آ رہا ہے ایک خیال — کہ جیسے کوئی مرے دل سے کر رہا ہو سوال
وہ اک بہن جو مدینے میں ہو رہی ہے نڈھال — کیا تھا اُس سے جو وعدہ بھلا دیا مرے لال
وہ انتظار میں گھڑیاں گزارتی ہو گی
وہ صبح و شام تمہیں کو پکارتی ہو گی

دھڑک رہا ہے مرا دل میں کیا کروں بیٹا — کہ جیسے شام سے پہلے لٹے گی آلِ عبا
سُنا رہی ہے مجھے ارضِ کربلا کی ہوا — کہ جیسے آج مرے بال کھول دے گی فضا
جنابِ فاطمہؑ زہرا کا لاڈلا نہ رہے
عجب نہیں سرِ زینبؑ پہ اب ردا نہ رہے

نبیؐ کے لال نے آخر اٹھائی لاشِ پسر　　چلے جو خیمے سے باہر تو ہو گیا محشر
پھوپھی کی طرح سے بے ہوش ہو گئی مادر　　ہر اک زبان پہ تھا الوداع اے اکبرؑ
گئی تو در پہ مگر آہ بھر کے لوٹ آئی
سکینہؑ بھائی کو تسلیم کر کے لوٹ آئی

خموش قیصرؔ غمگیں نوا خدا کے لئے　　اب اپنے ہاتھ اُٹھا عرضِ مُدّعا کے لیے
زباں ہلے نہ کبھی غیر کی ثنا کے لئے　　یہ زندگی ہو غمِ شاہِ کربلا کے لیے
لکھا ہے مرثیہ مظلوم کی سلامی کو
ثواب اس کا ملے مادرِ گرامی کو

◆◆◆

maablib.org

قیصرِ اقلیمِ مرثیہ

(شاعرِ حسینیتؑ قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری)

ایک زمانے تک صورت یہ رہی کہ ہمارے مرثیے کی تنقید انیس و دبیر پر آ کر ختم ہو جاتی تھی۔ کلاسیکی عہد کے بعد کے مرثیے کو زیادہ لائقِ توجہ نہیں سمجھا گیا مگر اب شاید اس پر زیادہ توجہ ہے۔ قیصر بارہوی مرحوم تو ہمارے ہی زمانے کے شاعر تھے۔ ان کے انتقال کے بعد لازم تھا کہ ان کے سارے کام کو سمیٹا جاتا اور اس کا سنجیدگی سے مطالعہ کر کے ان کے مرثیے کے متعلق کوئی مستقل رائے قائم کی جاتی۔ بہت اچھی بات ہے کہ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن نے یہ ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے بارہوی مرحوم کے سارے مرثیوں کو سمیٹ کر اولاً سرسری تعارف کروایا ہے، ہر مرثیے کا ایک مختصر تعارف پیش کیا ہے اور پھر دقتِ نظر کے ساتھ ان کا ایک تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ قیصر بارہوی مرثیے کے میدان میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے یقیناً اس مطالعہ کے مستحق تھے۔ ڈاکٹر سید شبیہ الحسن بھی اپنے اس مطالعہ کیلئے جو ان کی تنقیدی بصیرت کا غماز ہے، داد کے مستحق ہیں۔

۱۵ جولائی ۲۰۰۶ء

انتظار حسین

جیل روڈ لاہور